رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی۔اے۔ ایل۔ایل۔بی) و مولوی صدر الدین (بی۔اے۔ بی۔ٹی)

جلد (۲) | بابت ماہ مئی ۱۹۱۶ء | نمبر (۵)

فہرست مضامین

ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۶ء

احمدیہ بلڈنگس لاہور ... مئی سنہ ۱۹۱۶ء کو مرزا یعقوب بیگ صاحب آنریری سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے اہتمام سے ...

قیمت سالانہ تین روپے

اشاعت اسلام بک ڈپو

تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری

(۱) براہین نیرہ حصہ اوّل المعروف بہ۔ قرآن ایک معجزہ اور عالمگیر الہام ہے۔ اردو قیمت دس آنے (۱۰/)

(۲) ام الالسنہ یعنی عربی مبیّن کل زبانوں کی ماں ہے۔ اُردو۔ قیمت دس آنے ...... (۱۰/)

(۳) اسوہ حسنہ۔ الموسوم بہ "زندہ اور کامل نبی" اردو قیمت چار آنے ...... (۴/)

(۴) احادیث نبوی کا اقتباس انگریزی قیمت (۲/)

مسلم پریئر انگریزی قیمت چار آنے ... (۴/)

صحیفہ آصفیہ تبلیغ بنام بحضور نظام حیدرآباد دکن اردو قیمت (۲/)

بنگال کی دلجوئی انگریزی و اردو فی کتاب قیمت (۱/)

مسلم مشنری کے ولائیتی لیکچروں کا سلسلہ اردو قیمت (۱/)

اور تین عدد انگریزی لیکچر قیمت تین آنے ... (۳/)

مسلم انڈیا اینڈ دی گورنمنٹ انگریزی۔ کرشن اوتار۔ اردو۔ فی کتاب قیمت ایک آنہ ...... (۱/)

اسلامک ریویو و مسلم انڈیا کی جلدیں ۱۹۱۳-۱۹۱۴

انگریزی قیمت فی جلد سنہ ۱۹۱۳ء (عہ) جلد سنہ ۱۹۱۴ء (عہ)

رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ اسلامک ریویو کے سابقہ پرچے جولائی سنہ ۱۹۱۴ء لغائیت دسمبر سنہ ۱۹۱۴ء قیمت (عہ)

دیگر مختلف تصنیفات

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ پارہ اوّل مرتبہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ اردو۔ قیمت فی جلد ... (۶/)

نکات القرآن حصہ دوم ایضاً " ... (۶/)

عصمت انبیاء (۸/) غلامی " " ... (۴/)

دی ٹرن او یکنگ ٹو اسلام مصنفہ جناب لارڈ ہیڈلے صاحب بالقابہ انگریزی۔ قیمت فی جلد بارہ آنے ... (۱۲/)

التوحید جس میں لا الٰہ الا اللہ کی مختصر تفسیر ہے مصنفہ جناب ڈاکٹر سیّد محمد حسین شاہ صاحب ایل۔ ایم۔ ایس ... (۱/)

طریق فلاح جس میں بت پرستی کی بنیاد اور اُس سے بچنے کی آسان راہ ہے مصنفہ جناب شاہ صاحب ایل۔ ایم۔ ایس ... (۱/)

Miracle of Mohd

مصنفہ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹرایٹ لا۔ انگریزی (۱۲/)

اسلام اینڈ سوشیلزم " " " (۱۴/)

پیغام صلح انگریزی و اردو فی رسالہ قیمت ... (۱/)

النبوۃ فی الاسلام۔ نبوت کی اصل غرض و غائیت مصنفہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے قیمت ... (عہ)

حدوث مادہ .... (۴/)

مکمل جلد اول سنہ ۱۹۱۵ء رسالہ اشاعت اسلام قیمت (سے)

پتہ

منیجر خواجہ عبد الغنی۔ عزیز منزل احمدیہ بلڈنگس نولکھا لاہور

نوٹ:۔ ۱-۲-۳-۴ ناظرین کرام ان کتب کو اپنے حلقۂ اثر میں اور غیر مسلم احباب میں تقسیم فرماکر ثواب دارین حاصل کریں +
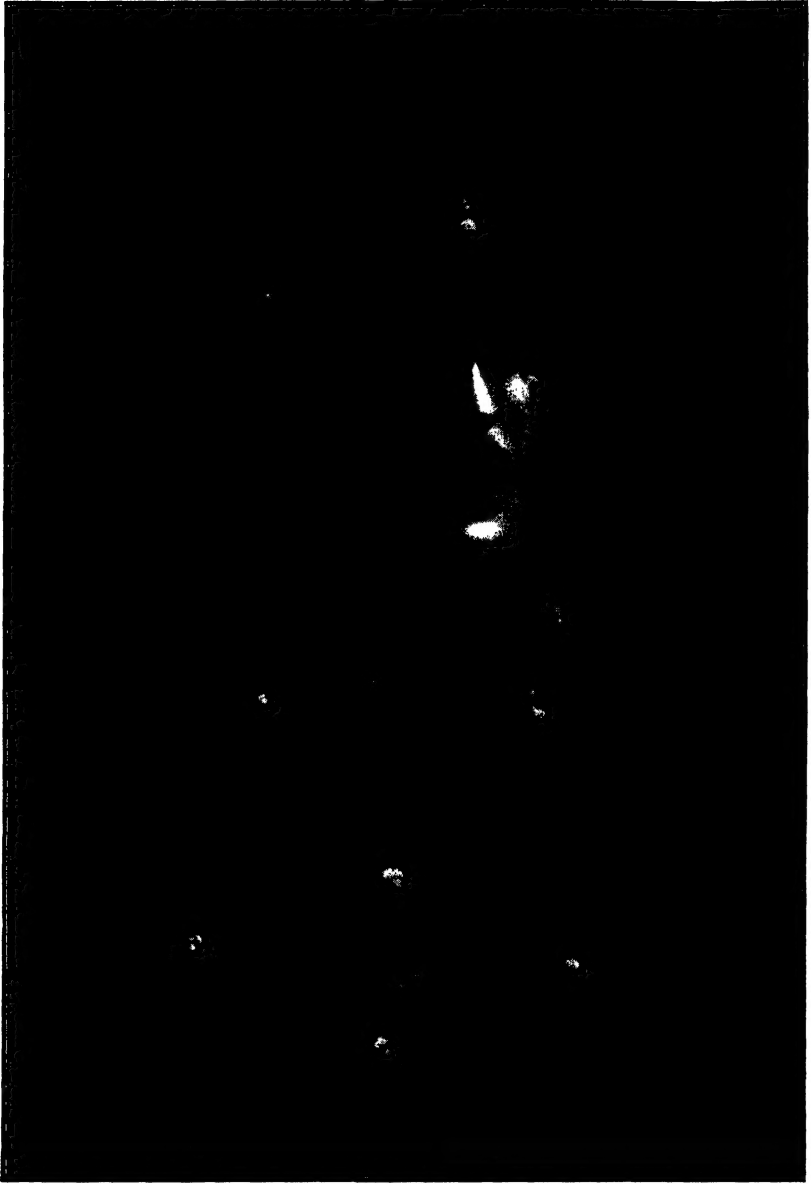
Yours faithfully

(MUHAMMAD NASRULLAH.)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو و مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۲) بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۱۶ء نمبر (۵)

شذرات

اس رسالہ کے ساتھ جس معزز انگریز نومسلم کی تصویر شائع ہوتی ہے اور جو انگریزی فوج میں کپتان کے عہدہ پر ہیں۔ ان کا نام نامی البرٹ آدم سٹرانگ میکلالن ہے جن کے اسلام لانے کا اعلان گذشتہ رسالہ میں ہو چکا ہے ان کا اسلامی نام محمد نصر اللہ رکھا گیا ہے ان کا اپنا دستخطی اعلان اسلامک ریویو کے اپریل نمبر کے ساتھ شائع ہوا ہے جو بالفاظ ذیل ہے*

میں البرٹ آرم سٹرانگ میکلالن ولد پاوسی الگزنڈر میکلالن اس اعلان کے ذریعہ سے برضا و رغبت خود اپنے ایمان اور سچے دل سے اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ میں اپنے لئے مذہب اسلام اختیار کرتا ہوں۔ اور کہ میں صرف ایک اللہ کی پرستش کروں گا۔ اور کہ میں اس بات پر ایمان لاتا ہوں کہ محمد صلعم اللہ کے رسول اور اس کے بندہ ہیں اور کہ میں سب انبیاء ابراہیم موسےٰ عیسےٰ علیہم السلام وغیرہم کی یکساں عزت کرتا ہوں اور کہ میں اللہ تعالےٰ کی مدد سے ایک مسلم کی زندگی بسر کروں گا*

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

[illegible] سال دستخط اے۔ اے۔ میکالن کپتان۔ آر منسٹر فیوزلیرز

مارچ کے مہینہ میں تین انگریز مرد داخل اسلام ہوئے یعنی ایک مسٹر ڈی مل جو [illegible] کے رہنے والے ہیں اُنھوں نے اپنا اسلامی نام جلال النبی تجویز کیا ہے۔ اور دو اور انگریزی افریقہ [illegible] مسلم ہوئے ہیں۔ جو مغربی افریقہ کے باشندے ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام مود اسٹر ہے۔ اور اسلامی نام [illegible] اور [illegible] کا نام [illegible] سیوطی ہے۔ اور اسلامی نام عبد الصمد تجویز ہوا ہے۔ ان دونوں صاحبوں [illegible] اسلام کے [illegible] کے علاوہ بڑے بڑے اخلاص کی چٹھیاں مولوی صدر الدین صاحب امام مسجد ووکنگ کے نام لکھی ہیں *

خدا کے فضل سے اسلامک ریویو کا دائرہ تبلیغ انگلستان تک محدود نہیں۔ بلکہ انگلستان سے پھر کم و بیش یورپ کے دیگر ممالک میں پھر دیگر ممالک عالم میں اس کا اثر روز بروز پھیل رہا ہے اور اس وقت تک فرانس۔ بلجیم۔ اٹلی۔ روس کے بعض اعلیٰ طبقہ کے اشخاص کے علاوہ امریکہ اور افریقہ میں بھی نو مسلم ہوئے ہیں۔ بلکہ آسٹریلیا اور ایشیا پر بھی اثر ہوا ہے۔ اگر کوئی نقص ہے تو صرف اس کی اشاعت کی کمی۔ اس میں شک نہیں کہ محض اشاعت اس وقت تک زیادہ مفید ثابت نہیں ہوتی۔ جب تک کہ اس کے ساتھ ایک مرکز قائم نہ ہو۔ جہاں لوگوں سے میل ملاقات پیدا کی جائے اور اُن کے دلوں میں جو شکوک پیدا ہوں اُن کے بھی جواب دیئے جائیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ بغیر ایک تبلیغی مرکز قائم کرنے کے تبدیل مذہب کی امید رکھنا بے فائدہ ہے۔ اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اسلامک ریویو دور دور کے ملکوں سے بھی مستعد طبیعتوں کو اپنی طرف اس زور سے جذب کر رہا ہے کہ بغیر کسی اور محرک کے وہ اسلام کے اندر داخل ہو رہے ہیں اور اس طرح پر اس بات کا ثبوت مل رہا ہے کہ تبلیغ اسلام کے لیئے کس قدر وسیع میدان پڑا ہے۔ جہاں اسلام کی تبلیغ کے لیئے مرکز قایم ہو سکتے ہیں *

خود انگلستان کے اندر کس طرح پر اندر ہی اندر اسلام گھر کر رہا ہے۔ تعجب آتا ہے۔ ۹ر فروری ۱۹۱۶ء کے ایک خط میں مولینا مولوی صدر الدین صاحب نے ایک واقعہ اس کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔ کہ کس طرح ایک نوجوان خاتون نے جس کا نام مس ٹے بودن تھا۔ مرتے وقت اپنے اسلام کے ساتھ

تعجب کا اظہار کیا۔ یہ نوجوان خاتون اپنی والدہ کی معیت میں کچھ دن برابر ہر ہفتہ لیکچر میں آتی رہیں۔ ان کے پہلے مسجد میں آنے کی وجہ جو انھوں نے خود بیان کی یہ ہوئی کہ ماں بیٹی گرجا جاتی تھیں مگر وہاں زیادہ دیر ہو گئی۔ قریب ہی مسجد دیکھ کر انھوں نے کہا کہ چلو آج اس کو ہی جو دیکھ لیں کہ مسلمانوں کا مذہب کیسا مضحکہ خیز ہے۔ مسجد کے اندر آئیں تو پہلے ہی دن توحید کے لیکچر نے ایسا ان کے دلوں کو پکڑا کہ وہ سمجھ گئیں کہ حقیقی توحید صرف مسلمانوں کے پاس ہے اور جس کو وہ اب تک سچا مذہب سمجھ رہی تھیں۔ وہ درحقیقت شرک اور باطل ہے۔ کئی اتوار لیکچر دن میں شمولیت کے بعد ان کی آمد و رفت یکمرتبہ بند ہو گئی۔ آخر کچھ عرصہ بعد ایک دن اس خاتون کے والد مسجد میں آگئے اور انھوں نے یہ بیان کیا کہ مس ڈے بورن چھ ہفتہ بیمار رہ کر انتقال کر گئیں۔ اور یہ بھی کہا کہ ساری بیماری میں وہ آپ کا ذکر کرتی رہیں۔ اور عشاء کی نماز کے وقت اذان کو توجہ سے سنتی تھیں اور خیال کرتی تھیں کہ اب میرے سینہ سے خون آنا بند ہو تو مسجد میں جاؤں۔ مگر زندگی نے وفا نہ کی۔ اس موقعہ پر جو ہمدردی کا اظہار اہل مسجد کی طرف سے ہوا اس کا اقرار اس خاتون کے والد نے وہاں کے مقامی اخبارات میں کیا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا پاک پیغام کس طرح اندر ہی اندر دلوں کو مسخر کر رہا ہے۔ اور عجیب نہیں کہ کسی وقت اس کا اثر ہم کو یدخلون فی دین اللہ افواجا کے رنگ میں نظر آئے ✦

اسلام کی تاریخ میں اس قسم کے صدہا واقعات پائے جاتے ہیں کہ کس طرح ظاہر مخالفت کے ہوتے ہوئے اسلام اندر ہی اندر طبائع پر اپنا نیک اثر ڈال رہا۔ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس کی اعلےٰ درجہ کی مثال ملتی ہے۔ ایک طرف تو اہل مکہ خطرناک مخالفت کرتے مسلمانوں کو دکھ دیتے ملتے گھروں سے نکال دیتے ہیں۔ دوسری طرف ان کے دل گویا اسلام کے پاک اثر سے کھائے جا چکے تھے اور کثرت سے لوگ اس کی صداقت کے معترف تھے۔ چنانچہ جب بڑے بڑے سردار جو مخالفت کرتے تھے مر گئے تو لوگ جوق در جوق اسلام کے اندر داخل ہونے شروع ہوئے ادھر مسلمانوں کے ساتھ جنگ ہو رہا ہے۔ ادھر انہی میں سے لوگ مسلمان ہوتے چلے جاتے ہیں خالد بن ولید احد کی جنگ میں مسلمانوں کے خلاف سپہ سالار بن کر جنگ کرتا ہے۔ اور فتح مکہ میں ایک دستہ فوج اسلامی کا سردار ہے۔ غرض اسلام کی تعلیم ایسی پاک اور ایسی فطرت انسانی کے تقاضوں کو

پورا کرنے والی ہے کہ سعید الفطرت لوگ کسی قوم کے بھی ہوں بہت جلد اس کی پاک تعلیم سے متاثر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور یہی واقعہ آج انگلستان میں ہو رہا ہے۔ بہت لوگ ہیں جنھوں نے اسلام کا اعلان نہیں کیا۔ مگر اسلام کی صداقت ان کو اپنا گرویدہ بنا چکی ہے ؞

مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان تبلیغ اسلام کے فرض کی طرف سے بالکل غافل ہو بیٹھے ہیں۔ یہ غفلت ایک مدت سے طاری ہے۔ اور اس لیئے شائد یہ خیال بھی مسلمانوں کے دلوں سے نکل گیا ہے کہ اسلام کے اندر کیسی طاقت اور کیسا جذب ہے۔ قرآن سے بیگانہ اور نا آشنا ہو کر اسلام کی خوبیوں کا دل میں کیا خیال باقی رہ سکتا ہے۔ مگر اس وقت تو خدا تعالےٰ نے وہ اسباب بھی پیدا کر دیے ہیں۔ جنھوں نے اسلام کی خوبیوں اور اسلام کی قوت جذب کا عملی ثبوت دیدیا ہے۔ اور دکھا دیا ہے کہ کوئی شخص اسلام کے منور چہرہ سے پردہ اٹھانے کیلیئے تیار ہونا چاہیئے۔ اس پر فدا ہونے والے ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ یہی حقیقی جہاد تھا۔ اسی کا نام اللہ تعالےٰ نے جہاد کبیر رکھا ہے۔ چنانچہ قرآن کے حقائق سے دنیا کو آگاہ کرنے کے متعلق ہی فرمایا وجاھدھم بہ جھادا کبیرا۔ اسی جدوجہد میں مسلمانوں کی زندگی تھی۔ کہ وہ اپنی تبلیغی کوششوں کو بڑھاتے چلے جاتے۔ مگر افسوس ہے کہ وہ اپنی زندگی کے اسباب سے بھی لاپرواہیں ؞

خدا تعالےٰ نے تو اشاعت اسلام کا حق ہر ایک مسلمان کے مال میں فرض کے رنگ میں بھی رکھدیا تھا۔ علاوہ اس سے جو جہاد کی ترغیب بار بار دلائی۔ جس سے حقیقی مقصود اعلائے کلمۃ اللہ ہی ہے نماز کا قائم کرنا اور زکوٰۃ کا ادا کرنا اسلام کے ایسے ضروری اصول ہیں کہ قرآن کریم میں ان کا ذکر توحید الٰہی کے اقرار کے ساتھ کیا ہے۔ گویا ایک مسلمان کی عملی زندگی ان دو کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کے سب بڑے بڑے کام اس زکوٰۃ سے نکلتے تھے۔ لیکن جب مسلمانوں کی حالت گرنی شروع ہوئی تو سب سے پہلا انقلاب یہ بھی نظر آتا ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کیطرف سے مسلمان غافل ہونے لگے۔ اور آہستہ آہستہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ اب شاید بہت سے مسلمانوں کو یہ معلوم بھی نہیں کہ یہ کیسی ضروری چیز ہے۔ اور جو اس فرض کو ادا کرتے بھی ہیں وہ اپنی جگہ خود

جس طرح چاہتے ہیں اور جس قدر چاہتے ہیں روپیہ صرف کر دیتے ہیں۔ اور اپنے دل میں ہی فرض کر لیتے ہیں کہ فلاں رقم جو ہم نے فلاں مسکین کو دی وہ زکوٰۃ کا ہی حصہ ہے۔ حالانکہ قرآن کریم نے زکوٰۃ کے آٹھ مختلف مصارف قرار دیئے ہیں اور یہ ضروری ہے کہ ان سب مصارف میں کچھ نہ کچھ حصہ زکوٰۃ کا جائے۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ زکوٰۃ کے مختلف مصارف میں ایک مصرف والعاملین علیہا بھی ہے۔ یعنی زکوٰۃ میں سے ان لوگوں کی تنخواہیں بھی ادا کیجانی چاہئیں جو زکوٰۃ کو جمع کرنے پر مقرر ہوں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کا منشا یہی تھا کہ زکوٰۃ کا روپیہ ایک جگہ جمع ہو اور وہاں سے مناسب طریق پر خرچ ہو نہ کہ ہر شخص بجائے خود جس طرح چاہے زکوٰۃ کو صرف کر دے۔ زکوٰۃ کا فریضہ کس قدر اہم فرائض میں سے ہے۔ کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی خلافت کے شروع میں ان لوگوں کے ساتھ جنگ کی جنھوں نے زکوٰۃ کا روپیہ ادا کرنے سے انکار کیا تھا۔ اور قرآن کریم میں زکوٰۃ کے نہ دینے والوں کے متعلق بڑے سخت وعید آئے ہیں۔ جو شخص اس دنیا کے چند پیسوں سے محبت کر کے خدا کے حکم کو ٹالتا ہے۔ وہ پیسے بھی اس کے لیئے برکت کا موجب نہیں ہوتے +

منجملہ دیگر مصارف زکوٰۃ کے دو مصرف یہ بھی ہیں ایک المؤلفۃ قلوبھم۔ دوسرا فی سبیل اللہ اوّل الذکر مصرف سے یہ مراد ہے کہ جب لوگوں کو تبلیغ اسلام کی جائے تو ایک گروہ ان میں ایسا پیدا ہو جاتا ہے۔ جو اسلام کی باتوں کو سننا چاہتا ہے۔ اور سمجھنا چاہتا ہے۔ ان کے لیئے ایسے موقع پیدا کرنے چاہئیں کہ وہ سن سکیں۔ اور دوسرے مصرف سے مراد صاف اشاعت و تبلیغ اسلام کے اخراجات ہیں حتیٰ کہ مجاہد یعنی وہ شخص جو اشاعت و تبلیغ اسلام کے کام میں مصروف ہیں۔ اس کو خواہ وہ صاحب نصاب ہی کیوں نہ ہو زکوٰۃ دینی جائز ہے۔ کیونکہ وہ اسے اپنی ضروریات پر نہیں بلکہ دین کی ضروریات پر خرچ کرتا ہے۔ یہ دو مصرف زکوٰۃ کے ایسے ہیں کہ اس وقت ووکنگ مشن کے ذریعہ سے یہ ہر دو اغراض پوری ہو رہی ہیں۔ اس لیئے ہم اپنے ناظرین کو یہ توجہ دلاتے ہیں کہ وہ اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ گنوائیں۔ یہ وقت ہے کہ ہر ایک تبلیغ اسلام کے لیئے دل میں درد رکھنے والا مسلمان اپنے حلقۂ اثر میں یہ تحریک کرے کہ زکوٰۃ کا روپیہ یا کم سے کم اس کا ایک معقول حصہ ووکنگ مشن کی امداد کے لیئے دیا جائے۔ اور مستورات میں بھی یہ تحریک کی جائے۔ کیونکہ مستورات کے پاس

کچھ نہ کچھ مالی ایسا ضرور ہوتا ہے جو زکوٰۃ ادا کرنے کے قابل ہوتا ہے +

اسلام کے شیدائیو اُٹھو اور اسلام کی اشاعت اور تبلیغ کے لیئے کمرہمت باندھ کر کھڑے ہو جاؤ اور لوگون کو اس امر کی طرف پورے زور سے متوجہ کرو کہ وہ اس کام میں جس کو اللہ تعالےٰ نے اس قدر برکات سے مالامال کیا ہے۔ اور جس کے ذریعہ سے سینکڑون دنوں مین اسلام کا نور پیدا کردیا ہے اور ہزارون میں اسلام کے ساتھ محبت اور ہمدردی پیدا کرھی ہے۔ اعانت کیلیئے کھڑے ہوجائیں۔ زکوٰۃ کا روپیہ اُنھوں نے بہرحال نکالنا ہے۔ کیوں نہ اُس کو اعلےٰ سے اعلےٰ مصرف یعنی اشاعت اسلام پر لگایا جائے مسلمانوں میں دینے والے ہیں۔ مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ جو لوگ اس کام سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں وہ اپنے اپنے حلقہ احباب مین تحریک کر کے اس تجویز کو پورے طور پر کامیاب کرنے کی کوشش کریں۔ اگر ہندوستان کے مسلمانوں کی زکوٰۃ کا تھوڑا سا حصہ بھی اشاعت اسلام پر صرف ہونے لگے تو بیسیوں مشن اس کے سر پر قایم ہو سکتے ہیں +

ایک اسلامی یادگار

عنوان بالا کے ماتحت لارڈ ہیڈلے نے ایک تجویز لندن مین ایک مسجد قایم کیئے جانے کے لیئے ولایت کے اخبارات میں شایع کی ہے۔ اور اس تجویز کو گورنمنٹ کے سامنے بھی پیش کیا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ گورنمنٹ نے ہمیشہ ان جانبازوں کی یادگاریں کسی نہ کسی رنگ میں قائم کی ہیں۔ جنھوں نے اپنی جانوں کو گورنمنٹ کے لیئے قربان کردیا ہے۔ اور اس لیئے اپنی نوعیت میں یہ کوئی نرالا مطالبہ نہیں۔ ہاں لارڈ ہیڈلے کے دل میں جو اسلام کی تڑپ ہے اُس کا اظہار اُن کی اس تجویز سے ضرور ہوتا ہے۔ وہ مسلمان سپاہیوں کی وفاداری

کی یادگار کو کسی بے فائدہ عمارت کی صورت میں دیکھنا نہیں چاہتے۔ بلکہ ایک ایسے رنگ میں اسے قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جو اسلام کی حقیقی یادگار کہلا سکتی ہے اور جس کا عملاً مسلمانوں کو ایک عظیم الشان فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اس عظیم الشان سلطنت کے دار الخلافہ میں جو قریباً دس کروڑ مسلمانوں پر حکمران ہے۔ ایک مسجد یا اسلامی معبد کی تجویز تو درحقیقت یادگار کے خیال سے علیحدہ کر کے بھی ایک ایسی تجویز ہے کہ جس کی مدبران ملک کو ضرور قدر کرنی چاہیئے۔ کیونکہ جس صورت میں اس وقت لندن اس وسیع سلطنت کا ایک عظیم الشان مرجع بنا ہوا ہے تو اس کے اندر اس کی رعایا کے مختلف مذاہب کے معبد درحقیقت اس سلطنت کی عظمت و شوکت کی دلیل ہونگے اور یہی وجہ ہے کہ لارڈ ہیڈلے نے سچی اسلامی وسیع الخیالی سے مسجد کی تجویز کے ساتھ ایک ہی ہندوؤں اور سکھوں کے معبد کی تجویز بھی پیش کی ہے۔ اسلام تو درحقیقت سارے مذاہب کے معبدوں کی یکساں قدر کرتا ہے۔ اور سب سے پہلے جو مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت دی گئی تو اس لیئے نہیں کہ وہ صرف مساجد کی حفاظت میں کھڑے ہو جائیں۔ اور ان کو انہدام سے بچائیں۔ بلکہ اس لیئے کہ ہر ایک مذہب کے معبدوں کی حفاظت کریں۔ چنانچہ وہ آیت قرآنی جو اسلام کی اس وسعت خیالی اور بلند نظری پر شاہد ہے کہ کس طرح وہ سب مذاہب کو یکساں آزاد دیکھنا چاہتا ہے۔ اور کس طرح سب کے معبدوں کو باقی رکھنا مسلمان کا حقیقی فرض بتاتا ہے۔ حسب ذیل ہے:۔ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع و بیع و صلوات و مساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا۔ اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ سے روک نہ دیتا تو راہبوں کی کوٹھڑیاں اور گرجے اور معبد اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے منہدم کر دیئے جاتے۔ یہاں روکنے والے مسلمان ہیں۔ جن کو اس سے ماقبل کی آیت میں جنگ کی اجازت دیجاتی ہے۔ جیسا کہ اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر سے ظاہر ہے اور گرجاؤں اور معبدوں اور مساجد کے انہدام کے

درپے اسلام کے دشمن ہیں۔ پس مسلمانوں کو گویا ان سب معبدوں کی حفاظت کے لیئے کھڑا کیا گیا ہے۔ اور یہ اسلام کی نمایاں خصوصیتوں میں سے ایک خصوصیت ہے کہ دوسرے کسی مذہب نے اس قدر وسعت خیالی کا ثبوت نہیں دیا۔ گو قرآن بار بار یہی فرماتا ہے کہ سچا دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ اور اسلام کے سوائے جو شخص مذہب اختیار کرے گا وہ آخرت میں نقصان اُٹھائے گا۔ مگر بایں سب کے معبدوں کی حفاظت کرنا ایک مُسلمان کا فرض قرار دیتا ہے۔ چنانچہ نہ صرف یہ تعلیم لفظوں میں ہی قرآن کے اندر موجود ہے بلکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے بھی دکھا دیا کہ ایک مُسلمان سب مذاہب کے معبدوں کا محافظ ہے۔ چنانچہ جو معاہدہ آپ نے عرب کے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ اُس میں ایک یہ فقرہ بھی ہے۔ "علاوہ بریں یہ میرے پیروؤں کا فرض ہوگا۔ کہ وہ عیسائیوں کے گرجاؤں کی مرمت کریں۔ اور یہ مرمت کا خرچ ان کے ذمہ بطور قرضہ نہیں ہوگا۔ بلکہ محض خدا کی رضا کے لیئے اور اس معاہدہ کو پورا کرنے کے لیئے جو رسول اللہ نے اُن کیساتھ کیا ہے۔" اس سے بڑھ کر فراخدلی کا ثبوت دُنیا میں اور کیا ہو سکتا ہے۔ کیا دنیا کا کوئی مذہبی پیشوا ہے۔ جس نے دوسرے مذاہب کے معبدوں کی مرمت کو اپنے پیروؤں کا فرض قرار دیا ہو۔ غرض لارڈ ہیڈلے صاحب کی یہ تجویز اس قابل ہے کہ امید ہے نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو اور سکھ بھی اس کی پورے زور سے تائید کریں گے۔ اور اس طرح پر یہ ایک نہیں بلکہ تین یادگاریں برٹش گورنمنٹ کی مذہبی پالیسی کی آزادی پر ہمیشہ کے لیئے گواہ رہیں گی +

ذیل میں لارڈ موصوف کا اصل مضمون درج کیا جاتا ہے۔ جو اُنھوں نے اخبار ڈیلی گریفک کے نام بھیجا ہے۔ اور اخبار مذکور میں شایع ہوا ہے۔ ڈیلی گریفک کے علاوہ یہ مضمون اور بھی ولایت کے اخبارات میں کثرت سے شایع ہوا ہے +

بخدمت ایڈیٹر صاحب اخبار ڈیلی گریفک۔

جناب من چند ہفتے ہوئے کہ میں نے محکمہ جنگ اور انڈیا آفس میں ایک تجویز پیش کی تھی۔ کہ ہمارے ہندوستانی بھائیوں کی بہادری اور وفاداری کی قدردانی کے اظہار کے لیئے ایک مسجد

ان مسلمان سپاہیوں کی بہادری کی یادگار میں قائم کی جائے۔ جو سلطنت کی حفاظت کے لیئے
جنگ کرتے ہوئے اپنی جانیں قربان کر چکے ہیں اور جو اب اس سرزمین میں جس کی خاطر انھوں نے
اپنی جانیں دیں یا اور سرزمینوں میں اپنے گھروں سے ہمیشہ کے لیئے دُور ہو کر سو رہے ہیں۔ ان
ہمت افزا جوابوں سے جو مجھے موصول ہوئے ہیں مجھے یہ یقین کامل ہو گیا ہے کہ گورنمنٹ کو
اس تجویز کی معقولیت کا احساس پورے طور سے ہو چکا ہے۔ اور تمام وہ لوگ جو ہمارے [illegible] اسلامی
بھائیوں کی محبت کرنے والی سرشت سے آگاہ ہیں وہ آسانی سے اس بات کو سمجھ لیں گے کہ
ایسی قدردانی بہت ہی مفید اور قیمتی ثابت ہوگی اور اس زنجیر میں جو ہم کو ہماری مشرقی سلطنت
سے وابستہ کرتی ہے۔ ایک اور کڑی کا اضافہ ہو جائے گا اور اس طرح تعلقات باہمی مستحکم
ہو جائیں گے۔ اسی قسم کی قدردانی کا اظہار سکھوں اور دوسرے ہندوستانیوں کے لیئے بھی ہونا
ضروری ہے تاکہ اس وجہ سے حاسدانہ خیالات پیدا نہ ہوں۔ اس بات کے لیئے بہت سی قابل قدر
وجوہ ہیں کہ کیوں یہ کام ابھی شروع ہو جانا چاہیئے اور جنگ کے خاتمہ تک اس کا التوا نہ
ہونا چاہیئے۔ میں اس بات کو محسوس کرتا ہوں کہ عام ریلیف فنڈ سے اس قسم کی یادگار قائم نہ
ہونی چاہیئے اور نہ ہی میرا اس طرف اشارہ کرنے کا منشا ہے بلکہ میں چاہتا ہوں کہ یہ قوم کے
خرچ سے تیار ہو۔ اور میری یہ آرزو ہے کہ گورنمنٹ ایک معقول رقم اس غرض کے لیئے منظور کرے
میں بہت خوش ہونگا اگر آپ کے ناظرین اس کے متعلق کچھ تجاویز کریں تاکہ ہم گورنمنٹ کی
ہر ممکن طریق سے تائید کر سکیں۔

آپ کا صادق [illegible]
رائل سوسائٹیز کلب
سینٹ جیمس سٹریٹ ایس ڈبلیو [illegible]
۵ مارچ

غیر معقول عقیدے

(از لارڈ ہیڈ لے۔)

ایک چٹھی میں جو حال ہی میں میں نے اپنے ایک دوست کو لکھی تھی جو کلیسیائے انگلستان کا ایک عہدیدار ہے۔ میں نے یہ لکھا تھا کہ مذہب اسلام میں اس قسم کی مذہبی روکیں اور تعصب جو غیر معقولیت سے پیدا ہوں نہیں پائی جاتی ہیں۔ جیسے ہم دوسرے مذاہب میں پاتے ہیں۔ جواب میں انہوں نے مسجد سے یہ دریافت کیا ہے کہ تعصب سے اور غیر معقول تعلیم سے میرا کیا مطلب ہے اور یہ بھی دریافت کیا ہے کہ کیا اسلام اپنی تعلیم میں اسی قسم کی مذہبی قیود عائد نہیں کرتا اور اسی طرح اپنی تعلیم نہیں منواتا جس طرح دوسرے مذاہب۔ ہمیں چٹھی کے جواب میں جو محبت کے رنگ میں لکھی گئی ہے۔ میں نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ غیر معقول تعلیم سے میرا کیا منشا ہے۔

عیسائی مذہب مجھے یہ تعلیم دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب چیزوں پر قادر سب باتوں کو جاننے والا سب پر رحم کرنے والا ہے اور سب سے بڑھ کر اور سب سے پہلے محبت اور پاکیزگی میں غیر محدود ہے مجھے یہ بھی تعلیم دیجاتی ہے کہ اس نے ساری چیزیں آسمان اور زمین کی پیدا کیں۔ اور کہ اس نے انسان کو جو اس کے تمام عجائب کاموں میں سے عجیب تر ہے اپنی شکل پر بنایا یہ سب کچھ اسلام کے مطابق ہے۔

مگر اس سے آگے چل کر عیسائیت مجھے یہ بتاتی ہے کہ خدا کا ایک اکلوتا بیٹا تھا۔ اور کہ نسل انسانی کی کمزوریوں کو ناپسند کرنے کی وجہ سے جن کمزوریوں سے وہ بوجہ خالق ہونے کے پورے طور سے واقف تھا۔ اس نے یہ فیصلہ کیا کہ نسل انسانی پر اپنے غضب کو دور کرنے کے لئے اس اکلوتی بیٹے کو مروا ڈالے۔ حالانکہ وہ بیٹا خود خدا اور روح القدس بھی تھا۔ اب اس فعل کے نیچے وہی پرانے مشرکانہ خیالات موجود ہیں۔ کہ کس طرح ایک غضبناک خدا یا دیوتا کی مہربانی قربانی کے ذریعہ سے حاصل کی جاتی ہے۔ یہ ساری تعلیم اسلام کے مطابق نہیں۔

مسلمان یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ سارے مرد اور عورتیں جو اللہ تعالٰے پر ایمان لاتے اور اس کی اطاعت دکھاتے ہیں جو اپنے آپ کو اس کا کامل فرمانبردار بناتے ہیں۔ اور خوشی سے ان تکالیف اور ابتلاؤں کو قبول کرتے ہیں جو اُن کی بہتری کے لیئے ہوتی ہیں۔ اور اپنے ہمسائیوں یعنی سارے بنی نوع کے حقوق ادا کرتے ہیں نجات پائیں گے۔ درحقیقت انہی احکام الٰہی کی فرمانبرداری میں ہی نجات ہے اور ہم کفارہ کی ضرورت اس لیئے نہیں سمجھتے کہ ہم یہ ایمان رکھتے ہیں کہ جب کبھی کسی نافرمانی پر اللہ تعالٰے سے سچے دل سے معافی مانگی جائے اور توبہ کی جائے تو وہ فوراً بلا کسی توسط کے اس گناہ کو معاف کر دیتا ہے بچپن کے زمانے سے میرا ہمیشہ یہی خیال رہا ہے کہ خدائے کریم اتنا بڑا اور غصے اور کینہ کے چھوٹے چھوٹے خیالات سے ایسا برتر ہے کہ وہ ہم سب کو ایک شفیق باپ کی محبت آمیز نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ہم اس کے ہاتھ سے بنے ہوئے ہیں۔ اور جس طرح ہم اس سے آئے ہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے بھی ہیں۔ اس قسم کے خیالات کہ وہ اپنا غصہ ہمارے اسکے مقرر کردہ رستہ سے ادھر اُدھر ہو جانے پر اپنے بیٹے پر نکالے۔ اور اس طرح اصلاح کرے۔ اسوقت بھی جبکہ میں ایک چھوٹا بچہ تھا مجھے اس تند مزاج لڑکی کا قصہ یاد دلاتے تھے جو اپنی سب سے عمدہ گڑیا کو اس لیئے ٹکڑے ٹکڑے کر دے کہ لکڑی کا برادہ جو اسکے اندر بھرا ہوا تھا وہ اس کی ایک لات میں سے نکلنے لگا تھا۔ جب میری تمام امیدیں ایک ایسے عقیدہ کو قبول کرنے کے لیئے منقطع ہو گئیں جس پر آنکھیں بند کر کے ایمان لانا پڑتا تھا۔ اور جو مجھے یقین ہو گیا۔ کہ ایک تاریکی کے زمانے میں صرف چند خاص اغراض اور مطالب کو سامنے رکھ کر بنا لیا گیا تھا۔ اور خدائے واحد پر میرا ایمان ہو گیا تو مینے پہلی دفعہ یہ محسوس کیا کہ میرا قدم مضبوط زمین پر ہے +

میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان لوگوں کی جو ہمیں پیارے ہیں آئندہ نجات اور خوشحالی سب سے بڑا امر ہے جس پر ہم کو غور کرنا چاہیئے۔ عیسائیت کا یہ دعوے ہے کہ کوئی شخص جو اس بات پر ایمان نہیں لاتا[2] اور رسوم مذہبی کے اثر اور تثلیث کو قبول نہیں کرتا وہ نجات نہیں پا سکتا۔ اسلام کوئی اس قسم کا غیر معقول ادعا نجات کے متعلق نہیں کرتا۔ اللہ تعالٰے نے ہم کو بنایا۔ اسی کے ہم ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔ اللہ تعالٰے کے بھیجے ہوئے پیغمبر۔ دل جیسے حضرت موسے عیسے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر ایمان لانے کی تعلیم دی گئی ہے۔ مگر نجات کا انحصار صرف

(ف) ہو سکتا ہے ایمان نہیں لاتا

ایسا مذہب یہی تو ہے جو ہمارے خیال میں اسلامی تعلیم کا لب لباب ہے کہ اللہ تعالےٰ کی کامل محبت اور اس کی رضا کیلئے اپنے آپ کو کامل فرمانبردار بنایا جائے جس میں لازماً یہ شامل ہے کہ بنی نوع انسان کے ساتھ کامل درجہ کی ہمدردی ہو۔ یقیناً ایسے مذہب کو غیر معقول نہیں کہا جا سکتا۔

دو سال سے زیادہ کا عرصہ گذرتا ہے جب میں نے علانیہ اسلام میں داخل ہونے کا اقرار کیا۔ تو میرے بعض رشتہ داروں نے مجھے خطوط لکھے جن میں مجھے یقین دلایا گیا۔ کہ اگر میں مسیح کی خدائی پر ایمان نہ لاؤں تو میں نجات نہیں پا سکتا۔ جواب میں میں نے اس طرف توجہ دلائی کہ میری رائے میں مسیح کی خدائی کا سوال ایسا اہم نہیں جیسا کہ یہ دوسرا سوال کہ کیا مسیح نے خدا کے پیغام لوگوں کو پہنچائے ہم ایمان رکھتے ہیں کہ وہ خدا کی طرف سے بھیجا ہوا ایک نبی تھا۔ اور اس نے پیغام رسالت دنیا میں پہنچایا۔ جس کے پیچھے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی آئی جس نے اپنے پیغام اسی طرح دنیا کو پہنچائے۔ اعتقاد کے سوال پر غور کرتے ہوئے میری سمجھ میں یہ نہیں آتا۔ کہ وہ خدا جو بڑا رحم کرنے والا ہے مجھے ہمیشہ کے جہنم کی سزا اس لئے دے کہ میں ایک خاص مذہبی فرقہ مثلاً عیسائیت کے اعتقادات کو کیوں قبول نہیں کر سکا۔ مگر یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ میرے اعمال بد کے لئے وہ مجھے سزا دے۔ میرا دوست مجھ سے سوال کرتا ہے کہ کیا تم خود ہر ایک قسم کی بکواس تعصب جھوٹ کمینگی ظلم بہتان وغیرہ کو ناقابل برداشت نہیں پاتے۔ یقیناً میں پاتا ہوں۔ مگر کیوں ایک ایسے مذہب کی تعلیم کو ہم برداشت نہیں کر سکتے جو ان سب باتوں پر لعنت بھیجتا ہے۔

اسلام اور عیسائیت دونوں ان باتوں سے روکتے اور ان کو برا بتاتے ہیں۔ مگر یہاں آکر فرق پڑ جاتا ہے۔ اسلام ان لوگوں کے لئے نجات کا دروازہ بند نہیں بتاتا۔ جو اللہ تعالےٰ کے اور بندوں کے حقوق کو ادا کرنے والے ہوں۔ خواہ اُن کے خیالات دوسرے امور کے متعلق کچھ بھی ہوں۔ مگر عیسائیت دعوے سے کہتی ہے کہ نجات کا انحصار نیک کاموں پر نہیں بلکہ نجات ناممکن ہے جب تک کہ یہ نہ مانا جائے کہ مسیح خدا تھا۔ اور کہ وہ ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔ اور کہ بپتسمہ اور عشائے ربانی وغیرہ کی رسوم ضروریات میں سے ہیں۔ اور خدا ایک نہیں بلکہ تین ہیں اور یہی فرق ہے اسلام کے سادہ اور معقول اور وسیع تعلیم اور عیسائیت کے غیر معقول عقائد اور اسرار کے بیچ۔

پھر میں اپنے دوست کی چٹھی کا ایک حصہ نقل کرتا ہوں۔ وہ لکھتا ہے

"ایسے بیانات جن پر منوانے کی قید صادر نہ ہو ذیل کی طرز کے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً یہ کہا جائے کہ ممکن ہے خدا ہو یا نہ ہو۔ ممکن ہے مسیح خدا ہو یا نہ ہو۔ ممکن ہے خدا کی ذات میں ایک اقنوم ہو یا دو یا ایک ہزار ہو سکتا ہے کہ محمد خدا کے نبی ہوں اور ہو سکتا ہے کہ نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ قرآن میں نری صداقت ہی صداقت ہو یا وہ غلطیوں سے پر ہو۔ ممکن ہے خدا پر ایمان لانا اور اسکی فرمانبرداری کرنا ضروری ہو اور ممکن ہے کہ نہ ہو تو کیا اس قسم کا مذہب جس کی بنا اس قسم کے بیانات پر ہو اس قابل ہے کہ کوئی انسان اسے قبول کرے یا دوسروں کے سامنے پیش کرے وہ مذہب جس پر برداشت کرنے والے مذہب کا نام صادق آسکتا ہے صرف ایسا مذہب ہو سکتا ہے جو ہر قسم کے اعتقادات اور اعمال کو جائز رکھے اور کسی امر کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ کرے"۔

اس کے جواب میں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ عیسائی اور مسلمان دونوں اس قدر پر ایمان لانے میں متفق ہیں کہ ایک خدا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ اور کہ ہمیں اس سے محبت کرنی چاہیئے اور اس کی فرمانبرداری کرنی چاہیئے اور بنی نوع کے ساتھ نیکی کرنی چاہیئے۔ اب غور طلب امر ہے کہ اختلاف کہاں سے شروع ہوتا ہے۔ مسلمان کہتا ہے "میں اس سادہ ایمان پر مطمئن ہوں اللہ تعالیٰ ہمیشہ میرے ساتھ ہے بغیر کسی درمیانی واسطہ کے میں ہر وقت اس کی جناب میں حاضر ہو سکتا ہوں۔ جو میں اس کی حمد کرتا ہوں جو میں نماز پڑھتا ہوں جو میں اس کے رحم کے لیئے دعائیں کرتا ہوں وہ سب کو سنتا ہے اور میرے گناہ معاف کرتا ہے"۔ عیسائی کہتا ہے "نہیں یہ کافی نہیں۔ مجھے کچھ اور بکار ہے۔ پروہت ہوں۔ قربانیاں ہوں۔ رسومات ہوں۔ کفارہ ہو جو خدا کے اکلوتے بیٹے کی عارضی موت سے پیدا ہو۔ پھر کنواریوں اور مقدس لوگوں کا ایک لمبا سلسلہ ہے اور ایک کلیسیا ہو جس کو میں مسیح کی دولہن کہوں تاکہ مذہبی دنیا میں یہ قائم رہ سکے"۔ یہ وہ بات ہے جس کا نام میں غیر معقولیت سے منوانا رکھتا ہوں۔

عیسائی کلیسیا کی سب سے پہلی شاخ کی یہ تعلیم ہے کہ انسان کے لیئے بہشت کا رستہ ٹھیک اور مناسب طور سے اسی وقت کھلتا ہے جب پہلے ایک پروہت اسے کھولنے والا ہو۔ پھر کسی مقدس بزرگ کی امداد طلب کی جائے پھر کنواری مریم کی پھر مسیح کی اور آخر کار ان سب ذرائع سے

خدائے قادر کے کان تک ہماری التجا پہنچ سکتی ہے۔ مرتے ہوئے انسان کو حد درجہ کی رحمت الٰہی کی ضرورت ہے۔ جس کے بغیر وہ اس دنیا کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔ گناہگار کو گناہ سے پاک ہونے کی ضرورت ہے۔ اور یہ دونوں باتیں کسی دوسرے شخص کے ذریعہ سے بہتر آسکتی ہیں۔ جس کے متعلق کم و بیش یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ بہشت کے دروازہ کی کنجیاں اُس کے ہاتھ میں ہیں۔ میرے نزدیک یہ تمام غیر معقول باتیں ہیں جو انسان نے خود بنائی ہیں اور غیر ضروری ہیں۔ اسلامی اعتقاد کسی ایسے درمیانی واسطہ کو نہیں چاہتا۔ کیونکہ ہم اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ خدا کے ہونے کی وجہ سے ہم ہر وقت دن اور رات کے ہر لمحہ میں اُس کے ہاتھوں میں ہیں +

اس قسم کے اعتقادات میرے نزدیک ذرا وسیع پیمانے پر اس قسم کی دھمکیاں ہیں جیسی پُرانے زمانہ میں نیک نیت والدین جھوٹے طور پر بچوں کو دیا کرتے تھے تاکہ وہ ڈر کر فرمانبرداری اختیار کریں۔ پادری زدہ اعتقاد لوگوں پر اپنا قبضہ اسطرح جمائے رکھتا ہے کہ وہ ان کو ایک فرضی شان کی دھمکیوں سے ڈراتا ہے کہ گویا ایک غضب آلود خدا ہر وقت اس کو جھپٹ لینے کے لئے تیار ہے یہ خشم آلود خدا گویا ایک ایسا دیوتا ہے جس کے سامنے ایک قربانی چڑھائی جا چکی ہے۔ مگر بس پر وہ مطمئن نہیں اور مزید قربانی چاہتا ہے۔ گویا علاوہ اس قربانی کے جو ہو چکی عقل اور دل کی قربانی بھی کرنی ضروری ہے۔ اس مہیب جنگ کے سارے مظالم اور خوفناک منظروں کے باوجود میں خدا کے انصاف اور رحم پر ایمان رکھتا ہوں۔ لیکن اگر میرا یہ اعتقاد ہو کہ خدا محض ایک رائے کے معاملہ میں یا خلاف نور قلب ایک بات کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے لوگوں کو ہمیشہ کے جہنم میں ڈالے گا تو میں اس کے رحم اور محبت پر ایمان نہیں رکھ سکتا۔ میں اپنے بچوں کو بہت کہتا ہوں "تم جانتے ہو کہ میرے خیالات کیا ہیں اور میں نے اپنی قابلیت کے مطابق سب باتوں کی تشریح تمہارے سامنے کر دی ہے۔ اب اس کے بعد اگر تم یہ ایمان رکھنا چاہو کہ کنواری مریم خدا کی ماں ہے۔ بلکہ مسیح خدا ہے تو میری محبت میں جو تمہارے ساتھ ہے کمی نہیں ہو گی۔ مگر مجھے اس بات کا افسوس ضرور ہو گا" +

چند خصوصیات اسلامی

اسلامی کہاوتیں

۱۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

مسلم کی زندگی کے بعض اہم ترین اور ضروری اصول چھوٹے چھوٹے فقروں کے لباس میں ہر ایک مسلمان کے سامنے آٹھوں پہر رہتے ہیں خواہ وہ خواندہ ہو یا ناخواندہ عرب ہو یا ایرانی یا افغان یا ہندوستانی یا چینی یا ترک یا مصری۔ ایشیائی ہو یا یورپ افریقہ یا کسی اور ملک کا رہنے والا ہو۔ آج اسلام میں داخل ہوا یا نسلاً بعد نسل مسلمان چلا آیا ہو۔ چونکہ یہ اصول چھوٹے چھوٹے جملوں کے رنگ میں ہیں اس لیئے ان کا نام اگر اسلامی کہاوتیں رکھا جائے تو غیر موزون نہیں ہے۔ ان جملوں میں نہ صرف بعض زرین اصول زندگی ہی پوشیدہ ہیں جو انسان کو ہر حال میں کام دینے والے ہیں۔ بلکہ یہ جملے یہ اسلامی کہاوتیں اس وجہ سے کہ ساری اسلامی دنیا میں شہرت رکھتے ہیں اور ہر ایک مسلمان گھرانے میں یکساں علم ان کا ہے اور ہر مسلم کی زبان پر یکساں پائے جاتے ہیں۔ درحقیقت اسلامی محبت و اتحاد کی اسی قدر ضمانتیں ہیں اس زنجیر اخوت کی اسی قدر کڑیاں ہیں جن کے اندر ساری دُنیا کے مسلمان جکڑے ہوئے ہیں اور جو مشرق کے ایک مسلمان کے دل کو مغرب کے مسلمان کے دل سے ملاتے ہیں۔ یہ جملے تمام ملکی اور زمین کی حد بندیوں سے بالاتر قوم اور ذات کی قیود سے آزاد۔ رنگ اور زبان کے اختلاف سے غیر متاثر ہیں اور وہ ایک مسلمان کی سچی وراثت ہیں۔ خواہ وہ ایک پر رونق شہر میں ہجوم کے اندر ہو یا اکیلا کسی جنگل میں ہو۔ درحقیقت ان کا دائرہ ایسا ہی وسیع ہے جیسے کہ خود دنیا کا مسلم کی زندگی کے ان زرین ہدایت ناموں کو میں ان الفاظ سے شروع کرتا ہوں جن سے قرآن کریم کی ابتداء ہے۔ اور جو وہ پہلا جملہ ہے جو ہر ایک ملک میں ہر ایک قوم میں ہر ایک گھرانے میں ہر ایک مسلم بچہ کو سب سے پہلے سکھایا جاتا ہے اور جن الفاظ کو ہر ایک مسلمان ہر کام اور بالخصوص اہم کاموں کی ابتداء میں دُہراتا ہے۔ دُنیا میں شاید کوئی مسلمان نہ ہوگا جو ان الفاظ سے

ناواقف ہو۔ اور وہ الفاظ کیا ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یا اور بھی اختصار کر کے صرف بسم اللہ جسکے معنے ہیں۔ خدا کے نام سے۔ بسم اللہ ایک رنگ میں خلاصہ ہے قرآن کریم کا گویا خلاصہ ہے۔ کیونکہ سورہ فاتحہ کے سارے مطالب اجمالی رنگ میں بسم اللہ کے اندر موجود ہیں اور اسطرح پر گویا بسم اللہ سورہ فاتحہ کا خلاصہ ہے۔ لیکن سورہ فاتحہ خود سارے قرآن کا خلاصہ ہے۔ اسی لیئے اس کا نام ام القرآن بھی ہے۔ ان الفاظ کو کیوں ایک مسلمان کے ہر کام کی ابتدا میں رکھا گیا ہے۔ خود ان الفاظ کی ابتدا اس پر روشنی ڈالتی ہے +

انسان کی گری ہوئی حالت: ہاں ساری نسل انسان کی نفعِ تنزل میں چلے جانے کی حالت کو مشاہدہ کر کے وہ انسان جو نسل انسانی کا سب سے بڑا محسن ثابت ہوا ہے۔ محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم غار حرا کی کنج تنہائی میں عزلت گزین ہوا۔ تاکہ ایک خلوص بھرے دل کے اندر دبی رازوں کو اپنے مالک حقیقی کے سامنے کھولے اور اس کی جناب میں گڑگڑائے اور گریہ وزاری کرے گو آپ نے صرف عرب اور شام کی پستی کا ہی مشاہدہ کیا تھا۔ مگر آپ کا پاک دل گویا کل قوموں کی بگڑی ہوئی حالت پر اطلاع پا چکا تھا۔ جیسا کہ بعد کے ان الفاظ سے جو آپ کے قلب مطہر پر نازل ہوئے کہ ظھر الفساد فی البر والبحر ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن ایک طرف اگر آپ ان تاریکیوں اور جہالتوں اور بداعتقادیوں اور ناپاک اور ذلیل کاموں پر تاسف کرتے تھے تو دوسری طرف کوئی ایسی راہ بھی آپ کو نظر نہ آتی تھی کہ نسل انسانی کو اس گری ہوئی حالت سے باہر نکال سکیں۔ آپ کے ذرائع ایک اتنے بڑے کام کے لیئے کچھ بھی نہ تھے۔ آپ کا والد تو آپ کی پیدائش سے بھی چند ماہ پیشتر فوت ہو چکا تھا۔ ابھی چھ سال کی عمر تھی کہ والدہ ماجدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ دو سال بعد آپ کے دادا عبدالمطلب بھی فوت ہو گئے۔ مال اور دولت آپ کے پاس نہ تھا کہ کسی اصلاح کی بنیاد مال کے بھروسہ پر ڈالتے۔ علم آپ نے کوئی حاصل نہیں کیا تھا۔ بلکہ آپ کو پڑھنا اور لکھنا بھی نہیں آتا تھا۔ آپ امی یعنی ان پڑھ تھے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بار بار فرمایا ہے۔ اس طرح یہ اس عظیم الشان اصلاح کے لیئے جس کی تڑپ ایک سچے ہمدرد نوع انسانی کے دل میں پیدا ہو سکتی ہے آپ کے پاس کوئی بھی سامان نہ تھا۔ آپ کے دل میں ایک تڑپ تھی۔ مگر اس کے پورا ہونے کا کوئی بھی سامان نہ تھا۔ آپ کو کوئی راہ نظر نہ آتی تھی

جن سے آپ ان لوگوں کو ان جہالتوں اور غلطیوں سے باہر نکال سکیں۔ یہی تڑپ اور اسی مشکلات کا نقشہ قرآن کریم سورہ والضحیٰ میں ایک ہی لفظ میں کھینچ دیا ہے کیونکہ کوئی سامان آپ کے پاس تھا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے راہ دکھادی۔ یہاں ضَالّ سے مراد صرف اس قدر ہے کہ آپ کو اپنی کوشش سے۔ اپنی محض انسانی کوشش سے کوئی راہ نہ مل سکتی تھی۔ اور آپ حیران تھے کہ کیا ہوگا اور کس طرح دنیا سے تاریکی کا تسلط اُٹھ کر لوگ حق کو قبول کریں گے کہ ناگہاں خدا کی طرف سے ایک روشنی نمودار ہوئی اور وہی روشنی اُن تاریکیوں کے اندر آپ کی ہادی راہ ہوئی خدا کا فرشتہ ناموس اکبر جو ہمیشہ خدا کے پیغام اسکے برگزیدہ بندوں کو پہنچاتا رہا تاکہ وہ انسانوں کو تاریکیوں سے باہر نکالے۔ آپ پر ظاہر ہوا اور سب سے پہلا پیغام یہی لایا کہ پڑھو۔ کیا پڑھیں اور کس طرح پڑھیں کیونکہ پڑھنا تو آپ جانتے نہ تھے۔ اس لیئے آپ نے جواب میں یہی فرمایا ما انا بقاریٔ۔ میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔ فرشتہ نے پھر وہی لفظ دوہرائے اور وہی جواب آپ نے دیا۔ یہاں تک کہ تین مرتبہ اسی بات کا اعادہ ہوا۔ کیونکہ جو شخص پڑھنا نہیں جانتا تھا وہ کس طرح پڑھنے پر قادر ہو۔ اس لیئے ناموس اکبر نے چوتھی مرتبہ کہا اقراء باسم ربك الذی خلق اپنے رب کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا۔ ان الفاظ میں کیا بجلی کی طاقت تھی۔ ہاں بجلی کی طاقت بھی اس کے مقابل ہیچ ہے۔ کہ رب کے نام سے پڑھنے کا حکم پاتے ہی وہ سب تاریکی دُور ہو گئی وہ سب حیرت اور طبیعت کی کشمکش جاتی رہی۔ ایک لحہ کے لیئے یہ خیال دل میں آیا کہ کیا کل عالم کی اصلاح کے عظیم الشان کام کو میں سر پر اُٹھا سکتا ہوں مگر باسم ربك نے ساری مشکلات کو حل کر دیا اور سارے بوجھوں کے پہاڑ کو اُڑا دیا۔ اور ادھر حکم ملا اُدھر آپ اصلاح خلق کے کام میں لگ گئے۔ وہ عظیم الشان کام جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لیئے اپنی کوشش سے کرنا ایسا ناممکن تھا۔ کہ کبھی اُس کے کرنے کا وہم بھی کسی کو نہ ہو سکتا تھا۔ وہ خدا کی مدد سے ایسا سہل ہو گیا کہ اب کوئی مشکل آپ کی راہ میں باقی نہ رہی۔ ہاں، اس خدا کے نام کی مدد سے ہی جو ناممکن تھا ممکن ہو گیا۔

یہ ہے ان الفاظ کی ابتداء اور ان حالات میں۔ ہاں اس بسم اللہ میں جس کے ساتھ قرآن کریم شروع ہوتا ہے۔ ایک مسلم کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ وہ عظیم الشان کام جو فی الحقیقت ناممکن نظر آتا تھا۔ اُس کو خدا کے نام نے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت نے ایسا آسان کر دیا تو ایک مسلم کی زندگی میں وہ کونسی مشکل ہے جو ایسے خدا کے نام کی مدد سے دُور نہیں ہو سکتی۔ ہاں اُس کا

یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جو کام اس کی اپنی کوشش سے نہیں ہو سکتا وہ بسم اللہ سے ہو سکتا ہے اور اسی لیئے اُسے تاکید ہے کہ وہ ہر کام کی ابتداء بسم اللہ سے کرے۔ وُہ بات جو انسان کو منزل مقصود تک پہنچاتی ہے وہ جو اس سے بڑے بڑے جوانمردی کے کام کرا سکتی ہے وہ کیا ہے کامیابی کا یقین۔ یہ یقین کہ کوئی روک اسکے راہ میں ایسی نہیں جو دور نہ ہو سکے۔ اسی سے انسان کے اندر وہ عزم پیدا ہوتا ہے جس کے سامنے مشکلات کے پہاڑ دُھنی ہوئی روئی کی طرح اڑ جاتے ہیں وتکون الجبال کالعھن المنفوش اسی یقین کو پیدا کرنے کے لیئے اسے بسم اللہ سکھائی گئی ہے۔ اور اسے بتایا گیا ہے کہ وہ کسی کام کو ناممکن نہ سمجھے بلکہ خواہ اس کی اپنی کوشش کسی کام کے مقابل میں کیسی ہی کمزور نظر آئے۔ اس کو اپنی کمزوری پر نہیں بلکہ اس ذات پاک کی طاقت پر بھروسہ کرنا چاہیئے جس نے سب کچھ پیدا کیا۔ اس طرح پر بسم اللہ گویا انسانی زندگی کی ساری مشکلات کی کنجی ہے۔ جس کے سامنے مشکلات کے تالے ٹوٹتے چلے جاتے ہیں۔ ہاں انسان کا دل اپنی کمزوری کو محسوس کرتا ہے۔ مگر خدا کی مدد کا بھروسہ اس کی ساری کمزوریوں کو دُور کر کے اُس کے دل کو پہاڑ کی طرح مضبوط بنا دیتا ہے بہت باتیں ہیں جو انسان کے نزدیک ناممکن ہیں۔ مگر خدا کے نزدیک کچھ ناممکن نہیں۔ پس بسم اللہ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ انسان کے قلب کی کیا حالت ساری مخلوق کی خالق کے سامنے ہونی چاہیئے۔ اپنی عاجزی کا پورا اعتراف اور خدا کی مدد کا کامل بھروسہ۔ پہلا اعتراف انسان کے قلب کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ دوسری جگہ سے امداد حاصل کرے۔ دوسرا یقین انسان کے لیئے وہ سرچشمہ ہے جو اس کی ساری کمزوریوں کو دُور کر دے گا۔ اور یوں توحید الٰہی کا علمی سبق ہر مسلمان کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ملتا ہے اور یہ وُہ بات ہے جو ساری کتب مقدسہ کی اوراق گردانی کے بعد بھی انسان کو کہیں نہیں مل سکتی +

ایک اور بات جو قابل غور ہے وُہ یہ ہے کہ صفات الٰہی کی جو تصویر بسم اللہ میں کھینچی گئی ہے وُہ کیسی ہے۔ یہاں تین نام ذات باری کے آئے ہیں۔ اللہ۔ رحمٰن۔ رحیم۔ اور چونکہ ایک مسلمان اپنے ہر کام کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھتا ہے۔ اس لیئے یہ تین نام گویا وہ اسمائے الٰہی ہیں جو شب و روز ایک مسلمان کے سامنے رہتے ہیں۔ اور الٰہی صفات الٰہی میں وہ شب و روز

پناہ ڈھونڈتا ہے۔ ان میں سے لفظ اللہ ذات باری کا ذاتی نام ہونے کے علاوہ توحید الٰہی کا ایک نشان ہے۔ کیونکہ یہ لفظ عربی زبان میں سوائے خدائے واحد کے اور کسی پر نہیں بولا گیا۔ پھر اسم اللہ جامع جمیع صفات حسنہ باری تعالےٰ ہے۔ دوسرا اسم ذات باری کا جو بسم اللہ میں پایا جاتا ہے۔ الرحمٰن ہے جس کے معنے ہیں صفت رحم کو کمال کے ساتھ رکھنے والا۔ وہ جس کا رحم کافر و مومن پر یکساں ہے۔ یعنی اس کی صفت رحمانیت کا یہ تقاضا ہے کہ انسان کے استحقاق پیدا کرنے سے پہلے وہ اپنا رحم اس پر کرتا ہے اور اس لیئے یہ رحم اسکا ساری مخلوق کے لیئے عام ہے۔ تیسرا اسم رحیم ہے۔ جس کے معنے ہیں وہ جس کی صفت رحم بار بار کام کرتی رہتی ہے۔ صفت رحیمیت کا تعلق انسان کے افعال کے ساتھ ہے۔ یعنی جو شخص اپنے آپ کو اس قابل بناتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے وہ صفت رحیمیت سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ گویا صفت رحمانیت کا رحم ایک عام قانون کے رنگ میں ہے اور صفت رحیمیت کا رحم ایک فعل کے نتیجہ کے رنگ میں۔ وہ رحمان ہی کہ اُس نے انسان کے پیدا ہونے سے پہلے وہ سارے سامان پیدا کیئے جن سے انسان فایدہ اٹھاتا ہے اور وہ رحیم ہے کہ جو انسان اس کے قوانین اور سامانوں کو اپنے کام میں لاتا ہے وہ اُن سے فایدہ اُٹھاتا ہے پس یہ تینوں اسمائے یعنی اللہ۔ رحمان۔ رحیم ذات باری تعالےٰ کے کمال۔ اسکی محبت اور اس کی رحمت پر دلالت کرتے ہیں۔ اور جو شخص اپنی ذات پر بھروسہ کرتا ہے [illegible] مدد طلب کرتا ہے۔ وہ یقیناً محروم نہیں کیا جاتا +

بسم اللہ اس بات کا فیصلہ بھی کرتی ہے کہ ایک مسلمان اپنے خدا کو کیسا سمجھتا ہے کیونکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم درحقیقت قرآن کریم کی تعلیم کا خلاصہ در خلاصہ ہے۔ اس لیئے جن صفات الٰہی کا یہاں اظہار ہے۔ وہ خدائے اسلام کی صفات کا اصلی نقشہ دکھاتی ہیں۔ اب بسم اللہ میں اسم اللہ کمال پر۔ اسم رحمان محبت غیر متناہی پر۔ اسم رحیم غلبہ رحم پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام اس خدا کو پیش کرتا ہے جس کی ذات میں کمال۔ اور جس کی صفات میں محبت اور رحم کا غلبہ ہے۔ اور ان صفات الٰہی کو ہر وقت نظر کے سامنے رکھنے سے ایک مسلمان بھی انہی صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔ پس نہ صرف بسم اللہ اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ خدائے اسلام کی صفات غالب محبت اور رحم ہیں۔ بلکہ ساتھ ہی یہ بھی سکھاتی ہے کہ اس

انسان کو جو ہر حال ایک محبت اور رحم والے خدا کی مدد طلب کرتا ہے۔ خود بھی محبت اور رحم کی صفات اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں۔

بعض مخترضین نے کہا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم عربوں کو طائف کے شاعر امیہ نے سکھائی تھی یہ یقیناً غلط ہے۔ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ کفار عرب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے لکھنے سے انکار کرتے ہیں اور اس کی بجائے اپنی پرانی طرز میں باسمک اللھم لکھتے ہیں کیونکہ سہیل بن عمرو نے معاہدہ حدیبیہ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے سے انکار کیا۔ اس میں شک نہیں کہ ہر ایک قوم کے اندر ابتداء کرنے کے لئے بطور تبرک کوئی جملہ استعمال کیا جاتا ہوگا۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ یہی بسم اللہ کسی قوم میں مروج تھی۔ اسلام کا کمال اس میں نہیں کہ پہلوں کی خوبیوں کا انکار کرے۔ بلکہ پہلوں میں بھی خوبیوں کا ہونا تسلیم کر کے اُن سے بڑھ کر خوبی کی بات پیش کرتا ہے۔ بسم اللہ کی جو صورت قرآن کریم نے سکھائی۔ اور جن جن صفات الٰہی کا اس کے اندر بطور خلاصہ نقشہ کھینچا وہی اسلام کے خصوصیات میں سے ہے

ایک اعلیٰ خاندان لیڈی کا قبول اسلام

اسلام ایسا مذہب ہے جس کی اشاعت کرنے والے وہی ہے جو الفقر فخری کا نعرہ لگاتے تھے۔ اسلام نہ کسی شاہ گوتم بُدھ کا ممنون ہے نہ کانسٹنٹائن کا۔ بلکہ تاریخ شاہد ہے۔ کہ اُس نے تو شہنشاہوں اور اُن کی سلطنتوں کو خاک کے برابر بھی نہیں سمجھا۔ جب کبھی کسی اصول کی بات آن پڑی۔ آج زار روس اور اس کی کل سلطنت مسلمان ہوتی۔ اگر مسلمان علماء نے اصول سے نہ ہٹنے میں سختی نہ کی ہوتی۔ اسلام نہ صرف اپنے بوریا نشینوں پر نازاں رہا ہے۔ بلکہ اُس نے جمہورانہ اصول ایسے مروج کیئے ہیں کہ بڑے بڑے متکبرین و مغرورین غریبوں اور گداؤں سے دوش بدوش ہو جاتے ہیں۔ بڑے بڑے بادشاہ اسلام کے

آگے سرنگوں ہو گئے ہیں۔ بڑے بڑے کشورستان اسلام کے زیر بار احسان رہے ہیں۔ یہ اسلام کی ایک خاص شان ہے۔ کہ وہ اپنے بے نظیر اصولوں کے باعث دُنیا میں نمودار رہا۔ اور ہے۔ نہ بادشاہوں کی تلوار کا وہ محتاج نہ دولتمندوں کی دولت کا۔ اسلام کے لیئے دل سے بے تاب ہونے والے اب بھی زیادہ تر غریب ہی ہوتے ہیں۔ ہمارے ہندوستان ہی میں سوائے ایک بے مثال خاتون جنابہ مکرمہ محترمہ سُلطان جہان بیگم والیہ بھوپال کے اور کون رئیس ہے۔ جن کے دل میں اسلام کا درد ہے۔ اسلام کسی خاص جماعت کا نہیں۔ بلکہ دنیا کا مذہب ہے۔ اور دُنیا میں زیادہ تعداد بادشاہوں... اور رئیسوں کی نہیں بلکہ مسکینوں درویشوں اور ماوشما کی۔ لیکن اسلام ہرگز صرف غریبوں کا مذہب نہیں۔ اسلام امیر غریب بادشاہ فقیر سب کا مذہب ہے۔ اسلام سے غریب امیر ہو جاتا ہے۔ اسلام سے بادشاہ شہنشاہ بن جاتا ہے۔ اسلام کی مساوات ہرگز بادشاہ کی بادشاہی نہیں چھینتی۔ بلکہ اُس کی بادشاہی میں اضافہ کرتی ہے۔ اور اُسے پائیدار اور خوشحال بناتی ہے۔ رئیسوں کی ریاست کی شان اسلام سے دوبالا ہوتی ہے۔ اس لیئے مبارک ہیں وہ رئیس انگلستان کے جو اسلام قبول کریں +

ڈاکٹر المامون سہروردی صاحب کے وقت میں لارڈ اسٹینلے نے اسلام قبول کیا تھا۔ خواجہ کمال الدین صاحب کے وقت میں لارڈ ہیڈلے نے اب ہمارے مولوی صدرالدین کے دور میں آنریبل مسز گفرڈ نے جو صاحبزادی لارڈ سڈبری ڈربی کی ہے Hon. Mrs. Hood اسلام قبول کیا۔ اس بزرگ خاتون کا نام حمیدہ بیگم رکھا گیا ہے۔ الحمد للہ الحمد للہ ان کا ایک صاحبزادہ لفٹنٹ بیری گفرڈ جس کا اسلامی نام محمد اسد اللہ ہے پہلے ہی مسلمان ہو چکا ہے۔ اور اُنھوں نے اطلاع دی ہے کہ دوسرا بیٹا بھی مسلمان ہے اعلان بھی انشاء اللہ کر دیگا + میں آج نہیں دس سال سے لکھتا رہا ہوں کہ یہاں اسلام کی اشاعت کچھ زیادہ دشوار نہیں۔ اگر معقول تنظیم عمل ہو۔ اور اُس وقت تک کے لیئے معقول سرمایہ کا انتظام ہو جاوے۔ جب تک یہاں خود ہی مشن جلدی

کرنے کا چسکا نو مسلموں میں پیدا ہو جاوے۔ یہاں جس بات کی ضرورت ہے وہ اشتہار ہے۔ لوگوں کو یہ بتانا ہے کہ ایک مذہب اسلام ہی ہے جو انسان کی عقل کے مطابق ہے جو انسان کے قلب کو تسکین دے سکتا ہے مشکل یہ ہے کہ یا تو یہاں اسلام سے واقفیت ہی نہیں۔ اور اگر ہے تو وہ واقفیت متعصب پادریوں کی پیدا کی ہوئی ہے اور اُسکا یہ حال ہے کہ اسلام کے نام سے ہیبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسلام وحشیوں کا مذہب سمجھا جاتا رہا۔ اگر یہاں اسلام کا اشتہار کافی ہو سکے تو تثلیث پرستی بہت جلد یہاں سے مفقود ہو سکتی ہے۔ عیسائی یہاں صرف جاہل اور وہ بھی عورتیں ہی ہیں۔ پڑھے لکھوں میں دہریت کا زور ہے۔ اسلام میں خدا نے دہریت اور توہم دونوں کے زیر کرنے کی قوت رکھی ہے۔ اسلام کی اشاعت یہاں آسان ہے۔ اگر کافی روپیہ صرف کیا جاوے۔ اسلئے کہ حرف آشنا بیان کی خلقت ہے۔ آزادی بھی ہے۔ تحریر اور تقریر دونوں ذریعہ سے اشاعت اسلام ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کے لیئے روپیہ کی بہت ضرورت ہے اور اس کی ابھی کمی اور بہت ہی کمی ہے۔ ابھی یہ توقع رکھنا کہ یہاں کے مشن کے کام کے لیئے روپیہ یہاں سے خود ہی مہیا ہوگا۔ سخت غلطی ہوگی۔ جو لوگ اسلام قبول کرتے ہیں اُن پر اسلام کے مشن کا بار ڈالنا ہماری جمعیت کے بھی خلاف ہے اور اس کی بھی کوئی وجہ نہیں۔ کہ جو مسلمان ہو وہ یہ جرمانہ بھی دے کہ اسلام کے مشن کا کفیل ہو۔

ہمارے یہاں کے اہل مقدرت لوگوں میں کتنے وہ حضرات ہیں جنھوں نے اسلامی مشن میں مدد دی ہے۔ اس میں بھی ایک والیہ بھوپال کو مستثنےٰ کرنا پڑتا ہے لیکن اُس خاتون کو تو خدا نے واقعی شیدائے اسلام بنایا ہے۔ کوئی صدا اسلام کے لیئے بلند ہو اور وہ لبیک کہنے کو موجود۔ اگر عام طور پر یہی حال ہوتا تو آج ہمارے مشن کی حالت ہی اور ہوتی۔ روپیہ کی کمی ہی کی وجہ ہے۔ کہ مشن ایک دیہات میں پڑی ہے۔ چاہیئے یہ تھا۔ کہ مرکز لنڈن خاص میں ہوتا اور اسکے شعبہ ہر بڑے بڑے شہر اور قصبہ میں شعبوں کا انتظام تو خیر چاہے کچھ دیر کو ہی ہو

مگر بہت ضروری ہے۔ کہ جس قدر جلد ہو سکے لندن میں صدر مقام بنایا جاوے۔ یہاں ووکنگ میں لوگوں کا آنا جانا مشکل۔ پھر یہ ایک معمولی دیہات مشن کا پتہ ہی لوگوں کو نہیں چلتا۔ اور چلتا بھی ہے تو یہاں کوئی کیسے جلد جلد آسکتا ہے۔ جب ہماری نماز یہاں عید کے دن شان سے ہوئی Cenema سنما کے ذریعہ سے تمام انگلستان میں ایسا اشتہار ہو گیا۔ کہ ہم لاکھوں روپیہ صرف کرتے۔ تب بھی ویسا نہ ہو سکتا۔ مگر افسوس ہے کہ ہم اُس اشتہار سے زیادہ فایدہ نہ اُٹھا سکے اگر لنڈن میں ہمارا مرکز ہوتا تو اُس اشتہار کی وجہ سے جوق جوق لوگ ہمارے یہاں روزانہ آتے رہتے۔ مجھے تو لندن کے مکان کی اس قدر بیتابی ہے۔ کہ اگر مرکزی اسلامیہ سوسائٹی کے پاس سرمایہ ہوتا تو میں فی الحال اسی کی طرف سے مکان لے لیتا +

یہ سوسائٹی جب پہلے اسلامک سوسائیٹی کے نام سے منسوب تھی۔ تب بھی اُس کے اثر سے متعدد لوگ مُسلمان ہو گئے تھے۔ اور اسلام سے تعصب تو ہزاروں کا اُس نے دفع کر دیا تھا۔ بلکہ اُس کے جلسوں میں تو وہ لوگ بھی شریک ہوتے تھے جو کسی مشن کے جلسہ میں ہرگز نہ شریک ہوتے۔ اور اس طرح اُن کا اسلام سے جہل رفع نہ ہو سکتا +

انشاء اللہ وقت آویگا کہ یہاں کی مشن ہندوستان کی مالی مدد سے مستغنی ہو جاوے گا۔ مگر ابھی تو وُہ وقت نہیں۔ ابھی تو اگر ہندوستان کے مسلمان جلد جلد ایسی خوشخبریاں سُننا چاہتے ہیں۔ کہ فلاں لارڈ یا فلاں بیرونس مسلمان ہوئے تو اُن کو چاہیئے کہ وہ لنڈن میں مرکز کا انتظام کریں۔ جو کام ووکنگ میں ہو رہا ہے وہ بے شک جاری رکھنا چاہیئے۔ جو مسجد یہاں آباد ہو چکی ہے اُسے برابر آباد رکھنا چاہیئے۔ لیکن لندن میں مرکز ضروری ہے۔ لندن کی مسجد تو جب بنے بنے۔ اُس کے لیئے تو بہت بڑے سرمایہ کے جمع ہو جانے کا انتظار ہو رہا ہے۔ میرے نزدیک یہ غلط پالیسی ہے۔ لیکن اب اس کی بحث چھیڑنے

کا موقع نہیں۔ فی الحال یہ ہونا چاہیئے۔ کہ لندن میں کسی اچھے مقام پر دو اڑھائی سو پونڈ سال کے کرایہ پر مکان لے لیا جاوے۔ اور وہ مشن کے کام کا مرکز بنا دیا جاوے۔ مسجد نہیں تو لندن کے ایک مکان میں سے ایک بلال کی اذان کی آواز بلند ہونی چاہیئے۔ تب ہی ہم اُن سر برآوردہ مسلمانوں سے بھی خوب کام لے سکیں گے جو مسلمان ہوئے ہیں۔ اور لکچر اور سوشیل جلسے ہو سکیں گے۔ پس ہمارا کام یہ ہے کہ ہم یہاں کی خلقت سے اسلام کی رونمائی کردیں۔ باقی کام اُس کی اپنی دلربائی کرے گی +

مشیر حسین قدوائی
ووکنگ مسجد
بقلم بلال نور احمد ۱۲ ۱۳

ووکنگ مشن کے ترقی خواہ ضرور اِن سطور کو پڑھیں

بلادِ غربیہ میں اشاعت اسلام کا کام آئندہ

کس طرح چل سکتا ہے؟

اس مشن کی آمد و خرچ سنہ ۱۹۱۵ء

جس اہمیت کو آج ہمارا مسلم مشن کیا یہاں اور کیا انگلستان پہنچ چکا ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ جو کامیابی فوق العادہ طریق پر اللہ تعالےٰ نے اپنے ہی فضل و کرم سے ہمیں عطا کی۔ نہ اُس کے ہم مستحق اور نہ اُس کے حصول کے لیئے ہماری کوششیں کفتی۔ دنیا کا کوئی مذہب ہمارے مقابل اپنے تبلیغی کوششوں کے ثمرات گزشتہ دو تین صدیوں میں بھی ایسے نادر نہیں دکھلا سکتا جو خدا تعالےٰ نے گزشتہ دو تین سال میں ہمیں عطا کیئے۔ در اصل اللہ تعالےٰ نے مغرب میں کچھ اسباب ہی ایسے پیدا کر دیئے ہیں کہ جنہوں نے وہاں کے غور و فکر کرنے والے اور مذہب کی دلچسپی رکھنے والے اصحاب کو اسلام کے قریب کر دیا ہے۔ یہ لوگ مذہب مغرب کے موجودہ مروجہ شکل سے بیزار ہو کر مختلف رنگوں میں اُن صداقتوں کو تسلیم کرتے جاتے ہیں۔ کہ جن کی حیثیت مجموعی کا نام اسلام ہے۔ یہ وہ امور ہیں جو پہ میری نگاہ بہ تدریج ابتداء میں پڑی۔ اور زیادہ مطالعہ اور زیادہ میل جول مزید تفحص حالات نے مجھے سمجھا دیا کہ یہ ریشنلزم۔ یہ پورنیے لیٹا ازم۔ یہ نیو شیلزم۔ یہ نسوانی تحریک طلب حقوق۔ یہ پسرچولزم یہ تھاسفیزم یہ ایتھک ازم اور ایسا ہی دیگر روحانی اخلاقی مجلسی تحریکیں جو اس وقت بطور مذہب مغرب میں پوجی جاتی ہیں۔ اور جن سے صاف پایا جاتا ہے کہ انسان میں کس قدر ہیجان مذہبیت ہے۔ یہ دراصل اسلام کی ہی مختلف شعبے مختلف رنگوں میں ہیں۔ انہیں نتائج پر میں سال سنہ ۱۹۱۲ء میں آیا۔ اور انہیں امور کو سامنے رکھ کر میں نے تبلیغ کا رخ پھیر

پھر میں نومبر ۱۹۱۴ء میں یہاں لاہور پہنچا۔ اور اپنی پہلی تقریر میں ان امور کا ذکر کرکے میں نے اپنا یقین ظاہر کیا تھا کہ اگر ہم اپنی تبلیغی کوششوں کو عقلمندی اور استقلال کے ساتھ یورپ میں جاری رکھیں تو اسلام [illegible] حیرت انگیز ترقی کریگا [illegible] امور کا اعادہ میں نے شروع سال ۱۹۱۵ء میں اور صوبجات متحدہ کے مختلف شہروں میں کیا۔ جن لوگوں نے میری باتوں کو سنا وہ خود تصدیق کر لیں گے کہ میرے بیان کے بعد جو اس ایک سال میں نتائج مرتب ہوئے انھوں نے میرے بیان کی کس قدر تصدیق کی۔ میرے یہاں پہنچنے پر پچاس اصحاب حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے۔ لیکن آج بکم ساٹھ سے زائد اس وقت آنحضرت صلعم کے قدموں میں آچکے ہیں۔ یہ نومسلم کس پایہ کے اور کس علم فضل سے آراستہ ہیں اُن کے ذکر کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔ رسالہ ہذا میں جو ماہواری رپورٹ چھپتی ہے وہ ان امور کا آئینہ ہے۔ میں صرف اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ نومسلم اخوان میں بعض ایسے فاضل اور اہل قلم ہیں کہ جن پر کسی قوم یا سوسائیٹی کو ناز ہو سکتا ہے۔ طبقہ امراء میں سے لارڈ ہیڈلے اور اسی طبقے کی دو معزز خاتونیں طبقہ فضلاء میں سے۔ پروفیسر (یحییٰ) پارکنسن الیف۔ جی۔ ایس پروفیسر (مصطفےٰ) ہورن۔ بی اے۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ پروفیسر (امین) وہیٹنٹ۔ ڈاکٹر آف لٹریچر۔ پروفیسر نورالدین سٹیفن وغیرہ یہ لوگ وہ ہیں جو یورپ میں شہرت کے مالک ہیں۔ ان کے علاوہ اہل قلم میں سے مسٹر محمد صادق ڈڈلے رائٹ فوجی افسران میں بعض کپتان اور لفٹننٹ وغیرہ وغیرہ ہیں اس تعداد پر چنداں ناز نہیں جس قدر اس تبدیلی وانقلاب کے لیئے ہم سجدات شکر ادا کرتے ہیں جو آج یورپ میں اسلام و وہ اسلام نہیں جو پہلے تھا۔ آج اسلام ایک جیتا جاگتا۔ زندہ۔ معقول حکیمانہ اور مدلل مذہب تسلیم ہو چکا ہے۔ وُہ مذہب جسے ناواقفوں یا متعصبوں نے دنیا کے لیئے لعنت سمجھا۔ وہ قریب ہے کہ کل مخلوق الہیہ کے لیئے رحمت سمجھا جاوے۔

اگرچہ جو ترقی تعداد نومسلمین میں ہوئی وہ بھی کافی سے زیادہ اطمینان بخش ہے لیکن دراصل اس تعداد کو کئی گنا تعداد تک پہنچا دینا اور تھوڑے عرصہ میں ہزاروں تک کی تعداد دیکھ لینا کوئی مشکل امر نہیں بشرطیکہ ہم کافی طور پر اسلام کی اشاعت کر سکیں۔ مغربی دُنیا اس وقت اپنے مذہبی عقائد سے بیزار ہو کر ایک صحیح مذہب کی تلاش کر رہی ہے۔ جس کے پاس صحیح اور سچا مذہب ہے آج نُصرت و فتحمندی اس کی شامل حال ہو سکتی ہے۔ مجھے اس بات پر ایک معقول ایمان رکھتا ہوں

کہ جو مذہب ہمیں نے قرآن کریم میں دیکھا اور آنحضرت صلعم سے ہم نے سیکھا ہے۔ وہی مذہب ہے جو مغربی دُنیا کا مذہب ہوگا۔ ہاں یہ سب کچھ ہماری کوشش پر منحصر ہے +

مین نے یہ مختلف مواقع پر بیان کیا ہے کہ اشاعت مذہب کا بہترین طریق مغربی دُنیا میں اسلامی لٹریچر کو پھیلانا۔ اور اُس کے ساتھ ایک مرکز قایم کر کے نومسلمین یا مستفسرین و متفحصین کو اسلامی زندگی دیکھنے کا موقعہ دینا۔ اور اس کے ساتھ موقع بموقع تقریر و لکچروں سے بھی استمداد کرنا اس امر کے لیئے ہم نے اسلامک ریویو شایع کیا۔ اور یہ کوشش کی کہ جہاں تک ہمارے ذرایع اجازت دیں ہم اسے یورپ اور امریکہ میں مفت تقسیم کریں۔ یورپ میں ایسے ذرایع آسانی سے مہیا ہو جاتے ہیں کہ ہم اپنے لٹریچر کو ہزاروں تک کی تعداد میں اُن لوگوں کے پاس پہنچا سکتے ہیں جو واقعی مذہب سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہم یہ سرمایہ کہاں سے لاویں کاش مسلمان اپنے مقابل غیر مسلموں کی تبلیغی کوششوں پر توجہ کریں۔ کیا وہ ڈہائی ہزار رسالہ کا مفت تقسیم کر دینا اُس لٹریچر کے مقابل کسی شمار و قطار میں ہے جو پادری لوگ ایک سمندر کی طرح دنیا میں پھیلا رہے ہیں۔ کیا اگر اس قدر قلیل مقدار یہ نتایج مرتب کر سکتی ہے تو پھر اگر ہمارا رسالہ مثلاً دس ہزار تک ماہوار مفت تقسیم ہو تو پھر کیا کچھ ہو سکتا ہے۔ یہی ایک غرض تھی جو مجھے انگلستان سے ہندوستان لائی۔ اللہ تعالے نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے اس قابل کر دیا تھا کہ میں قوم کے آگے اپنی محنت کے نتایج پیش کروں اور اُن کی خدمت میں عرض کروں کہ وہ اس کار حسنہ میں میرے ساتھ شریک ہوں۔ میں اگرچہ دو ڈھائی سال کی محنت شاقہ کے بعد ولایت سے واپس نومبر ۱۹۱۴ء میں ہندوستان آیا اور میں اس بات کا محتاج تھا کہ میں کچھ آرام کروں۔ لیکن وہ اخراجات ماہواری جو دو ہزار ماہوار کے قریب ۱۹۱۵ء کے شروع میں ہی پہنچ گئے تھے انھوں نے مجھے گھر بھی آرام لینے نہ دیا۔ مجھ سے جہاں تک ہو سکا میں پنجاب اور ہندوستان کے مختلف شہروں میں پھرا اور جس شہر میں جتنے دن رہا۔ قریب قریب ہر روز لوگوں کو خطاب کرتا رہا۔ جس سے میری صحت پر بھی بُرا اثر ہوا۔ لیکن میں نے اُس کی پرواہ نہ کی۔ اب چونکہ ووکنگ مشن کی روز افزوں کارروائیاں چاہتی ہیں کہ میں بہت جلد واپس چلا جاؤں۔ اور اگر اللہ تعالے کو منظور ہوا تو چند ہفتوں کے اندر اندر میں ووکنگ میں پہنچ جاؤں گا۔ اسلیے

بہتر لیے پسند کیا کہ میں اپنی قوم کو ووکنگ کے حالات سے کسی قدر اطلاع دیئے جاؤں اور اس امداد سے بھی اطلاع دوں جو مجھے سال ۱۹۱۵ء میں میری تحریک پر ہوئی +

میں اپنے مسلم بھائیوں کا جس قدر شکریہ ادا کروں تھوڑا ہے۔ میں جہاں گیا جس جگہ گیا میری وہ عزت و تکریم کی گئی کہ جس کا میں ذاتی طور پہ مستحق نہ تھا۔ دراصل اس گئے گذرے زمانہ میں بھی مسلمانوں کو اسلام سے ازحد محبت ہے وہ دل سے اشاعت اسلام کے گرویدہ و عاشق ہیں۔ انھوں نے مجھ میں ایک خادم اسلام اور عاشق اسلام کا نمونہ دیکھا اسلئے انھوں نے مجھ سے ہر ایک قسم کا نیک سلوک کیا۔ خصوصاً وہ نیک سلوک جو مجھ سے مسلم والیان ریاستہائے ہندوستان نے کیا وہ میرے لیے خاص تشکر و امتنان کا موجب ہے۔ اعلےٰ حضرت حضور نظام و عالیحضرت فرمانروائے بھوپال۔ عالیحضرت شیخ صاحب منگرول۔ ان بندگان عالی کا مجھے شاہی مہمان کے طور پر اپنی قلمرو میں رکھنا۔ اور ہر وہ سلوک مری رکھنا جو ایک شاہی مہمان سے ان کے ہاں ہوا کرتا ہے۔ یہ تو ان کے شاہی اخلاق کا ایک ادنےٰ کرشمہ ہے۔ لیکن مختلف محل و مواقع پر مجھے انکا خاص الخاص اشفاق کریمانہ کا مورد بنانا۔ یہ اس محبت کو ظاہر کرتا ہے جو عالیمراتب سے عالیمراتب مسلمان کا دل ایک خادم اسلام کے لیئے اپنے پہلو میں محسوس کرتا ہے۔

میں یہ یقین کرتا ہوں کہ اگر جنگ کے ایام نہ ہوتے تو میرا یہ سفر بہت ہی بہترین نتائج مرتب کرتا۔ بہرحال جو کچھ ہوا وہ حالات موجودہ کے ماتحت میری امیدوں سے زیادہ ہوا۔ اس موقعہ پہ میں گورنمنٹ عالیہ کا بھی تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس پر آشوب زمانہ میں میرا کل شمالی ہندوستان میں سفر کرنا اور ہر ایک امن و آسائش کا حاصل کرنا۔ جن اغراض کے لیئے میں نے یہ سفر کیا ان اغراض کے اٹھانے کے لئے پبلک لیکچروں کو بے روک ٹوک کرنا۔ بلکہ بعض مواقع پر خود اعلےٰ سے اعلےٰ مقامی افسروں کا میری امداد کرنا اور مجھے ہر طرح اپنی عنایات سے مرہون منت ٹھہرانا یہ اس دریا دلی کا ثبوت دیتا ہے جو اس گورنمنٹ عالیہ کا خاصہ ہے۔ اور جس کے لیئے ہر ایک شخص کو اس گورنمنٹ کا شکرگذار ہونا چاہیئے +

میں اس موقع پر اس سال کی آمد و خرچ سے اپنے معاونین کو اطلاع دینا چاہتا ہوں۔ یہ امر کئی دفعہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ہمارے مشن کے خرچ کی مدات تین قسم کی ہیں۔ اوّل اسلامک ریویو اور

ایسا ہی دوسرا اسلامی لٹریچر مفت تقسیم کرنا۔ دوم - ہر اتوار کے دن شمولیت وعظ کے لیئے جسقدر مہمانوں کا ووکنگ میں باہر سے آنا اور ایسا ہی نومسلم ساکنین ووکنگ کو اپنے ہاں دوپہر کے کھانے اور سہ پہر کی چاء پر مہمان کرنا اور ایسا ہی جس قدر نومسلموں کو اسلام سیکھنے کے لیئے باہر سے ہمارے ہاں آنا یا مستفسرین کا ہمارے ہاں ٹھہرنا اور ان کا تعہد بطور مہمان اسلامی طریق پر کرنا۔ سوم - اخراجات متفرقات جن میں لندن یا دوسرے مقام پر علاوہ جمعہ کے وعظ و لکچر کے لیئے جانا اور مسجد ووکنگ کے متعلقہ اخراجات - بڑی بھاری مدات خرچ کی پہلی دو ہی ہیں یعنے مفت تقسیم رسالہ اسلامک ریویو اور لنگر خانہ - انھیں دو مدات کو علے الخصوص سامنے رکھکر معاونین مشن سے امداد کی درخواست کی گئی ہے حصول امداد کو سہل ترین بنانے کے لیئے مینے یہ مناسب سمجھا ہے کہ اسلامک ریویو کی خریداری بہت بڑھادیجاوے - جسقدر اس کے خریدار زیادہ بڑھیں گے اسی قدر اسکے منافعہ کا کثیر حصہ اس کار خیر پر خرچ ہوگا - اسی غرض سے مینے اسلامک ریویو کا ترجمہ اردو میں شایع کرنا شروع کیا اور اس کی قیمت ستے رسالانہ رکھدی ہے - تاکہ اس کے منافعہ کا زیادہ حصہ بھی اس مشن پر خرچ ہو +

اسی طرح مفت تقسیم رسالہ اسلامک ریویو کی بھی دو صورتیں میرے سامنے رہی ہیں ایک تو عام طور پر برادران اسلام کو مفت تقسیم رسالہ کے لیئے کہا گیا ہے کہ وہ یہ رسالہ خرید کر ہمیں مفت تقسیم کرنے کی اجازت دیں - یہ اپیل بھی خالی نہیں گئی - اور آگے چل کر معلوم ہوگا کہ ایک کافی رقم اس کی تقسیم کے لیئے ہم نے وصول کی +

اب میں ذیل میں آمد و خرچ کا ایک نقشہ بھی دیدیتا ہوں - آمد کی طرف جس قدر رقوم بطور امداد اس سال وصول ہوئیں ان سب کی ایک فہرست بھی مینے رجسٹر آمد سے بنوا کر اس تحریر کے ساتھ شامل کردی ہے ممکن ہے کہ قارئین کرام میں سے کسی کے لیئے تحریص امداد کا موجب ہو ساتھ ہی معطی صاحبان بھی دیکھ سکتے ہیں کہ جسقدر امداد انھوں نے کی وہ ان کی منشاء کے مطابق ہی خرچ بھی ہوئی + یہ نقشہ اور فہرست منسلکہ مینے دفتر لاہور سے رجسٹر ہائے آمد و خرچ سے بنوایا ہے - چندہ امداد میں ایسے خریدار بھی درج کردیے ہیں جنھوں نے قیمت دیکر رسالہ مفت تقسیم کرایا - خالص خریدار رسالہ جات مینے اُنکو قرار دیا - جنھوں نے رسالہ اپنی ذات کے لیئے لیا +

نقشہ آمد و خرچ

آمد

آمد	پائی - آنہ - روپے
قیمت از خریداران اسلامک ریویو و رسالہ اشاعت اسلام	[illegible]
چندہ امدادی از حیدر آباد ...	[illegible]
چندہ امدادی در ہندوستان ...	۲۲۵۲-۹-۰
قیمت کتب ام الالسنہ وغیرہ ...	۵۱-۶-۰
چندہ از صاحب معلومہ جا تعداد ۵ روپیہ ماہوار بابت مفت تقسیم اسلامک ریویو از ابتدا مئی ۱۹۱۵ء لغایت دسمبر ۱۹۱۵ء	۳۰۶-۰-۰
چندہ از جائے معلومہ بغرض تقسیم اسلامک ریویو ...	۹۷۶-[illegible]-۱۱
مدد وظیفہ خواجہ کمال الدین از جائے معلومہ بابت اٹھارہ ماہ از جولائی ۱۹۱۴ء لغایت دسمبر ۱۹۱۵ء	۱۸۰۰-۰-۰
تحفتاً از حضور نظام	۱۰۰۰-۰-۰
سفر خرچ از انجمن ہائے مختلفہ	۲۵۷-۰-۰
میزان کل	۳۲۸۰۸-۵-۰

خرچ

خرچ	پائی - آنہ - روپے
اسلامک ریویو و رسالہ اشاعت اسلام پر خرچ جو یہاں ہوا	۴۰۶۲-۱۵-۷
مشن لاہور و انگلستان	۹۷۹۳-۴-۶
سفر خرچ حیدر آباد و ہندوستان بمعہ تنخواہ ایک مددگار ایک کلرک برائے چند ماہ جو ہمراہ رہے	۱۱۸۲-۷-۹
خرچ ام الالسنہ وغیرہ	۲۲۱-۱۵-۰
واپسی رقوم بہ ڈاکخانہ و انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور جو غلطی سے ووکنگ فنڈ میں جمع ہوئیں +	۶۳-۲-۰
واپسی قرضہ حسنہ	۲۰۰-۴-۰
متفرق	۳۸۲-۲-۲
میزان بالا	۱۲۹۰۶-۳-۰
رقوم جو وقتاً فوقتاً ولایت گئیں۔	۱۹۴۲۹-۱۲-۷
میزان	۳۲۳۳۵-۱۵-۷
گرفتنی از ام الالسنہ	۷۰-۹-۰
بقایا بدست خود	۴۰۱-۱۲-۵
میزان کل	۳۲۸۰۸-۵-۰

* ابتدا ۱۹۱۲ء میں میرے ایک عزیز دوست نے مجھے تیس پونڈ بطور امداد مشن اس شرط پر ولایت بھیجے تھے کہ اگر ووکنگ مشن میں کبھی آیندہ گنجایش ہو تو یہ رقم ان کو واپس کر دیجاوے ۱۹۱۵ء میں ۲۰۰ ان کو بھیجا گیا ۲ محصولڈاک اور ۱۹۱۶ء میں آج تک ان کو ۱۵ بھیجا گیا

۲- اس میں دو یا چار روپیہ کی کمی بیشی ہے معطی صاحب کو بغرض تصحیح لکھا گیا + خواجہ کمال الدین

نقشہ بالا میں جو رقوم بطور امداد حیدرآباد و دیگر علاقہ جات ہندوستان سے مینے ان سفروں میں وصول
کیں اس کی تقسیم کو معطی صاحبان نے میری اقتضاء رائے پر چھوڑا تھا۔ کہ جس نسبت سے چاہوں میں اُنہیں
رسالہ انگریزی کی مفت تقسیم یا لنگرخانہ و دیگر ضروریات ووکنگ پر خرچ کروں چنانچہ مینے دفتر کو ابتدا
میں بھی ہدایت دی کہ ان رقوم کو قریب قریب نصف نصف۔ ریویو انگریزی کی مد تقسیم میں اور لنگرخانہ
وغیرہ میں دکھلادیں۔ لیکن ان رقوم کی بعد از وضع خرچ تقسیم کس طریق پر ہوئی وہ ووکنگ کے خلاصہ
حساب کے آنے پر بتلائی جا سکتی ہے۔ لاہور اور ووکنگ ہر دو جگہ باضابطہ حساب و کتاب رکھا جاتا ہے
اور آمد و خرچ کی رقوم خواہ میری ذات سے تعلق رکھتی ہوں یا مشن سے ان کا اندراج کیا ہوتا ہے
وہاں کا حساب شیخ نور احمد صاحب بلال کے ہاتھ میں ہے اور یہاں کا حساب کتاب منیجر دفتر رسالہ اشاعت
اسلام کے ہاتھ میں ہے مینے شیخ صاحب کو لکھا ہے کہ وہ ۱۹۱۵ء کے آمد و خرچ کے حساب کا خلاصہ بھیجدیں۔
خصوصاً یہ کہ مختلف مدات میں کیا خرچ ہوا۔ ہاں مینے اسی قدر حضرت مولانا صدرالدین صاحب
کی خدمت میں عرض کر دی تھی کہ وہ امسال دو اور تین ہزار کے اندر اندر مفت تقسیم رسالہ کر دیں۔ اس
سال اخراجات لنگرخانہ بہت ہی بڑھ گئے۔ میں نے منشی نور احمد کو ایک دفعہ لکھا تھا کہ وہ تین یا چار ماہ
کی تعداد مہمانوں سے ہمیں اطلاع دیں۔ چنانچہ گذشتہ جون سے آخر ستمبر تک دو ہزار آٹھ صد کے
قریب مہمان آئے اور اس سے آئندہ دو ماہ میں ہزار سے زائد تھے۔ اگرچہ ان ایام میں دو عیدین بھی
گذریں جنمیں ہزار   کے لگ بھگ مہمان تھے۔ بہر حال جس طرح ضرورت پیدا ہوئی۔ ان دو مدات
پر جہت کے لیئے روپیہ معطی صاحبان نے دیا خرچ کرنیکے لیئے ولایت بھیجدیا۔
ہاں ہم سے یہی ہو سکتا تھا۔ کہ جس قدر روپیہ ہم وصول کریں وہ سب کا سب ضروری اخراجات
کاٹ کر ولایت بھیجدیں۔ سو ایسا ہی کیا گیا۔ نقشہ آمد و خرچ میں دو باتیں قابل ملاحظہ ہیں
اوّل جہاں تک اس مشن کا عملہ ہے اُس نے اعلیٰ درجے کے ایثار سے کام لیا۔ عملہ اس وقت
حسب ذیل ہے:۔ ولایت میں مولانا مولوی صدرالدین صاحب۔ شیخ نور احمد صاحب بلال
ہندوستانی باورچی۔ اُن کے علاوہ مولوی صاحب نے وقتاً فوقتاً اگر ولایت میں کوئی اور رکھا
اُن کا خرچ نقشہ بالا میں نہیں دکھلایا گیا۔ ہندوستان میں منیجر دفتر اشاعت اسلام [illegible]
[illegible] کے ماتحت دو کلارک۔ ایک چپڑاسی۔ [illegible]

ماہ رہا۔ ایک ایجنٹ بغرضِ تبلیغ و اشاعت اغراضِ مشن جو گذشتہ اکتوبر سے رکھا گیا اور میں خود۔ اتنے بڑے کام پر اس قدر قلیل عملہ اور پھر اس عملہ پر بھی صرف ساڑھے پانصد روپیہ ماہوار کا خرچ۔ یہ آج کل کے حالات کے ماتحت ایثار نہیں تو اور کیا ہے۔ ہاں دو عملہ پر جو میں نے خرچ دکھلایا ہے اس میں وہ رقم ماہواری بھی شامل ہے۔ جو میں اپنے ذاتی خرچ کے لیے لیتا ہوں لیکن اس کا بوجھ میں نے کسی قسم کے ڈونیشن پر یا زرِ امدادِ مشن پر نہیں ڈالا۔ میں نے اپنی ذات کا خرچ بحیثیت ایڈیٹر اسلامک۔ ریویو صرف اسلامک ریویو پر کتبِ حساب میں ڈلوایا ہے۔ ایسا ہی کچھ رقم بطور امداد جو عملہ میں سے ایک خالص سچے خادمِ مشن کو میں نے بطور قرضِ حسنہ دی ہے۔ وہ بھی میں نے اسلامک ریویو کی آمد میں سے دی ہے اور اس کا خرچ بھی اسلامک ریویو پر ڈالا ہے اسلئے ان ہر دو رسالوں کے نفع نقصان کو میری ذات سے تعلق ہے۔ باقی اخراجات جو عملہ لاہور کے ہیں یا سفر خرچ یا اخراجات متفرقہ ہیں ان کا ½ اردو رسالہ پر ½ اسلامک ریویو پر اور ½ دیگر اغراض پر ڈال دیا ہے۔ اور جو عملہ ولایت یا واپس قرضِ حسنہ کی رقوم ہیں اُن کو اسلامک ریویو اور دیگر اغراض پر نصف ڈال دیا ہے۔

یہ امور محض آمد و خرچ کو حساب کتاب کے باضابطہ شکل میں رکھنے کے لیے کئے گئے ہیں ورنہ جو عمل ہوا ہے وہ تو یہ ہے کہ جو کچھ منافع ہر دو رسالجات کا ہوا یا جو رقم مجھے ذاتی طور پر بطور وظیفہ یا رخصتانہ بعض محسنوں سے ملی وہ سب کی سب میں نے آمدِ مشن میں ڈال دی ہے۔ میں آئندہ بھی اللہ تعالیٰ سے یہی دُعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے ایسا ہی کرنے کی توفیق دے۔

مسلم بھائیوں سے میری آخری اپیل

میں اب چند ہفتوں میں یہاں سے رخصت ہو کر ولایت جانیوالا ہوں۔ دورانِ قیامِ ہندوستان میں نے ہر ایک قسم کا آرام چھوڑ کر مسلمان بھائیوں کو اس کارِ خیر کی اہمیت اور ضرورت سے آگاہ کیا۔ یہ مشن ایک حقیقت اور طاقت ہے۔ کوئی وہمی یا قیاسی امر نہیں۔ یہ مشن نظری حالات سے نکل کر واقعات اور عمل کا جامہ پہن چکا ہے۔ اس کے مفید اور یقینی طور پر کامیاب

ہو نہیں اب شبہ نہیں رہا۔ اس امر سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ خدا اور رسول کے احکام کے ماتحت ہمارے کل قومی کام ایک طرف اور یہ کام ایک طرف ہے۔ ہماری کل کی کل تحریکات پر اس حسن کو فوقیت ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اسلامی خیرات و زکوٰۃ کے مصرف پر کل دیگر خیراتی کاموں پر اسے ترجیح نہ دیں۔ نقشہ آمد سے ظاہر ہوتا ہے کہ چودہ ہزار کے قریب روپیہ محض بطور ڈونیشن مسلمانان ہند سے اس سال آیا اور اس نے جس قدر بھاری کام ہوا۔ وہ ظاہر ہے کیا ۱۹۱۵ء میں جو تین تیس ہزار کا خرچ ہے اور جس کے مقابل کئی ہزار رسالہ اردو و انگریزی بطور خریداری لوگوں کے گھروں میں بھی پہنچ چکا ہے۔ اس کے مقابل یہ کامیابی جو اس سال ہمیں ہوئی وہ کچھ کم ہوئی ہے نہیں ہیں اس کی نظیر دنیا بھر کی مذہبی تبلیغی کوششوں میں نظر نہیں آتی

لیکن اب جو میں ہندوستان سے چلا ہوں اور ممکن ہے کہ میری غیر حاضری بہت جلد کوئی ایسا قائمقام میرا نہ پیدا ہو سکے جو شہر بشہر پھر کر مسلم بھائیوں کو اُن کے فرض کی طرف متوجہ کرے۔ تو پھر کیا تو مسلم بھائی اپنے فرض کی طرف متوجہ نہ ہونگے۔

مسلمانو! خدارا اس غفلت کو چھوڑ دو۔ اس وقت کو غنیمت سمجھو۔ اللہ تعالیٰ کے کام تو ہو کر رہیں گے۔ لیکن مبارک وہ ہے جو اس کام میں ہمارا ہاتھ بٹاوے۔ تمہارے مال جس دیانت اور احتیاط سے خرچ ہوئے ہیں وہ اس نقشہ سے تم پر ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور جس ایثار و محبت سے کام کرنے والے لوگ تم کو مل گئے ہیں وہ بھی اس قحط الرجال میں شاذ و نادر کا معاملہ ہے خدا تعالیٰ ہی اس امر کا شاہد ہے کہ مجھے ایام وکالت کے مقابل دوگنا کام روزانہ کرنا پڑتا ہے اور جو کچھ میں نے بطور وجہ کفاف لیا وہ میری آمدنی وکالت سے جو ۱۹۱۲ء میں تھی کوئی نسبت ہی نہیں رکھتا۔ لیکن یہ کسی پر احسان نہیں ان اجری الا علی اللہ کا خوش کن مقولہ ہی ہمارے لیئے راحت جان ہے۔ لیکن ہمارا ایثار کس کام آویگا۔ اگر ہمارے پاس اور سامان نہ ہوں۔ خدارا کچھ ایسا کام کرو۔ کہ یہ انگریزی رسالہ دس ہزار تک مفت تقسیم ہو جاوے۔ اگر دس ہزار رسالہ تقسیم کرنے کے سامان کر دو۔ تو پھر اس کے منافع سے ہی دیگر اخراجات ووکنگ چل نکلیں گے +

میں نے شروع سال ۱۹۱۵ء میں آپ کو مخاطب کیا اور اردو رسالہ بھی اس لیئے شائع کیا۔ کہ اسکے

منافع سے ووکنگ مشن چلے۔ اگر یہ رسالہ دس ہزار خرید اجاسکے تو میرے نزدیک موجودہ خراجات کے لحاظ سے ۵/۶ اخراجات ووکنگ مشن کے نکل جاتے ہیں +

اگرچہ یہ رسالہ میرا ہی شائع کردہ ہے۔ لیکن میری یہی غرض ہے کہ اس کے منافع سے اشاعت کے کام کو مدد کافی ملے۔ جیسے کہ گذشتہ سال کیا گیا۔ اس وقت اردو رسالہ کی تعداد اشاعت دو ہزار کے قریب ہے۔ اس اشاعت پر جو منافع ہوتا ہے وہ قطعاً مشن کے لئے کافی نہیں۔ اسی طرح انگریزی رسالہ کی اشاعت ابھی ڈیڑھ ہزار کے قریب ہے۔ یہ بھی بہت تھوڑی ہے میں یہ کہتا ہوں کہ اگر مسلمان بھائی صرف پانچہزار تک انگریزی اور دس ہزار تک اردو رسالے کو خرید لیں تو میں کسی اور امداد کا سردست اُن سے مطالبہ نہیں کرتا۔ اور اگر مجھے خدا توفیق دے تو میں اس کے منافع کو اسی کام پر خرچ کروں گا۔ ہاں جب تک یہ صورت نہو میں ان بزرگوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں جنھوں نے دریا دلی سے گذشتہ سال اپنے مالوں سے مجھے مدد دی وہ اب بھی دیں۔ یہ مال وہ بالفاظ قرآن کریم ایک تجارت پر لگاتے ہیں جسکا منافع جو آخرت کو بالفاظ ربی ملنا ہے وہ تو ضرور ملے گا۔ لیکن اسکا منافع تو دم نقد مل رہا ہے +

خدارا غور کرو۔ یہ رقوم امداد تو زیادہ تر مئی ۱۹۱۵ء سے پہلے پہلے مجھے وصول ہوئی تھیں۔ آج اس پر ایک سال گذر گیا۔ فہرست سے ظاہر ہوگا کہ مئی ۱۹۱۵ء تک زیادہ حصہ امداد کا آپنے دیا۔ آج مئی ۱۹۱۶ء ہے اب تبلاؤ جو اس سال میں نتائج مرتب ہوئے وہ منافع کیا کچھ کم ہے۔ مسلمان بھائیوں خدا کے اُس فضل کو دیکھو کہ جس غرض کے لیئے جو کچھ تھوڑا بہت تمنے دیا وہ غرض پوری ہوگئی۔ پھر اسکے شکریہ میں کیا آپ کو مناسب نہیں کہ اور ہمت کرو۔ اس لیئے میں چاہتا ہوں کہ یہ مبارک مہینہ زکوٰۃ و خیرات کا ہے +

تمہاری زکوٰۃ کا بہترین مصرف

ووکنگ مشن ہے۔ جاؤ قرآن کریم کو کھولو وہ بھی ہمیں یہی کہتا ہے۔ ہمارے مشن کی امداد کا ایک سہل طریق یہ ہے کہ تم ہمیں انگریزی رسالہ کی مفت تقسیم کے لیئے امداد دو۔ اپنی طرف سے متعدد رسالہ مفت تقسیم کراؤ۔ ایسا ہی لنگر خانہ کی امداد کا فکر کرو۔ ہاں ایک آسان طریق امداد کا یہ ہے کہ خود رسالہ اردو یا انگریزی خریدو اور دوستوں میں اس کی خریداری بڑھاؤ۔ گذشتہ سال میں

ہیں اردو رسالہ بہت سا زائد چھپوانا پڑا خیال تھا کہ خریداری بہت بڑھے گی۔ مگر ایسا نہ ہوا مختلف ماہ کے رسالجات زائد پڑے موجود ہیں۔ سو میں نے یہ پسند کیا ہے کہ تمام گذشتہ رسالجات کے آگے یہ اپیل ضم کر کے بطور نمونہ مسلم احباب کی خدمت میں بھیجوں۔ وہ اس رسالہ کو دیکھیں مختلف احباب کے پاس سنہ ۱۹۱۵ء کے مختلف مہینوں کے رسالے پہنچیں گے وہ اس کو شروع سے اخیر تک دیکھیں اور پڑھیں اور پھر اندازہ کریں کہ کیا ایسا قیمتی رسالہ محض اگر لٹریچر کے طور پر ہی خریدا جاوے۔ تو چنداں گراں نہیں۔ چہ جائیکہ اس کا منافعہ ایک ہماری مشن کو چلا رہا ہے۔ اسی طرح جن دوستوں نے بہ سبب حالات خاصہ انگریزی رسالہ خریدنا چھوڑ دیا ہے وہ اردو رسالہ ہی خرید کر عنداللہ ماجور ہوں۔

موجودہ خریداران کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ جہاں تک ممکن ہو ہر دو رسالجات کی اشاعت بڑھانے میں کوشش بلیغ فرما کر عنداللہ ماجور ہوں +

فہرست زرِ عطیہ و امداد ووکنگ مسلم مشن انگلستان سنہ ۱۹۱۵ء

بابتہ جنوری ۱۹۱۵

معرفت ماسٹر فقیر اللہ صاحب قیمت کتب ... ۸ر
جناب فصیح الدین خانصاحب حیدر آباد ... عہ
مرزا غلام سرور صاحب پشاور ... ۲ہ
حکیم امیر علی صاحب پنڈی ... للعہ
جناب حامد اللہ خانصاحب کوہاٹ ... عہ
سردار عبد الرحمن صاحب ... عہ
غلام حسین صاحب ٹیلیگراف کلرک ... عہ
خانصاحب عبد الحکیم خانصاحب سب جج کوہاٹ للعہ
خان بہادر حق نواز خانصاحب ... للعہ مار
خانصاحب محمد جمیل خان صاحب ... ،، ما رعہ
میاں مطیع الدین صاحب ... عہ
خان بہادر مولوی احمد دین صاحب ... ،، عہ
مولوی محمد عالم صاحب سیکنڈ ماسٹر ... للعہ
سردار احمد خانصاحب ... ،، عہ

سید محمد اشرف صاحب کوہاٹ ... عہ
خانصاحب خوشدل خانصاحب کوہاٹ مار
بابو معراج دین صاحب نائب تحصیلدار للعہ صر
مائل محمد اکبر خانصاحب ڈپٹی ... عہ
جناب محمد خداداد خانصاحب ،، ... عہ
جناب فقیر ابو الحسن صاحب ... للعہ
ملک خدا بخش صاحب ... للعہ
خان بہادر خیر محمد خانصاحب رئیس ،، ... مار
شیخ عبد العزیز صاحب سب انسپکٹر ... للعہ
امام بخش صاحب ... للعہ
سردار محمد امان اللہ خانصاحب ... عہ
محمد عبد اللہ خانصاحب ماسٹر ... عہ
دوست محمد خانصاحب ... صر
سکندر خانصاحب سب انسپکٹر ... عہ

جناب دار سیخ صاحب قیمت کتب ۱۴/

جناب یوسف خان صاحب ..... // ۱۴/

جناب مرزا امام علی بیگ صاحب ...... عہ/

اپج عبداللہ خانصاحب ... قیمت کتب ۱۴/

عبدالوحید صاحب اجمیر ...... // ... ۶/

جناب سید معز الدین صاحب ... // ... ۱۵/

صاحبزادہ جناب عبدالقیوم صاحب پشاور عہ

جناب سید امیر حسن صاحب بنارس ...... عہ

جناب مرزا فیاض الدین صاحب // ...... عہ

// مرزا شمس الدین صاحب // ...... عہ

// رفیع الدین صاحب // ...... عہ

// شاہ میر عالم صاحب // ...... عہ

// عبدالواحد صاحب وکیل ... // ...... عہ

// ضیاء الدین صاحب الیکٹر پوسٹ آفس ... عہ

سوقوم ذیل معرفت جناب ڈاکٹر غلام محمد صاحب ہنگو:-

جناب صوفی ظفر حسین صاحب ...... عہ

// عالمگیر خان صاحب ...... عہ

// سید مومن صاحب ...... عہ

// خان روشن دین خانصاحب ...... عہ

// محمد حیات خان صاحب ...... عہ

// منشی امیر حسین صاحب ...... للعہ

// منشی عبدالواحد صاحب ...... عہ

// منشی نصیر الدین صاحب ...... عہ/

// ملک ولی محمد خانصاحب ...... عہ/

// خان بازگل خان صاحب ...... عہ/

[illegible]

جناب بابو مولا بخش صاحب پوسٹ ماسٹر بنوں عہ

// منشی مہر بخش صاحب ...... عہ/

// غلام حسین صاحب ٹیلر ماسٹر ...... عہ/

// محمد رمضان خانصاحب // ...... عہ/

// عبداللہ خان صاحب // ...... عہ/

// شیخ لاٹ صاحب // ...... للعہ/

// نبی بخش صاحب ٹیلر ماسٹر ...... عہ/

// فیروز الدین صاحب // ...... عہ/

// علی بخش صاحب // ...... عہ/

// نور محمد صاحب // ...... عہ/

// زمان شاہ صاحب // ۱۰/

// مولا بخش صاحب // ...... عہ

// نور مصطفیٰ صاحب // ۴/

// زمان علی صاحب // ...... عہ/

// نتھو صاحب // ۸/

// جمال الدین صاحب // ۴/

// اللہ دتا صاحب // ۴/

// غلام غوث صاحب ...... عہ

// فضل الٰہی صاحب ۸/

// غلام محمد صاحب ...... عہ/

// گل ستار خانصاحب ...... عہ/

// محبوب اللہ خانصاحب ...... عہ

// نور محمد صاحب ۸/

// محمد الدین صاحب ...... عہ

// مسٹر عبدالعزیز صاحب ...... عہ

// رمضان خانصاحب ...... عہ

نام	رقم
جناب غیر علی خان صاحب	لعہ؍
" محمد شاہنشاہ صاحب	عہ؍
" قاضی اسد اللہ صاحب	[illegible]
" کریم بخش صاحب	[illegible]
" بابو خدا بخش صاحب	عہ؍
" فضل احمد صاحب	۸؍
" بابو کالے خان صاحب	[illegible]
" بابو اللہ بخش صاحب	[illegible]
" بابو اللہ دتا صاحب	[illegible]
" منشی جلال الدین صاحب	عہ؍
" شیخ خدا بخش صاحب	عہ
" حسین بخش صاحب	۵؍
متفرق معرفت جناب خدا بخش صاحب	۱۰؍
جناب غلام محی الدین صاحب سرگودہ	[illegible]
" فضل قادر صاحب لائل پور	[illegible]
" انوار الحق صاحب	۱۲؍
" علم دین صاحب	۱۰؍
از فاطمہ جناب شیخ محمد حسین صاحب جج غازیپور	[illegible]
جناب تفضل حسین صاحب زمیندار آسنسول	عہ؍
" مولوی محمد ظہور صاحب غازیپور	[illegible]
" شیخ نور الدین صاحب	[illegible]
" چودھری بدر الدین صاحب آرہ	۵؍
" مولوی برکت اللہ صاحب وکیل بی۔ اے ۔ ایم ۔ [illegible] بابت پارٹی غازی پور	[illegible]
" بی۔ اے احمد صاحب ... قیمت کتب	۱۰؍
" [illegible] احمد صاحب	۱۴؍
" حاجی بشیر خان صاحب غازی پور	[illegible]
جناب مظفر امام صاحب منصف غازیپور	عہ
" سب رجسٹرار صاحب بطور دعوت	عہ؍
" مرزا نظیر الدین صاحب ... پارس	[illegible]
" ولی الدین صاحب۔ خدا بخش بانکی پور	[illegible]
" حاجی عبد الرحمن صاحب	عہ؍
" سید علی صاحب	عہ؍
" مہدی علی صاحب	عہ؍
لا معلوم الاسم	عہ؍
چندہ معرفت جناب خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب وکیل بانکی پور	[illegible]
جناب خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب وکیل بانکی پور	ما؍
" مسٹر مظہر الحق صاحب بیرسٹر	ما؍
" غلام نظام الدین صاحب	[illegible]
" ابو الخیر صاحب	عہ؍
" شیخ رحیم بخش صاحب	عہ؍
" ڈاکٹر عبد الغفور صاحب	[illegible]
" جوان بخت صاحب	۵؍
" محب اللہ صاحب	۵؍
" ذکی الدین صاحب بجنور	[illegible]
" یوسف شاہ صاحب منیجر سرینگر قیمت کتب	۹؍
" غلام محمد صاحب	۹؍
" محمد قاسم صاحب الہ آباد	۱۴؍
" محمد اسحٰق صاحب	۱۲؍
" فرید الدین صاحب	۱۲؍
قیمت بابت کتب	۱۶؍
" محمد مظاہر حسین صاحب گلزار باغ پٹنہ (اپریل)	[illegible]
" ثناء اللہ صاحب ... قیمت کتب	۱۴؍

[illegible]

جناب امیر حسن صاحب پٹنہ ۸ر

" مولوی محمد یعقوب صاحب ؎ر

" خواجہ بشیر الدین صاحب عہ ر

. . . .

جناب حبیب النبی صاحب کلکتہ - ؎ ۱۴ر

جناب محمد شفیع صاحب قانونگو بذریعہ محمد زکریا صاحب صہ ر

مسٹر تاج الدین صاحب ڈپٹی کلکٹر صہ

جناب محمد اصغر صاحب وکیل کیمبل پور ؎صہ

جناب عبد الحمید صاحب پشاور ۸ر

جناب سید احمد حسین صاحب گیا عہ ۴ر

جناب خواجہ بشیر الدین صاحب عہ ر

معلوم الاسم قیمت کھال از حیدر آباد ؎صہ

جناب محمد صغیر صاحب ۶ر

جناب محمد منظور الٰہی صاحب لاہور احمدیہ بلڈنگس عہ ۶ر

بابت ام الالسنہ للعہ ۸ر

جناب سیف الرحمٰن صاحب پشاور ۶ر

جناب الف دین صاحب وکیل کمبل پور ۹ر

بنت صفدر جنگ صاحب امرت سر عہ ۷ر

محمد اسماعیل صاحب عہ ۳ر

جناب مولوی عزیز بخش صاحب ۱۴ر

" عبد الرحیم صاحب پشاور ۱۴ر

" محمد یمین صاحب مظفر گڈھ ۱۵ر

" محمد احمد صاحب کانپور عہ ۳ر

" محمد حامد اللہ صاحب دہلی ۱۴ر

" فضل الرحمٰن صاحب کانپور صہ ۱۴ر

" امتیاز علی صاحب فیض آباد ۱۴ر

جناب عبد المجید صاحب کانپور قیمت کتب عہ ۱۳ر

" ایم عبد الکریم صاحب پنڈی

" محمد ضامن علی صاحب لکھنؤ ۴ر

" مسٹر سیگو ۶ر

" نصرت علی صاحب لکھنو قیمت کتب ۱۴ر

" عبد الرؤف صاحب " ۱۵ر

" احسان اللہ صاحب بٹالہ " عہ ۱۲ر

" شمس الدین صاحب جونپور " ۱۲ر

" ولی محمد صاحب بنارس " ۱۰ر

" محمد خالق صاحب فیض آباد " ۱۴ر

" رحیم بخش صاحب " ۱۴ر

" شیخ امیر الدین صاحب " ۱۴ر

" محمد شفیع صاحب " ۱۲ر

" محمد زکریا صاحب مہاراج گنج " ۱۲ر

" نظام الدین صاحب جونپور " ۱۰ر

" عثمان احمد صاحب " ۱۲ر

" محمد حفیظ اللہ صاحب بنارس " عہ ۱۴ر

" محمد دستگیر صاحب میسور " ۱۵ر

" عزیز الدین صاحب مدراس "

" بابو عبد الرحمٰن صاحب اودنی " ۱۲ر

" محمد حسین صاحب مدراس " ۱۰ر

" محمد نصیر اللہ صاحب " ۱۴ر

" شمس الدین صاحب بنارس " ۱۵ر

" ایم ایم ڈاکٹر خان صاحب ڈھاکہ " ۴ر

" محمد یار شاہ صاحب مدراس للعہ ۱۳ر

جناب ایم حفیظ اللہ صاحب کلکتہ ۸ر

جناب عبدالقادر صاحب مسور　صہ/

" عبدالمحمود صاحب بنگال قیمت کتب　عہ

" شاہ محمد صاحب　" 　۹ عہ/

" نبیر حسن صاحب ٹمکور　للعہ

" بشیر احمد الدین صاحب احمد علیگڈھ　"　عہ/

" ایم جان صاحب ۔ پنڈی　"　۱۵/

" محمد یعقوب صاحب مرادآباد　"　۱۴/

" عبدالمجید صاحب بدو دکنگ　صہ/

" تاج الدین صاحب ڈپٹی کلکٹر ڈھوون کرنول　للعہ

جناب محمد رفعت اللہ صاحب گورکھپور　صہ

" محمد شریف صاحب قیمت کتب　۱۲/

واپسی بقم　"　۱۴/

جناب سید عبدالعزیز صاحب بنگلور　للعہ

" فضل الرحمن صاحب　"　عہ

" نور محمد صاحب ۔ کولمبو　"　۱۴ عہ

صفر خرچ از انجمن جونپور صہ از انجمن اعظم گڈھ صہ

از انجمن پرتابگڈھ صہ ۔ از انجمن فرخ آباد صہ

میزان ۔۔۔ بقلم خواجہ عبدالغنی منیجر و سیکرٹری ۔۔۔

یہ فہرست اُس امداد کی ہے جو اسلام سے درد رکھنے والے اصحاب نے اس مشن کی کی جو امداد حیدرآباد کے نیکدل اصحاب نے کی وہ اگلے صفحہ پہ درج ہے ہر دو امداد میں کثرت سے وہ رقوم ہیں جو خالص مفت اشاعت ریویو کے لیئے مجھے موصول ہوئیں ۔ میرے نزدیک نصف اور ۔۔۔ کے درمیان قیمتیں ۔۔۔ ریویو کی ہیں ۔ جیسے کہ رجسٹر آمد سے اندازہ ہوتا ہے ۔ لیکن اس سال میں نے دیگر اخراجات ۔۔۔ بڑھتے دیکھکر ہر ایک قسم کی امداد کو ایک جگہہ فہرست مندرجہ میں جمع کرا دیا ہے ۔ اور بقیہ کو قیمت خریداری رسالجات میں رکھا ہے ہاں زر امداد میں سے بعض کتب کی قیمت ڈیڑھ صد روپیہ کے قریب اور صرف اُس قدر رسالجات اردو انگریزی کی قیمت منہا کر گئے جو بعض معطی صاحبان کی خدمت میں جاتے ہیں ۔ اور جو چھ سات صد روپیہ ہوگی باقی کل کی کل آمد زر امداد میں کھلا دی ہے اور جو چودہ ہزار سے اوپر ہوتی ہے ۔ ہاں میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ اگر رسالجات کی آمد و خرچ کا حساب الگ الگ کیا جاوے ۔ اور منافع نکالا جاوے تو پھر بہ آسانی سے نظر آسکتا ہے کہ چار پانچ ہزار کے درمیان رقم اس مشن کو انگریزی اردو رسالہ کے فنڈ سے ملی ہے ۔ اور اس امر کے لیئے میں خدا تعالیٰ کا ہی لاکھ لاکھ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اُس نے مجھے ایسا کرنے کی توفیق دی اور میں نہایت عجز و الحاح سے جناب باری میں دعا کرتا ہوں کہ وہ آئندہ بھی مجھے ایسا کرنے کی توفیق دے کہ میں ان رسالجات کے منافع کو اس کام پر لگا دیا کروں اور خدا وہ دن بھی مجھ پر لادے کہ میں ان رسالجات کی ایڈیٹری کا بھی معاوضہ نہ لوں اور ان کی کل کی کل آمد اس مشن کی نذر کروں آمین

نام	رقم
مولوی مرزا فرمان علی صاحب	عہ
مولوی میر احمد علی صاحب	[illegible]
مولوی حامد حسین صاحب	عہ
ڈاکٹر عبد الحی صاحب	عہ
مولوی غلام محمد صاحب تعلقہ دار	صہ
مولوی قاسم الدین صاحب	سہ
مولوی غلام محی الدین صاحب	سہ
نواب سردار یار جنگ بہادر	[illegible]
نواب نظر جنگ بہادر	صہ
مولوی غلام قادر صاحب گرامی	عہ
مولوی سید احمد صاحب محاسب صدر	صہ
میزان للعہ بہ سکہ انگریزی	[illegible]

بہ تفصیل ذیل :- منی آرڈر [illegible]

فیس منی آرڈر [illegible]

بہ قبضہ کلب [illegible]

کلب مذکور سے اور چندہ بھی سنہ ۱۹۱۶ء میں وصول ہوا جو اس حساب سنہ ۱۹۱۵ء میں شامل نہیں کیا لیکن اس کی تفصیل بیان دیجاتی ہے۔

بار چہارم بماہ فروری سنہ ۱۹۱۶ء بہ سکہ انگریزی [illegible]

بہ تفصیل ذیل :- مولوی سید زین العابدین صاحب بلگرامی .... [illegible]

نام	رقم
مولوی میر فیض الرحمٰن صاحب بلگرامی	[illegible]
مولوی سید محمد محسن صاحب ،،	[illegible]
مولوی ابو محمد صاحب	عہ
مولوی خواجہ شجاعت اللہ صاحب	[illegible]
بجٹ از بار سوم میزان	[illegible]
جو بہ سکہ انگریزی	[illegible]
منی آرڈر	[illegible]
فیس منی آرڈر	[illegible]
بہ قبضہ کلب	[illegible]

رقم حیدر آباد میں سے صرف اُن رسالجات اردو و انگریزی کی قیمت جو بعض عطا کنندگان امداد کے نام جاتے ہیں اور اس فہرست میں بعض اصحاب کی تو قیمت رسالہ ہی ہے۔ منہا کر کے باقی کل رقم نقشہ بالا میں بمد امداد حیدر آباد دکھلادی ہے۔ عالیجناب مہاراجہ سرکرشن صاحب بہادر نے علاوہ مالی امداد مشن کے ایک بیش بہا خلعت میری ذات کے لیے بھی عطا کی۔ اللہ تعالیٰ اُن کو جزا خیر دے اعلیٰ حضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ کی طرف سے علاوہ ان اشفاق کریمانہ و مراحم خسروانہ کے جو اُنھوں نے میرے قیام حیدر آباد میں مجھ پر مبذول فرمائی۔ اُنھوں نے ایک ہزار روپیہ کلدار بطور انعام مجھے عنایت فرمایا۔ آپ نے خاص محل شاہی میں اپنے حضور میرا لکچر کرایا۔ اور لکچر سن کر اظہار خوشنودی میں دو صد روپیہ کلدار ماہواری کا منصب میرے لیئے منظور فرمایا۔ جو تاریخ لکچر سے جاری ہوا۔ اور اس کا عملدر آمد سنہ ۱۹۱۶ء میں ہوا۔ اس موقعہ پر میں خصوصاً بزرگان حیدر آباد کا خاص طور پر شکر گذار ہوں۔ مجھے وہاں کے اصحاب میں ایک خاص زندگی ایک خاص محبت اسلام ایک خاص خلوص قومی و عزم نظر آیا۔ میںنے وہاں کی بعض خواتین کو اور علاقوں کے وقف ذکر سے بہتر پایا۔ ہر ایک وضیع شریف نے میری ساتھ جو سلوک کیا اس کا اجر اللہ تعالے الٰہی ان کو دے۔ آمین ثم آمین ✣

کوئی طریق مراعات بزرگان حیدرآباد نے میرے ساتھ نہیں چھوڑا امداد کی رو سے بھی کل دیگر مسلم برادران ہند کے مقابل صرف ایک بلدہ حیدرآباد کے مسلمانوں نے نہایت دریادلی سے اس مسلم مشن کی امداد کی۔ اگر ایک اس بلدہ کے بزرگ اس طرف توجہ کرلیں تو ووکنگ مشن بہت حد تک مالی مشکلات سے بچ جاتا ہے۔

مجھے اخیر میں علی الخصوص مسز سروجنی نائڈو کا اس لیئے شکریہ ادا کرنا ہے۔ کہ آپ نے ایک غیر مسلم کی حیثیت میں میرے ساتھ ایک مسلمہ کا سا سلوک کیا۔ میرا کوئی ہی لیکچر ہوگا جس میں آپ موجود نہ تھیں۔ میرے مشن سے آپ کو از حد دلچسپی ہے۔ آپ نے اسکی مالی امداد کا بھی بوجہ احسن انتظام کیا۔ یہ آپ کی ہی تجویز تھی کہ ایک تھیٹر میں بذریعہ ٹکٹ کے میرا لیکچر ہؤا جو از حد کامیاب ہؤا۔ اس کی آمد جمع ہونے کے بعد ۱۹۱۶ء میں بذریعہ نواب خدیو جنگ بہادر مجھے ملی جو ۱۹۱۶ء کے حساب میں درج کی گئی +

حضرت مسیحؑ کا مذہب کیا تھا۔

عہد جدید میں بعض ایسی عبارتیں ہیں جن سے حضرت مسیح علیہ السلام کا مذہب صاف طور سے ظاہر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر میں یوحنا باب ۱۷ کا حوالہ پیش کرتا ہوں۔ جہاں اس مقدس معلم کے سخت اضطراب اور گہرے اندیشہ کا ذکر ہے جو آپ کو ایسے خطرناک دکھ اور مصیبت کے وارد ہونے پر لاحق ہوا۔ جناب مسیحؑ کو اپنی سلامتی کے اندیشہ سے اپنی مشن کے صحیح مفہوم کا فکر کسی طرح کم نہ تھا۔ چنانچہ دیگر انبیاء کی طرح آپ نے بھی دین کی بنیاد کو تمام چیزوں پر مقدم رکھا جب موت آپ کی آنکھوں کے سامنے پھر رہی تھی۔ اس وقت آپ کے دل و دماغ میں کس چیز کا غلبہ تھا۔ ہاں اسی دین حقہ کا جس کی اشاعت کے واسطے آپ مامور کیئے گئے تھے۔ وہ تعلیم با صداقت ہے جسے آپ نے اپنی گرفتاری کے وقت اعلان فرمایا۔" اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وے تجھ کو اکیلا سچا خدا اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں۔" ملاحظہ ہو یوحنا

کی انجیل باب ۱۷ آیت ۳ +

یہی ایک سچی تعلیم تھی اور یہی جناب مسیح علیہ السلام کا دین تھا۔ یہ آپ کو یقین تھا اور اسی کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ کہ ہمیشہ کی زندگی خدا تعالٰے کے سچے تصور کا نام ہے اور اسی سے اعمال صالح کا ظہور ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ نے "واحد سچے خدا کے علم" کو "ہمیشہ کی زندگی" سے مطابقت دی ہے۔ کیونکہ اول الذکر موخر الذکر کے لیئے لازمی ہے۔ الغرض مسئلہ توحید باریتعالٰی پر آپ نے سخت زور دیا ہے۔ ہمیشہ کی زندگی یعنی اس دنیا اور آئندہ کی راحت و آرام کی زندگی روح کی ایک آرزو ہوتی ہے۔ اور اس وقت جب جناب مسیح نے یہ سمجھا کہ اب میرا وقت قریب آ گیا تو آپ نے اپنے لوگوں کو واضح طور سے بتلا دیا کہ کس طرح ہمیشہ کی زندگی حاصل ہو سکتی ہے۔ آپ نے صاف اور متین الفاظ میں بتلایا کہ اکیلے سچے خدا پر ایمان رکھنا چاہیئے۔

اسی باب کی سترھویں آیت میں مذکور ہے "انھیں اپنی سچائی سے پاک کر۔ تیرا کلام سچائی ہے" پھر چھبیسویں آیت میں اس طرح آیا ہے " اور میں نے تیرا نام اُن پر ظاہر کیا۔ اور ظاہر کرونگا تاکہ وہ پیار جس سے تو نے مجھسے پیار کیا ہے ان میں ہو اور میں اُن میں ہوں چھٹی آیت میں بھی لکھا ہے کہ "میں نے تیرے نام کو اُن آدمیوں پر ظاہر کیا ہے" متی اور لوقا نے بھی اُسی تعلیم کو جناب مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس سوال پر کہ " اے اُستاد شرع میں بڑا حکم کون ہے" مندرجہ ذیل اہم جواب دیا گیا ہے۔

"یسوع نے اُس سے کہا خداوند کو جو تیرا خدا ہے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری سمجھ سے پیار کر۔ پہلا اور بڑا حکم یہی ہے۔ اور دوسرا اُس کے مانند ہے۔ کہ تو اپنے پڑوسی کو ایسا پیار کر جیسا آپ کو۔ انھیں دو احکام پر ساری شرع اور سب انبیا کی باتیں موقوف ہیں"۔ (متی باب ۲۲ آیت ۳۷ تا ۴۰) +

یہ تعلیم جو صاف اور پُر زور الفاظ میں پیش کی گئی ہے۔ ہمہ اقسام کے مشرکانہ خیالات اور مسئلہ تثلیث کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔ اگر ہم واحد خدا کی اپنی ساری دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری سمجھ سے عبادت کریں تو پھر کسی دوسرے معبود کی گنجائش نہیں رہتی۔ علاوہ ازیں صداقت قطعی اور دوام ہے۔ الغرض تمام انبیاء نے صداقت کے علاوہ کچھ بھی تعلیم نہیں کی۔ ایک

اس امر سے کہ جناب مسیح کی وہی تعلیمات تھیں جو دیگر انبیا نے دیں۔ آپ کی مشن کی صداقت کا ثبوت ملتا ہے۔ جو طرز دلیل آپ نے اختیار کی۔ اس سے صرف یہی ثابت کرنا مقصود نہ تھا۔ کہ جملہ انبیا کی بعثت کا مدعا توحید الٰہی تھا۔ بلکہ آپ نے یہ بھی بتلانا چاہا کہ بقول یہود آپ مکار نہ تھے بلکہ آپ ایک سچے رسول تھے۔ خدا تعالےٰ کی توحید کا اعلان کرنے کے بعد جناب مسیح نے اپنے نام کے ساتھ الفاظ "جسے تو نے بھیجا" زیادہ کئے تاکہ پیرووں کو یہ معلوم ہو کہ آپ خدا تعالیٰ کے ایک رسول تھے نہ معبود + ہندوستان میں کرشن اور رامچندر خدا مانے جاتے ہیں نہ کہ خدا کے بیٹے۔ بدھ بھی ایک معصوم ذات سمجھا جاتا ہے +

بدقسمتی سے جناب مسیح کے پیرووں نے بھی آپ کی آخری ہدایات کو ترک کر کے آپ کو معبود بنالیا اُنکے اس فعل پر آپکی روح کو کس قدر صدمہ پہنچا ہوگا۔ کیونکہ اپنے اس بات کا اعلان کرنے کے لئے کہ میں خدا کا ایک رسول ہوں۔ کس قدر تکلیفیں اور مصائب برداشت کئے۔ بہرحال جو کچھ پیرو کر رہے ہیں آپ اُس سے بری الذمہ ہیں۔ کیونکہ آپ نے اپنا کام حسن و خوبی انجام دیا۔ غالباً آپکو پہلے سے یہ گمان تھا کہ آپ کے پیرو اصلیت سے دور جا پڑیں گے کیونکہ آپ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے "جب تک کہ میں اُن کے ساتھ دنیا میں تھا۔ تب تک میں نے تیرے نام سے ان کی حفاظت کی" (یوحنا باب ۱۷ آیت ۱۲) + حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح کو خوش کرنے کا اب صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جو تعلیم آپ نے دی اُس پر ایمان قائم ہو۔ چنانچہ یوحنا باب ۱۷ آیت ۳ میں مرقوم ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سوائے اللہ کے اور کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام اسکے ایک رسول ہیں +

اسی قسم کی تعلیم حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دی یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ آنحضرت صلعم نے غلطی ہو جانے کی کوئی بھی گنجائش نہیں رکھی اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو اسلام کا جو ہر قرار دیا۔ جسے روزمرہ ایک مسلم بچہ۔ مرد۔ عورت۔ اعلیٰ ادنےٰ۔ مشرقی مغربی ورد کرتا رہتا ہے۔ اور یہ کلمہ ہمیشہ یاد دلاتا ہے کہ آنحضرت صلعم کی پرستش ہرگز نہ کی جائے۔ بلکہ آپ کو خدا تعالےٰ کا رسول سمجھنا چاہیئے اور صرف واحد خدا کی عبادت کرنی چاہیئے جس کی تعلیم صرف آنحضرت صلعم ہی نے نہیں دی بلکہ تمام انبیا نے دی +

اُجرت اشتہارات

رسالہ اشاعت اسلام کا دائرہ اشاعت ایک سال کے قلیل عرصہ کے اندر محض اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے دو ہزار سے متجاوز کر گیا ہے۔ ہمیں امید واثق ہے کہ بڑی عجلت سے اس کا دائرہ اشاعت دس ہزار ہو جاوے گا۔ مشتہرین کے لیئے اپنے اشتہار درج کرانے کا اس سے بڑھ کر نادر موقع اور کوئی نہیں ہو سکتا +

میجر رسالہ

انداز صفحہ	ایک بار	سہ ماہی	ششماہی	سالانہ
¼ چوتھائی	عہ/	عیگر/	للعہ/	للعہ
نصف	ہمگار/	صہ/	لعہ/	۱۵ صہ
پورا	للعہ/	۱۰ عہ	۱۸ صہ	۳۰ ستہ

نوٹ :- باقی امورات خط وکتابت سے طے ہو سکتے ہیں +

مُقوّیٔ اعضا ہے۔ معدہ ودیگر اعضائے رئیسہ کو تقویت دیتا ہے۔ بدن میں چستی پیدا کرتا ہے انگریزی قیمتی ادویات کے مقابل یہ کم قیمت مفرد دوائی دماغی کام کرنے والوں کے لیئے بہت مفید ثابت ہوئی ہے۔ کام کے بعد تھکاوٹ بالکل محسوس نہیں ہوتی۔ اگر اسے اکسیر البدن کہا جائے تو مبالغہ نہیں۔ تبت وگلگت کے پہاڑوں سے سلاجیت منگوا کر ست طیار کیا جاتا ہے۔ درد کمر۔ زکام ریزش کھانسی کو رفع کرتا ہے۔ چوٹ سے درد کے لیئے تو حکمی علاج ہے۔ ہر موسم میں مرد وزن۔ ضعیف بچہ بغیر کسی پرہیز کے استعمال کر سکتے ہیں۔ قیمت فی تولہ جو قریباً تین ماہ کے لیئے کافی ہے ؏

نوٹ :- قیمت واپس اگر نافع نہ ہو + ترکیب استعمال صبح یا شام دودھ کے ساتھ ایک رتی یا ڈیڑھ رتی + المشتہر کارخانہ ست سلاجیت۔ احمدیہ بلڈنگس۔ نولکھا لاہور

معاونین اشاعت اسلام توجہ فرماویں

اس جنگ کے باعث جہاں اور چیزیں گراں ہوگئی ہیں۔ وہاں کاغذ کی قیمت آگے سے ڈیوڑھی سے بھی زیادہ ہے۔ ہم حیران ہیں کہ اب کیا کریں۔ قیمت رسالہ ہم بڑھا نہیں سکتے اور جس کاغذ پر غیسو صاً پچھلے سال رسالہ چھپتا رہا ہے اس کی گنجائش نہیں۔ بہرحال ہم نے کوشش کی ہے کہ کاغذ سابق کے قریب قریب ہی لگایا جاوے۔ لیکن خطرہ یہ ہے کہ کاغذ دن بدن قیمت میں گراں ہوتا جاتا ہے۔ اور موجودہ حالات کے ماتحت گنجائش نہیں رہتی۔ ہم یہ تو نہیں چاہتے کہ رسالہ کی قیمت بڑھا دیں۔ ہاں معاونین سے درخواست ہے کہ وہ اپنے اپنے متعلقین میں اس رسالہ کی اشاعت بڑھانے کا انتظام فرماویں۔ اگر خریداری اس کی بڑھ جاوے۔ تو پھر اس کمی کاغذ کے نقص بھی آسانی سے دور ہو سکتے ہیں ٭

خرید کتب اور اشاعت اسلام کی اعانت

اشاعت اسلام بک ڈپو کی کتب آپ خرید کر صرف ایک بہترین مذہبی لٹریچر ہی حاصل نہیں کرتے۔ بلکہ آپ اشاعت اسلام کی بھی مدد کرتے ہیں۔ کیونکہ ان میں سے اکثر کتب کا منافع اشاعت اسلام پر ہی خرچ ہوتا ہے ٭

المشتہر

خواجہ عبد الغنی منیجر اشاعت اسلام۔ عزیز منزل۔ نولکھا۔ لاہور احمدیہ بلڈنگس

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولٰئک ھم المفلحون

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی) و مولوی صدر الدین (بی۔ اے۔ بی۔ ٹی)

جلد (۲) | بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء | نمبر (۷)

فہرست مضامین

ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ جون سنہ ۱۹۱۶ء

[illegible] ماہ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء کو مرزا یعقوب بیگ صاحب [illegible]

قیمت سالانہ تین روپے

نوٹ - ناظرین کرام صفحہ ۳۳۶ - اور سرورق کے صفحے ۳ و ۴ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

ضروری اطلاع

بغرض توسیع اشاعت رسالہ اسلامک ریویو انگریزی ماہواری و رسالہ اشاعت اسلام ماہواری و دیگر اغراض مسلم ووکنگ مشن۔ جناب حکیم اللہ یار خان صاحب متخلص بہ جوگی (واصل) و خلیفہ عبدالمجید صاحب کلرک دفتر رسالہ اشاعت اسلام لاہور ہماری طرف سے ایجنٹ مقرر کیئے گئے ہیں وہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں دورہ کریں گے۔ اُن کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ہر دو رسالہ جات کے خریدار پیدا کریں اور خریداروں سے قیمت وصول کریں۔ یا دیگر اغراض ووکنگ مشن کے لیئے ہر قسم کی امداد حاصل کریں۔ جو صاحب اُنھیں کسی قسم کا روپیہ دیں اُن سے رسید لیں۔ رسید بک بصورت مثنہ اُن کے پاس ہے۔ اور اُس پر میرے دستخط انگریزی میں ثبت ہیں +

خواجہ کمال الدین

ایڈیٹر اسلامک ریویو اشاعت اسلام

قابل توجہ ناظرین کرام

ہم ناظرین کرام میں سے ہر ایک کی خدمت میں فرداً فرداً مؤدبانہ عرض کرتے ہیں کہ رسالہ اشاعت اسلام کی توسیع اشاعت کی طرف خاص توجہ مبذول فرمائیں۔ اس کی اشاعت کی وسعت سے جو حسن نتائج مترتب ہونگے۔ وہ احباب پر عیاں ہیں۔ اگر رسالہ کی اشاعت آج دس ہزار ہو جائے تو رسالہ مذکور اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر بہت حد تک ووکنگ مسلم مشن کے اخراجات اعظم کا جو روز افزوں ترقی پر ہیں کفیل ہو سکتا ہے۔

ہم اُن مربیان رسالہ کے مرہون احسان ہیں جو ہمہ تن ہر وقت رسالہ کی توسیع اشاعت کو ملحوظ نظر رکھتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اُن کو اِس اسلامی خدمت کا احسن جزا عطاء فرمائے۔ ہمیں امید واثق ہے۔ کہ ہمارے رسالہ کے ناظرین کرام ہمارے ایجنٹوں کو توسیع اشاعت کے کام میں ہر قسم کی سہولت دیں گے + منیجر رسالہ

تصاویر نومسلمانان لندن۔ فی درجن ۱۰ ار + فی تصویر ۱ ار +

خواجہ عبدالغنی منیجر رسالہ اشاعت اسلام عزیز منزل۔ احمدیہ بلڈنگس۔ نولکھا۔ لاہور

Your Sincere Brother in Islam

J. H. Lovegrove Habeeb-Ullah

گیا اور اُٹھ کر مکان کے اردگرد اور اندر پھر کر آواز کا سراغ لگایا تو دیکھا کہ خود لارڈ ہیڈلے نماز تہجد میں مصروف قرآن کریم کی تلاوت کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ شرقی ممالک میں ہندو تعلیم و صحبت کی خدمت سے اسلام کی صداقت اُن کے دِل میں ایسا گہرا اثر کر چکی تھی کہ وہ دل سے مسلمان ہو چکے تھے اور مسلمان بھی ایسے پختہ کہ تہجد کی نماز بھی ادا کرتے تھے۔

درحقیقت اسلامی نماز کی سادگی اپنے اندر وہ دلکشی کا سامان رکھتی ہے کہ بڑے بڑے بھڑکدار لباسوں اور خوبصورت چہروں اور خوش آواز باجوں کے اندر بھی وہ دلکشی نہیں۔ وہ طبائع جو تصنع اور بناوٹ سے پاک ہیں۔ وہ اسلامی نماز کے سادہ منظر کو دیکھ کر ہی اسلام پر شیدا ہو جاتی ہیں تعلیمیافتہ مسلمان تو نمازوں کو ترک کر رہے ہیں۔ مگر خدا نے ان لوگوں کے دلوں میں اسلامی نماز کی محبت اور عظمت پیدا کر دی ہے جس کے نقش قدم پر جبکہ ان مسلمانوں نے نماز کو چھوڑ دیا ہے ووکنگ کی مسجد میں اُن انگریز مردوں اور خواتین کا آکر نماز میں شمولیت اختیار کرنا جنھوں نے ابھی تک اسلام کا اعلان نہیں کیا بتا رہا ہے کہ اسلامی نماز ہی آخران کو مسلمان کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ انسانی فطرت میں اپنے مالک سے تعلق پیدا کرنے کی تڑپ ہے اور اسلامی نماز درحقیقت یہی حقیقی تعلق انسان کا اللہ تعالیٰ سے پیدا کرتی ہے۔ مگر جن لوگوں نے ترک صلوٰۃ کو اپنا فیشن قرار دے لیا ہے۔ اور نماز کے پاس پھٹکنا بھی پسند نہیں کرتے۔ وہ اس حقیقت سے کیونکر آگاہ ہوں +

اس ماہ میں یعنی ماہ مئی ۱۹۱۶ء میں پانچ اور نو مسلمین کا اضافہ انگلستان کی نو مسلم جماعت میں خدا کے فضل سے ہوا یعنی مس روز کو پر جن کا اسلامی نام فرحت رکھا گیا اور ٹامس جارج بیلرڈ جنکا اسلامی نام مبارک رکھا گیا۔ ایک شخص نے عربی افریقہ سے اعلان اسلام کی فارم پر کرکے بھیجی۔ ایک صاحب ثروت خاتون مس فلپ صاحبہ نے نماز جمعہ میں جماعت کے سامنے اعلان اسلام کیا اور ایک انگریز فرزنگ وسرڈ نام سے خط و کتابت ہو کر معلوم ہوا کہ وہ پہلے سے مسلمان ہو چکے ہیں اور اب ووکنگ کے سلسلۂ اخوت اسلامی کو معلوم کرکے اُنھیں بہت خوشی ہوئی +

خاتون مس فلپ صاحبہ کے اسلام کے متعلق ووکنگ کی رپورٹ حسب ذیل مظہر ہے :۔

"اس جمعہ شریف جو ناظرین جانتے ہیں کہ لندن میں ادا ہوا ہے بہت بڑی رونق تھی مصری ہندی اور انگریزی نژاد مسلمان رونق افروز تھے اور اس اخوت اسلامیہ کے ممبروں کی معیت قلبی آمد

ازدیاد ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسا سامان کیا کہ ایک ذی وجاہت نوجوان خاتون مس فلپ صاحبہ نے خطبۂ جمعہ میں کلمۂ توحید پڑھا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کیا اور پاک اسلامی زندگی بسر کرنے کا عہد کیا۔ ان کی امامت ان کی فطری نزاکت سے تو یہ خیال ہوتا تھا کہ مجمع کے سامنے بمشکل کھڑی ہو سکیں گی۔ اور شاید دبے الفاظ تو منہ ہی منہ میں امام کے کہنے پر دہرائیں گی۔ لیکن ایمان عجب شوکت پیدا کرتا ہے۔ انھوں نے بڑے زور کے ساتھ اخلاص بھرے الفاظ میں خوبی کے ساتھ ان کلمات کو دوہرایا جن کے اقرار کے لئے راقم الحروف نے ان سے التماس کی۔

جون کے انگریزی پرچے میں یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ انگریزی ترجمۃ القرآن کا انگریزی کا حصہ قریباً پورا ہو چکا یعنی اس کے پروف وغیرہ نکل چکے ہیں۔ اب جس قدر التوا ہے وہ عربی حصہ یعنی خود قرآن کریم کے لیئے ہے جو ہندوستان میں خوشنویسوں سے لکھوایا جا رہا ہے۔ اور اس سے بلاک تیار ہو کر ولایت میں چھپے گا۔ ترجمہ کے جلدی نہ نکل سکنے میں بڑی رکاوٹ عالمگیر جنگ کی وجہ سے ہی ہے۔ بلکہ اخراجات اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ اگر پبلک کے شوق انتظار کا خیال نہ ہوتا تو اختتام جنگ تک اسے ملتوی کر دیا جاتا۔ ہر قسم کے سامان اور خود مزدوری کی اجرت بہت بڑھ گئی ہے۔ بلکہ بعض حالات میں دو چند سے بھی زیادہ ہو گئی ہے۔ علاوہ ازیں کتاب کا حجم بھی جس قدر پہلے خیال کیا گیا تھا اس سے زیادہ نکلا اور باوجود سائز کو کسی قدر بڑھا دینے کے تیرہ سو سے اُوپر صفحات کتاب کے ہو جائیں گے۔ اس صورت میں مناسب یہ سمجھا گیا کہ انڈیا پیپر ہی استعمال کیا جائے تاکہ کتاب آسانی سے ہاتھ میں آنیوالی ہو اور اس کا بڑا حجم اس کے مطالعہ میں مانع نہ ہو۔ اگر جنگ نہ ہوتی تو عمدہ عربی ٹائپ قرآن کریم کے لیئے میسّر آجاتا۔ مگر چونکہ حالات موجودہ میں عربی ٹائپ نہ مل سکا اس لیئے ماہران فن خوشنویسی کے ذریعہ سے یہ کام کرانا پڑا اور ان تحریروں کے فوٹو لیکر ان کے بلاک تیار کر لئے جائیں گے۔ اس تمام وجوہات سے اخراجات اس قدر بڑھ گئے ہیں۔ کہ اب پندرہ روپے سے کم قیمت پر کتاب فروخت نہ ہو سکے گی۔ اگر ممکن ہوا تو ہندوستان کے لیئے ایک الگ ایڈیشن نکالنے کی کوشش کی جائے گی جو کسی قدر کم قیمت پر فروخت ہو سکے۔

مسئلہ زندگانی ۳

لنگر کی حرکت اور قانون۔ گردش زمانہ پر چند الفاظ

گردش دہر نہیں گردش پرکار سے کم ٭ ختم ہوتا ہی نہیں دیکھا کبھی اس کا محیط

نیچر کے عمل میں چند واقعات ایسے بھی ہیں جو مستقل طور سے وقوع پذیر ہوتے ہیں جن کے نتائج عمومیت کا اثر رکھتے اور جو عام طور سے عاید ہوتے ہیں۔ با ایں ہمہ وجوہ اگر ان کو قوانین یا مسائل نیچر کے نام سے موسوم کیا جائے تو مناسب اور درست ہوگا ٭

اس رسالہ میں مینے ناظرین کے سامنے دو مسائل پیش کیے تھے۔ اور اب میری خواہش ہے کہ آپ تیسرے مسئلہ پر بھی غور و خوض فرمائیں جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے کسی طرح کم یا غیر اہم نہیں ہے یہ مسئلہ کیا ہے یعنی قانون مد و جزر دورِ زمانہ جس کے متعلق مینے اپنے دوسرے مضمون میں اشارہ کیا تھا۔ یہ ان چند واقعات میں سے ایک واقعہ ہے جو خود اپنی ہی مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ دورِ زمانہ میں اس کے مد و جزر کا وقوع ایک دفعہ سے زیادہ ہو چکا ہے ٭

تمدن اور علم کی ترقی اور زوال کے ساتھ ساتھ لوگوں کے تغیر و تبدل اور مذاق کے اختلاف اور زمانہ کے گذرنے کے باعث کبھی تو یہ علم حاصل ہوا۔ کبھی بھلا دیا گیا اور اب پھر تازہ ہو گیا۔ ایک صدی سے کچھ زیادہ ہوا کہ یہ علم مفقود ہو گیا یا بالکل بھلا دیا گیا تھا یا زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ بعض کے سامنے اس کے چہرے کا نقش و نگار کچھ تاریک سا نظر آیا اور اُنھوں نے یہ خیال کیا کہ یہ بہت تھوڑے واقعات پر حاوی ہے۔ لیکن موجودہ سائنس کے تجربات سے ثابت ہو گیا۔ کہ قانون دورِ زمانہ اپنے اندر عمومیت رکھتا ہے۔ اگرچہ اس کی گردش یکساں نہیں ہوتی اور واقعات بھی بہت کم ایک طرح کے ہوتے ہیں۔ مثلاً سمندر میں مد و جزر گھنٹوں میں آتے ہیں اور بعض حالات میں سالوں کا دورہ ہوتا ہے۔ مثلاً سیارگان اور آفتاب کا دورہ یا زلزلہ اور دیگر مظاہر قدرت کا دورہ۔ ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کی اب تک تفہیم نہیں ہوئی ہے۔ گویا یہ ایک عجیب کتاب ہے۔ جس کے بعض حصص ابھی مطالعہ نہیں کیئے گئے ہیں۔ اور جہاں تک ہم نے سمجھا ہوا ہے

آگین سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اس قانون کے متعلق اور کامل علم حاصل کرنا ہے۔ جس سے بعض ایسی باتیں واقع ہونگی جو سردست تاریکی میں ہیں +

زمانہ دراز گذرا کہ اس قانون کے وجود سے پروہتوں۔ نجومیوں اور طلبا کو واقفیت ہوئی۔ تاریخ دنیا کے ابتدائی زمانہ میں چین اور ہندوستان کے فلسفیوں اور مصر اور ایران کے مجوسیوں کو بھی اس کا علم ہو گیا لیکن بدقسمتی سے اُن کے علم کا بُت ساحتہ بیسویں صدی کے لوگوں کیلئے مفقود ہو گیا۔ میرا خیال ہے کہ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو اس رائے سے متفق نہیں ہونگے۔ لیکن یہ کون بتلا سکتا ہے کہ کون یا کتنا علم اُن پرانی تحریروں اور نسخوں کی بربادی سے ضائع ہو گیا۔ میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں کہ جس قدر علم جن لوگوں کو اس وقت حاصل ہوا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بعض علماء ایسے بھی ہیں جو غلط راہ پر قدم زن ہو گئے۔ اور بجائے صحیح اور درست علم کے انہوں نے ناکمل اور غلط علم کا استعمال کرنا شروع کر دیا اور یہ محض اس لیئے تاکہ ان کی اہمیت میں اضافہ ہو جائے اور وہ انبیاء کی وضع اختیار کر لیں یا یہ ظاہر کریں کہ اُن کو دیگر انسانوں سے بالاتر طاقت عطا کی گئی ہے۔ اور کم علم والے لوگوں پر چند آئندہ کی باتیں کہہ کر اپنا رنگ جمالیں اور انھوں نے اس بات کا دعوے کیا کہ ہم میں ایسی طاقت موجود ہے جس کی وجہ سے ہم مستقبل کا علم حاصل کر لیتے ہیں۔ حالانکہ فی الواقعہ وہ اس علم سے بالکل بے بہرہ تھے۔ اگرچہ انسان کی فطرت میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ اُس کے دل میں یہ تمنا ہوتی ہے کہ آئندہ کے اسرار سے کچھ بھی آگاہی ہو جائے خواہ کتنی ہی خفیف کیوں نہ ہو اور وہ یہ خیال کرتا اور کہتا ہے کہ کاش مجھے معلوم ہو جاتا جس سے یہ مراد ہے کہ اُس وسیع علم سے لامحدود فوائد حاصل ہو جاتے۔ لیکن خوب یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ زندگی بالکل یاس کے لیئے ایسی شئے نہیں ہے کہ اُس کی آرزو کی جائے۔ اس میں رنج و تکلیف کا بھی زمانہ ہے۔ جسے ہم خوشی سے بھول جاتے ہیں یا کم از کم اُسے ہم گذرا ہوا دیکھ کر شکر ادا کرتے ہیں۔ گذشتہ واقعات کا تصور دلخراش ہوتا ہے۔ لیکن آئندہ کی مصایب کا انتظار نہایت جانگداز ثابت ہوگا۔ میں اس مسئلہ سے یہاں تک متاثر ہوا ہوں کہ میرا خیال ہے کہ اگر نسلِ انسانی میں ہر ایک شخص کو ابتدائے زندگی میں یہ معلوم ہو جائے کہ میری زندگی میں فلاں فلاں مصائب پیش آنے والے ہیں یا کل خلقت کو یہ علم ہو جائے کہ ہونی نوع بشر پر یہ یہ باتیں گذرنے والی ہیں تو پھر

میرا گمان ہے کہ شاید اس دنیا میں کوئی بھی خوش و خرم نظر نہ آئے گا۔ بلکہ نسل انسانی کا کل یا بیشتر حصہ سخت مصیبت اور خوف کی حالت میں زندگی گذاریگا۔ اور بقیہ حصہ زندگی میں بذریعہ خود کشی ان تکالیف سے نجات پانے کی کوشش کرے گا۔ الغرض ارحم الراحمین خدا کی مصلحت کا یہ تقاضا تھا۔ کہ انسان کے لیئے آئندہ کی تمام باتوں کا جان لینا مناسب نہیں۔ اس لیئے اس نے اپنے فضل و کرم سے ہمارے اور مستقبل کے درمیان ایک پردہ ڈال دیا۔ اگرچہ ہمیں یہ نہیں معلوم کہ اس پردہ کے دوسری جانب کیا ہے۔ تاہم اتنا تو ضرور جانتے ہیں۔ ؎

سعی کامل سے ہو گر مہتاب کی تم کو طلب دور ہو جائیں گی اپنی مشکلات راہ سب
گر نہ پہنچو گے وہاں تک پھر بھی اتنا ہے ضرور اوڑ کے عالم سے ستاروں تک چلو گے بیقصور
گر ستاروں تک پہنچنے میں ہو ناکامی کہیں ابر تک تمکو پہنچتے ہیں تو کوئی شک نہیں

فی الحقیقت بنی نوع کی اس کمزوری کا ایک علم تھا۔ اور اس علم یا فرضی علم کی تو تعات نے زمانہ سلف کے علم ہیئت دانوں کو محض نجومی بنا دیا۔ جو کہ زمانہ حال کے رمالوں سے بڑھ کر نہیں تھے اسجگہ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ ایسے دعوے کی بنا اور جو کچھ حاصل ہوا تھا۔ اس کا کالعدم ہو جانا اس وجہ سے واقع ہوا۔ کہ یہ علم مذہبی پیشواؤں نے اپنے ہی تک محدود کر دیا تھا اور جبتک کہ عوام اس سے بے خبر تھے۔ انھوں نے اس طاقت اور دانائی کو ایک نہایت اعلےٰ پیمانہ میں ظاہر کیا۔ یہاں تک کہ خدائی درجہ کے قریب بن بیٹھے۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ چونکہ عام لوگ بھی اس علم کو حاصل کرنے لگے۔ اور ان کی اپنی حیثیت میں فرق آنے لگا۔ تو پھر انھوں نے اس کا تدارک کیا اور یہ اعلان کیا کہ کوئی شخص سوائے ان کی جماعت کے ممبر کے اس علم کو حاصل نہیں کر سکتا۔ علاوہ ازیں انھوں نے بہت سی تحریریں جو محفوظ رکھی تھیں ضائع کر دیں حالانکہ ان میں علم معلومہ کے واقعات مندرج تھے +

بہر حال ہم دیکھتے ہیں کہ لنگر اپنے انتہائی نقطۂ زوال کو پہنچ کر پھر بلندی کی طرف چڑھتا ہے۔ اور کہ علم حق کی طرح اگر بظاہر پاش پاش بھی ہو جائے تو بھی پھر ترقی کرے گا۔ اور قوانین قدرت کا مطالعہ اور اس کا فہم جیسا فی زمانہ ہو رہا ہے ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا۔ گو بناوٹی اور جعلی چیزوں کا بھی اکثر ظہور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دھوکا کھانا بھی انسان کے مرغوب خاطر معلوم ہوتا ہے۔

تاہم اسرار قدرت کا ہم صحیح علم بھی حاصل کرتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی ملونی نہیں پائی جاتی اور جو سچے طالب العلم ہیں ان کو یہ علم اپنی اصلی اور حقیقی صورت میں ملتا ہے۔

اب میں نئی تحقیقات کے وسیع میدان کو چھوڑ کر اس قانون کی چند مشہور اور سہل الفہم مثالوں پر نظر ڈالتا ہوں جو کہ ہر شخص اور ہر طالب العلم کے مشاہدہ میں برابر آتی رہتی ہیں۔ خواہ وہ اُن پر دھیان نہ دیتا ہو اور اُن سے کبھی کوئی سبق نہ حاصل کرتا ہو۔ اس جگہ میں دن رات یا روشنی تاریکی کی مثال پیش کرتا ہوں۔ غالباً یہ سب کو معلوم ہے کہ دُنیا کے تمام حصص میں اُن کی تقسیم برابر نہیں ہے بلکہ کسی کسی مقام پر گھنٹوں اور مہینوں کا بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن امن کا دور یا گردش زمانہ جو میرے مضمون کا اصلی موضوع ہے یکساں اور عام ہے۔ اور دُنیا کے زیادہ حصوں میں گھنٹوں ہی کا حساب ہوتا ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جہاں جہاں دن اور رات برابر ہوتے گئے ہیں وہاں کے لوگ زیادہ قوی۔ صحتور اور ترقی یافتہ پائے گئے ہیں۔ مستثنیات کا دایرہ بُہت محدُود ہے۔ اور اس میں لوگوں کی تعداد بھی کم ہے اور جو نتایج اِس میں پائے گئے ہیں اُن سے واضح ہوتا ہے کہ جس قدر دور زمانہ میں ترتیب اور باقاعدگی زیادہ ہے۔ اور جس قدر اس دور میں شدت اور طوالت کم ہے اسی قدر ان لوگوں کی جن کا تعلق اس دور سے ہے بہتری اور بہبُودی زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں ایک اور بات ہے اور وہ یہ ہے کہ سائنس نے ہمیں ایک ایسی چیز دی ہے جس سے ہم رات کو دن بنا سکتے ہیں یعنی روشنی کے ذریعہ سے۔ لیکن اگرچہ روشنی سائنس کے برکات میں سے ایک ہے۔ لیکن یہ بھی آمیزش سے پاک نہیں ہے اور اس کی وجہ سے قانون قدرت کے ٹوٹنے کا احتمال ہوتا ہے۔

اس کے بعد موسموں کا دور آتا ہے۔ گرمی اور سردی بالیدگی کے لیئے دن اور رات نشو و نما اور آرام۔ کمال اور زوال کے لیئے ہیں۔ یہ قانون کتنا عام اور سب پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اب میں دوسری طرف جاتا ہوں یعنی بالیدگی اور زوال کو لیتا ہوں۔ نیچر جب ایک چیز کو کمال تک پہنچا دیتی ہے تو پھر خاموش نہیں بیٹھتی۔ جب اُس کا مطلب پورا ہو جاتا ہے تو مخلوق کو پھر آرام اور بعد ازاں تنزل کی حالت میں پہنچا دیتی ہے۔ لیکن اس تنزل سے تباہی مراد نہیں کہ پتیوں کے گرنے پھولوں کے مرجھانے۔ ستاروں کے غروب ہونے کا زمانہ آتا ہے لیکن یہ

سب پھر اپنے وقت پر ظاہر ہوتے ہیں۔ جب لنگو کی حرکت دوبارہ اوپر کی طرف ترقی کرتی ہے۔ جیساکہ بارش کے بعد دھوپ نکلتی ہے۔

آپ میں الفاظ "تباہی نہیں" کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میں نے ایک مرتبہ ایک بڑے عالم فاضل اور سائنسدان کو یہ کہتے سُنا کہ "تباہی" اپنے اصلی معنوں میں غیر ممکن ہے۔ ہم کسی چیز کی شکل یا صورت کو بدل سکتے ہیں لیکن کوئی چیز بھی جو ایک مرتبہ وجود میں آگئی تباہ نہیں ہو سکتی۔ تمام چیزیں زمین سے نکلکر پھر زمین میں واپس چلی جاتی ہیں۔ اور پھر گردش کھا کر نمودار ہوتی ہیں۔ ایک باریک نکتہ ہے مگر میں اسے طول دینا نہیں چاہتا ہوں۔ اس لیئے میں اسے چھوڑ کر فقرہ "بارش کے بعد دھوپ" کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ تعجب ہے کہ ہم انگریز نیچر کی اس تقسیم پر جو دھوپ اور بارش کی صورت میں ہمیں ملتی ہے۔ کتنا چین بجبیں ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ہم ذرہ ٹھنڈے دل سے غور کریں تو ہمیں حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ کیونکہ ہم بہت ہی تنگ اور محدود نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

میں ایک قصبہ کا رہنے والا ہوں اور آج میں نے وعدہ کیا۔ کہ فلاں شہر میں جاؤں گا۔ اور اتفاق سے بارش ہونے لگی۔ اس وقت میں سخت مایوس ہو کر کہتا ہوں "کہ یہ کیا واہیات ہے۔ ہمیشہ بارش ہی ہوتی ہے۔" لیکن اسی وقت اور اسی کھیت میں جہاں میں جانے والا ہوں بارش کی سخت ضرورت ہے۔ اور کاشتکار اس بارش کے لیئے خدا کا شکریہ ادا کر رہا ہے۔ الغرض ہماری خواہشات انصاف کو بدل دیتی ہیں اور کسی شئے کا موازنہ ہمارے نقطۂ خیال سے تبدیل ہو جاتا ہے۔

نظم

ہے حدِ نگاہ جس کی محدود — ہیں خوبی و عیب اُسکے معدود
قدرت کی نگاہ لطف ہے عام — ہو چین کہ ہند یا کہ ہو شام
ہے مدِ نظر ہر اِک کی بہبود — راہ اُس کی نہیں کسی پہ مسدود
اُس ذات پہ نکتہ چینی ہیہات — ہے چھوٹی زبان اور بڑی بات

ناظرین کیا آپ کو کبھی اس بات کے سوچنے کا موقعہ ملا ہے کہ اگر ہماری خواہشات جو بجا ہوں یا بے سمجھے یا جہالت سے پیدا ہوئی ہیں پوری ہو جائیں تو پھر کیا ہو مثلاً ہم اکثر سنتے ہیں :- ۵

وہ سرزمین جہاں پہ خزاں کا نام نہیں — بجز بہار چمن اور کسی کا کام نہیں
نہ سردی اور نہ بارش نہ ابر و باد وہاں — فقط چمکتا ہے مدت سے آفتاب جہاں

ذیل میں ایک ایسی سرزمین کا بیان ہے جو ایک امریکن مصنف کی کتاب سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی تحریر کے وقت وہ اسی سرزمین میں موجود تھا۔ چنانچہ وہ تحریر کرتا ہے۔ یہاں نو ماہ تک موسم گرما رہتا ہے کیونکہ متواتر ہر روز دھوپ نکلتی ہے۔ ایک مہینے تک ہمنے خیال کیا کہ یہ تو دنیا میں ایک بہشت ہے لیکن تین ہی مہینے میں ہم سخت بیزار ہو گئے اور روز روز کی چمک سے اکتا گئے۔ اور ہمارے دلوں میں یہ تمنا ہوئی کہ ذرہ سی بارش ہو جائے تاکہ اس پیاس اور مردہ دل زمین میں تروتازگی پیدا ہو جائے اور یہانتک حالت ہوئی۔ کہ ہمنے کہا کہ ہمارے پاس جو کچھ موجود ہے ہم دینے کے لیئے تیار ہیں۔ اگر ایکدن بارش ہو جائے یہی حالت تمام بنی نوع کی ہے۔ جو چیز ہمارے پاس نہیں ہے اُس کی آرزو اور تمنا کرتے ہیں لیکن جو چیز موجود ہے اُس کی قدر نہیں کرتے۔ لیکن خدائے علیم و قدیر تمام امور سے آگاہ ہے چنانچہ اُسنے اس قانونِ گردش کو قائم کر دیا تاکہ تبدیلیاں اور تغیرات ہوتے رہیں۔ جو ہماری صحت جسمانی اور دماغی زندگی کے واسطے ضروری ہیں۔ ایک مشرقی ضرب المثل ہے کہ جس نے کبھی کڑوا پھل نہیں چکھا وہ شہد کے ذائقہ سے نفرت کریگا۔ جس شخص نے یہ لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بنظر تعمق غور کیا ہے۔ ؎

خوانِ عالم پر ہیں رنج و خوشی	ہیں مزہ دیتے بہم مل کر سبھی۔
ہے چٹنی تلخی کہیں ترشی کہیں	تھوڑی شیرینی کہیں رکھی ہوئی

مجھے امید ہے کہ ناظرین مجھے تھوڑا وقت اور دیں گے۔ اگرچہ مینے نیچر کے مدوجزر کے وجود اور حکمت کو ثابت کرنے کے لیئے بہت کافی لکھدیا ہے۔ شائد سب سے زیادہ عجیب لیکن کم غور کن مثالوں میں اب گردش بیماری کا مسئلہ ہے۔ یہ دور بیماری پہلے چند ایک مرضوں میں پایا جاتا تھا۔ لیکن اب تو تمام مرضوں میں اُس کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ ڈاکٹر رسل نے تحریر کیا ہے۔ کل بیماریوں کے تین درجے ہیں۔ (۱) پوشیدگی۔ (۲) ابھار کا درجہ (بخار)۔ (۳) زوال یا کمی کا درجہ۔ یہ مرض کو ختم کر دیتے ہیں یا بعض حالات میں کچھ عرصہ تک آخری دو درجے بدلا کرتے ہیں۔

یہ حالت دوری بیماریوں میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً تپ محرقہ۔ گرمی اور دق کے بخار میں یا زیادہ نمایاں طور پر انسان بیماریوں میں جو نوبتی ہیں۔ جیسے وہ بخار جن میں کچھ عرصہ کے لیئے وقفہ ہو جاتا ہے اور ان کا نام بھی وقت کی میعاد کی رُو سے رکھا گیا ہے۔ چنانچہ روزانہ بخار۔ تیسرے دن اور چوتھے دن کا

بخار۔ ایک عقلمند انسان جو ان کی علامتوں سے واقف ہے۔ وقفہ کے درمیان حملہ شدہ حصّوں کی مضبوط کرنے کی کوشش کرتا ہے یا ایسی دوائیں دیتا ہے جس سے جسم میں طاقت پیدا ہو کر دوسرے حملہ کو اچھی طرح برداشت کر سکے۔ پھر اسی قسم کی مثال ہمیں کام اور آرام کے وقت ملتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ ہاں ایک جھلک سی نظر آتی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیچر بھی اسی قانون کے ماتحت ہے۔ ینگ صاحب کا خیال کہ نیچر بھی کبھی تھک جاتی ہے۔ اپنے اندر ایک حقیقت رکھتا ہے۔ گو وہ اتنی صاف عیاں نہ ہوئی ہو۔ یہ ایک ایسا خیال ہے جس سے بڑے بڑے نتائج نکل سکتے ہیں۔ مگر سردست اُسے زیر بحث نہیں لایا جاتا۔ یہ ضروری اور لابدی ہے کہ انسان کو کام کے بعد آرام کا وقت ملنا چاہیئے۔ ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جسمانی یا روحانی یا دونوں صحت کا ستیاناس ہو جائیگا۔ مجھے یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ بعض ایسے بھی لوگ ہیں جو کبھی کام نہیں کرتے۔ بلکہ اُن کی زندگی میں آرام ہی آرام ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ یہ ایک غلط فہمی ہے۔ جو الفاظ کام اور آرام کے غلط مفہوم سے پیدا ہوتی ہے۔ اس قانون کا لب لباب باری باری یا تبادلہ ہے۔ اور وہی بات جو ایک حالت میں کام ہے دوسری حالت میں آرام کے نام سے موسوم ہوتی ہے۔ نیند میں سب سے زیادہ آرام کا وقت ہوتا ہے تاہم ایک شخص بہت زیادہ سو کر نیند سے تھک سکتا ہے۔ بہت سے لوگ بھی ہیں جنکی زندگی کی علت غائی صرف راحت و آرام ہے۔ اکثر اپنی راحت و خوشی کو نہایت محنت اور مشقت سے تلاش کرتے ہیں اور اس میں اس قدر خستہ ہو جاتے ہیں کہ کسی دستکار کو بھی اس قدر تکان نہیں ہوتا لیکن آخر میں وہ خسارہ اور نقصان اُٹھاتے ہیں۔ ؎

ہر شب تار و روز روشن باد — ہمکو دیتی ہے ایک پند سعد
ہر خوشی رنج سے بدلتی ہے — ابر رحمت کے ساتھ ساتھ ہے رعد

تمام مثالوں میں سے محنت اور آرام کی مثال ایسی دی ہے جو نیچر اپنے نہایت سادہ الفاظ میں ہمیں سکھلاتی ہے۔ دن اور روشنی کام اور محنت کے لیئے۔ رات اور تاریکی سونے اور آرام کرنے کے لیئے ہے۔ ڈان کیوہوٹ نے نیند کے متعلق اس طرح لکھا ہے۔ بیحد برکات اس پر نازل ہوں جس نے پہلے نیند کی ایجاد کی۔ نیند مثل لبادہ کے انسان کو تمام طرف سے ڈھانک دیتی ہے بھوکے کے لیئے گوشت پیاسے کے واسطے پانی سردی میں اکڑے ہونے کے لیئے گرمی اور

گرمی میں جھلسے ہوئے کے لیئے ٹھنڈک ہے۔ کوئی شخص عرصہ تک اچھی طرح کام نہیں کرسکتا۔ تا وقتیکہ اچھی طرح آرام نہ کرلے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ایک کے لیئے ایک ہی مقدار چاہیئے۔ بعض ایسے ہیں کہ جنھیں ۲۴ گھنٹے میں صرف ۵ گھنٹہ کافی ہے۔ لیکن بعض ایسے ہیں جن کو ۹ گھنٹے سونے کی ضرورت ہے۔ لیکن ۷ گھنٹے اوسط ہے۔ اور عام طور سے لوگ اسی پر کاربند ہیں۔ آوڈلے بھی اپنی کتاب میں نیند کو یوں طرح مخاطب کیا ہے۔ اے نیند تو سب چیزوں سے زیادہ آرام بخش ہے پیاری نیند تو سب دیوی دیوتاؤں سے حلیم اور شریف ہے تو قلب کو سکون اور اطمینان بخشتی ہے اور تمام قسم کے تفکرات کو دور کردیتی ہے۔ جو لوگ محنت کرکے چور ہوجاتے ہیں اُن کو تقویت دیتی ہے اور پھر کام کے قابل کردیتی ہے +

"پھر کام کے قابل کردیتی ہے" یہ ایک عجیب اور عمدہ خیال ہے۔ اکثر واقعات اس قسم کے سُننے میں آتے ہیں۔ کہ فلاں شخص محنت شاقہ کی وجہ سے بیکار ہوگیا یا مرگیا۔ یا یوں کہنا چاہیئے کہ عدم آرام کی وجہ سے ایسا ہوا۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ کوئی شخص ایک کام محنت سے کرے اور نیچر کے قانون کی پابندی بھی کرے۔ یعنی آرام بھی کرلیا کرے تو پھر اس میں فائدہ ہے لیکن اگر وہ برابر کام کرتا چلا جائے اور نیچر کے لنگر کی حرکت کا مقابلہ کر بیٹھے تو انجام کار اُس کو نقصان اور خسارہ اٹھانا پڑے گا نہ اس لیئے کہ اس نے حد سے زیادہ کام کیا بلکہ اس لیئے کہ اُس نے نیچر کے قانون کی خلاف ورزی کی ہے۔ آپ کہہ سکتے اور میں بھی مانتا ہوں کہ بعض اوقات ایسی مجبوری ہوجاتی ہے کہ آرام کرنا حرام ہوجاتا ہے۔ ہاں نیچر مستقل تو ہے لیکن سخت نہیں ہے۔ وہ ایک مہربان مہاجن کی طرح ہے۔ جو کہ زیادہ روپیہ لینے کی اجازت کبھی دیدیتا ہے۔ لیکن یہ بہت ہی محدود رعایت ہے۔ تھکاوٹ ایک حد تک نقصان نہیں کرتی۔ لیکن حد سے زیادہ گذرنے سے ضرور نقصان پہنچتے ہیں تھکاوٹ اگر بہت زیادہ ہوجائے تو پھر لاعلاج ہوتی ہے۔ بظاہر تو ہم تندرست نظر آنے لگتے ہیں لیکن فی الحقیقت ایک کمزوری باقی رہجاتی ہے۔ جو زیادہ محنت کرنے سے بھر بڑھ کر نقصان کرتی ہے۔ انسان یا گھوڑے کا معلم اس بات کو خوب جانتا ہے وہ وہ آپ کو بتلائے گا کہ صرف کسی انسان یا جانور کو سدھارنا ہی اس کا کام نہیں ہے۔ بلکہ نگاہ نیاز ہمیشہ اس بات پر نگاہ رکھنا ہے کہ کس وقت کام سے ٹھہر جانا چاہیئے تاکہ ایسا نہ ہو کہ زیادہ کام سے نقصان ہوجائے۔ کیا آپ نے

کبھی ورزش کرنے والوں اور گھوڑوں کی نسبت نہیں سُنا ہے کہ بعض وقت وہ عجیب نادر کرتب کھلاتے تھے لیکن کبھی نامراد ہو کر پھر اُس اصلی حالت کو نہیں پہنچے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے بہت زیادہ روپیہ نکال لیا اور آخر نیچر نے ان کا دیوالہ نکال دیا۔

یہاں تک نیچر اور اُس کے قانون کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ پس ہم بحیثیت انسان کس طرح ان امور کو لے کر اُسی پر عمل پیرا ہیں۔ جواب میں مَیں کہتا ہوں کہ چار قسم کے لوگ ہیں +

اوّل۔ وہ ہیں جو بباعث لاعلمی ٹھوکر کھاتے اور بعض وقت دُکھ اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں بعض وقت خوش قسمتی سے یا اتفاقیہ آگے بڑھ جاتے ہیں۔

دوسرے وہ ہیں جن کو علم ہوتا ہے۔ مگر کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ اور جب اُن پر کوئی مصیبت وارد ہوتی ہے تو یہ چاہتے ہیں کہ ہر ایک ان کی اس تکلیف میں شریک ہو۔ حالانکہ اُن کو دوسرے کے رنج اور تکلیف کا کچھ بھی خیال نہیں ہوتا۔ یہ عموماً خود غرض لوگوں کا طبقہ ہے۔ جو کہ صرف اپنی خواہش اور آرام کے طالب ہوتے ہیں۔ اُن کا مقولہ ہے کہ "بلا سے کوئی ڈوبے میں تو تیرتا ہوں" لیکن اگر وہ خود بھی ڈوبیں تو کیا اس میں کوئی ناانصافی ہوگی۔ میرے خیال میں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ وہ محض اپنے مطلب کے بندے ہیں اور دُنیا غریب اور لاچار نہیں ہوگی۔ اگر ان لوگوں کو بھی مصائب جھیلنے پڑیں

تیسرا وہ گروہ ہے جو قانون کو جان کر بھی بالارادہ اُس کا مقابلہ کرتا ہے۔ اس گروہ میں ایزاد اسوجہ سے ہو گئی ہے کہ آجکل مصنوعی طریق زندگی کا چاروں طرف زور پھیلا ہے۔ خصوصاً بڑے شہروں میں جہاں اکثر راتیں دن میں بدل جاتی ہیں۔ یعنی ارزاں روشنی ملنے کی وجہ سے راتوں کو کام یا دوسرے مشاغل ہُوا کرتے ہیں۔ حالانکہ نیچر نے رات کو اس لیئے بنایا ہے کہ کام چھوڑ کر استراحت اور آرام کیا جاوے میں نے بارہا اس بات کو بیان کیا اور پھر کہتا ہوں کہ ان تمام بیماریوں کا سبب یہی ہے کہ زیادہ تر لوگوں نے رات کو دن بنا لیا اور اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ قوانین قدرت ہماری سہولت کے مناسب حال ہو جائیں۔ بجائے اس کے ہماری سہولیت قوانین کے ماتحت ہے اور یہ وہ راہ ہے جس کا نتیجہ ہمیشہ خطرناک ہوگا۔ قوانین قدرت ہی پر چلنے سے ہم محفوظ رہ سکتے ہیں۔ اور اگر ہم اسکے مطابق عمل پیرا نہ ہوں تو پھر نیچر اپنا انتقام لینے پر مجبور ہوگی اور اُس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ہماری صحت اور دماغی طاقتیں خراب اور زائل ہو جائیں گی اور ہماری زندگی کم ہو جائے گی +

چوتھے وہ لوگ ہیں جو نیچر اور خدائے نیچر کو جانتے اور اس کی تعظیم بجالاتے ہیں۔ اور لنگر کی حرکت کے دور میں نتیجہ خیز کام کرتے اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وقت پر کام کرتے وقت پر کھیلتے اور وقت پر آرام کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ؎

نادان ہیں جو کہ ہیں سمجھتے ایسا | آرام نہیں ہے ترک شغلِ دُنیا
خالی نہ رہے شغل سے کوئی لمحہ | داناؤں کے نزدیک یہ ہے راحت عین

الغرض یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی کو اچھے طور سے استعمال میں لاکر خاطر خواہ فائدہ اُٹھاتے ہیں خوشی کے ساتھ محنت کرتے اور خوشی سے کام کرتے اور خوشی سے آرام بھی کرتے ہیں۔ اور جب وہ آخری بلاہٹ جو سب کے لیئے آنے والی ہے۔ اور جو تمام محنت کا خاتمہ کرنے والی ہے آجائیگی تو پھر وہ امن و آرام کی نیند سوئیں گے۔ اور خوشی کے ساتھ پھر بیدار ہونگے +

افریقہ میں اسلام

از دوستی محمد صاحب

اسلام کی اس حیرت انگیز ترقی کا راز جس نے وہاں کے عیسائیوں میں کچھ عرصہ ہوا ایک کھلبلی سی پیدا کردی تھی اور جس کا آخری نتیجہ مشہور و معروف کیکیو کی کانفرنس تھی۔ اِس دین کی سادگی میں اور فطرت انسانی کے ساتھ مناسبت میں ہے۔ کیونکہ انسان کی فطرت اسے فوراً قبول کرنے کے لیئے تیار ہو جاتی ہے +

اُن لوگوں کا جو یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ جو کچھ اُن کے مونھ سے نکل جائے وہ اٹل ہے یہ فتوےٰ ہے کہ اسلام ایک ناقابل ترقی مذہب ہے جو صرف ادنےٰ حالت کے انسانوں کے لیئے موزوں ہے بایں یہ لوگ افریقہ میں اسلام کی ترقی کی یہی وجہ گردانتے ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہ محض ایک ڈھکوسلا ہے جو دِل کو تسلی دینے کے لیئے بنایا گیا ہے۔ اور اصل راز اسلام کی کامیابی کا یہ ہے کہ اس کی تعلیم کو انسان آسانی سے سمجھ لیتا ہے اور دوسرے مذاہب میں جو کچھ لاینحل عقدے

ہوتے ہیں ان سے یہ بکلی پاک ہے ؂

اسلامی واعظ کا طریق نہایت سادہ ہے۔ وہ ان سارے سامانوں کے بغیر جاتا ہے جن کو دوسرے مذاہب کے مشنری ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کا سارا سامان صرف ایک قرآن کریم ہے۔ وہ جب ایک گاؤں کی حدود میں پہنچتا ہے تو ایک درخت کے نیچے بیٹھ جاتا ہے اور اپنی پاک کتاب کو کھول کر اسے پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ نماز کا وقت آتا ہے تو نماز کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور جب فارغ ہوتا ہے۔ پھر قرآن کریم کی تلاوت میں مصروف ہو جاتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وہ نہ ان لوگوں کی زبان سمجھتا ہے اور نہ ہی اُس کے پاس خوراک کا سامان ہوتا ہے۔ اتنے میں ادھر اُدھر سے کوئی گاؤں کا رہنے والا آجاتا ہے۔ وہ پہلے دُور سے اس اجنبی کی حرکات کو دیکھتا ہے اور پھر گاؤں میں جا کر اطلاع دیتا ہے کہ کوئی اجنبی شخص درخت کے نیچے پڑا ہے۔ گاؤں کا نمبردار گاؤں کے بوڑھے لوگوں کو جمع کرتا ہے اور وہ سب اکٹھے ہو کر اس واعظ کے پاس آتے ہیں اور اشاروں سے اُس سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور اُس کا کیا مطلب ہے۔ وہ بھی اشاروں سے ہی جواب دیتا ہے کہ وہ خدا کا کوئی پیغام لے کر ان کے پاس آیا ہے۔ تب وہ اِس سے غذا کے متعلق دریافت کرتے ہیں اور اُس کی ضرورت کو سمجھ کر فوراً غذا کا انتظام اُس کے لئے کیا جاتا ہے۔ نمبردار اُس سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اُس کے ساتھ گاؤں کے اندر چلے۔ مگر واعظ اس بات کو نامنظور کرتا ہے ایک یا دو دن گذر جاتے ہیں۔ اور اس کو اسی طرح خوراک کا سامان پہنچتا رہتا ہے۔ تب پھر نمبردار اُس کے پاس آتا ہے اور اُس سے درخواست کرتا ہے کہ وہ گاؤں کے اندر چل کر رہے تب وہ اسے منظور کرتا ہے اور نمبردار کے احاطہ میں جا ڈیرا کرتا ہے۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ افریقہ میں ایک نمبردار کی بہت عزت کی جاتی ہے۔ وہ نہ صرف نمبردار ہی ہوتا ہے۔ بلکہ خاندان کا سردار بھی ہوتا ہے۔ اور قریباً سب افریقہ کے لوگ اِسی طرح پر رہتے ہیں۔ اس کے لوگ اس کے بچوں کی طرح ہوتے ہیں اور ہر ضروری معاملہ میں خواہ وہ خانگی امر ہو یا عامہ بہبودی سے تعلق رکھتا ہو اسکا مشورہ لیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ واعظ کی بھی نمبردار کے احاطہ میں رہنے کی وجہ سے خاص عزت ہوتی ہے۔ اور اس کے ذاتی تقدس کی وجہ سے اس کا خاص رُعب گاؤں والوں کے دلوں پر ہوتا ہے۔ اب یہ واعظ ایک طرف تو خود اس گاؤں کی زبان میں دسترس حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے

اور دوسری طرف تھوڑا تھوڑا علم زبان عربی کا نمبردار اور دوسرے لوگوں کو جو اس کے احاطہ میں رہتے ہیں دینا شروع کرتا ہے۔ اس کی توجہ اور دلسوزی کا بھی ان لوگوں پر خاص اثر ہوتا ہے۔ اور اسی لیئے وہ اس کے مذہب کی نسبت اس سے سوال کرنا شروع کرتے ہیں۔ اس وقت تک وہ بھی ان کی زبان کو اس حد تک سیکھ لیتا ہے کہ مذہب کے موٹے اور اہم اصول کو اُسکے سامنے بیان کر سکے۔ پس وُہ سب سے پہلے اُن کو کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تعلیم دیتا ہے اور اُن کو بتاتا ہے کہ اسلام کیا ہے۔ جس کا اثر ان لوگوں کے دلوں پر بہت ہوتا ہے۔ چونکہ یہ ساری تعلیم نہایت سیدھی سادی اور اقرب الی الفہم ہوتی ہے۔ نمبردار اپنے خاندان سمیت مذہب اسلام اختیار کر لیتا ہے۔ آہستہ آہستہ سارا گاؤں ہی مسلمان ہو جاتا ہے۔ اور ایک خاص جھونپڑی بنائی جاتی ہے۔ جو مسجد کا کام دیتی ہے۔ نماز کے لیئے پانچوقت اذان دی جاتی ہے۔ اور گاؤں کے لوگ پکے اور سچے مسلمان بنائے جاتے ہیں۔

افریقہ میں شاید کوئی ہی ایسا گاؤں ہوگا جو کسی نہ کسی قسم کی مشنری کوشش سے آشنا نہ ہو چکا ہو۔ اس لیئے ہر ایک افریقی عموماً اس خاص مذہب کا کچھ خاص علم رکھتا ہے۔ جس کی بجائے ایک سچا مذہب قایم کرنا اسلام کی اصلی غرض تھی۔ مگر ان پرانے عقاید کی بنا پر جو نئے عقاید کا ایک گورکھ دھندا بنا لیا گیا ہے۔ وہ غریب افریقیوں کو پریشان کر دیتا ہے۔ جیسا کہ مغرب میں بھی لوگوں کو پریشان کر کے اس گورکھ دھندے نے آخر مادہ پرستی تک پہنچا دیا ہے۔ یہ بلاوجہ فرض کر لیا گیا ہے کہ ایک افریقی غور و فکر نہیں کر سکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ وُہ اپنی بُت پرستی کو جس کے ساتھ بہت سی قیود اور پابندیاں لگی ہوئی ہیں اس مذہب پر ترجیح دیتا ہے جو انسان کے دل کو تشفی تو نہیں دیتا مگر اس کے سامنے کچھ لاینحل عقدے رکھ دیتا ہے۔ پھر اس کو عملی ثبوت بھی اس بات کا ملجاتا ہے۔ کہ سفید لوگوں کا مذہب ذو وجہین ہے۔ اور ہمیشہ اس کے وہ معنے لیئے جاتے ہیں جو یورپین کے حق میں ہوں۔ ایک طرف گورے رنگ کا تاجر ہوتا ہے جو اسی مذہب کا پیرو ہے۔ مگر وہ ہر قسم کی ناجائز کارروائیوں سے ایک افریقی کا مال لے لینا جائز سمجھتا ہے۔ دُوسری طرف گورے رنگ کا مشنری ہے جو یہ تعلیم دیتا ہے کہ تو چوری نہ کرنا۔ اور اس خدائی حکم کی فضیلت پر اپنی ساری فصاحت خرچ کر دیتا ہے۔ پھر یورپین مشنری تو تعدد ازدواج کو بُرا بتاتا ہے۔ مگر تیرے یورپین عورتوں کے معاملہ میں افریقی سے بھی بڑھ

ملتے ہیں۔ اور وہ بدقسمت اولاد جو اس قسم کی ملاوٹ سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کو افریقی اور یورپین دونوں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ پھر پادری تو یہ تعلیم دیتا ہے کہ سارے انسان خدا کی نگاہ میں یکساں ہیں مگر خدا کے گھر میں یوروپین کو پادری کے قریب جگہ ملتی ہے۔ اور افریقی کو اگر گورے آدمیوں کے خاندان میں جانے کی اجازت بھی ملے تو اُسے کہیں آخر پر بٹھایا جاتا ہے۔ مشنری کی تعلیم تو یہ ہوتی ہے کہ ایک دوسرے سے محبت کرو۔ کیونکہ ہم خدا کے آگے سب بھائی بھائی ہیں۔ مگر اس خدا کے محبت کے گھر کی چار دیواری کے اندر بھی محبت اور اخوت کا نام و نشان نظر نہیں آتا۔

اس لیئے افریقی اگر اس مذہب کو قبول کرتا ہے تو یا تو کسی ذاتی غرض کی بناء پر اور یا اس لیئے۔ کہ وہ اس کو اپنے مذہب کی اصول پوجا سے بہتر سمجھتا ہے۔ مگر اس قسم کے لوگوں کی مذہبی کشمکش کا نتیجہ یا تو یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک دھوکہ میں مبتلا رہتے ہیں۔ یا وہی ہر قسم کی اشیاء کی پوجا جو اُن کے بڑے کیا کرتے تھے اُسی میں وہ پھنسے رہتے ہیں۔ اور یہ بات ساحل کے شہروں کے بعض بڑے بڑے تعلیم یافتہ لوگوں پر صادق آتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ افریقہ میں عیسائی لوگ بہت پائے جاتے ہیں۔ مگر یہ دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جنھوں نے عیسائیت کو اپنے غلام باپوں کے یا یوروپین کے اثر سے ورثہ میں پایا جب ابھی اسلام اس ملک میں نہیں پہنچا تھا۔ اور یہ اثر مغرب اور جنوب میں نظر آتا ہے اور دوسری وہ قومیں جو تلاش روزگار میں مغرب کی طرف ساحل پر یا جنوب کی طرف کانوں پر آتی ہیں۔ ان لوگوں نے اکثر حالات میں غالب مذہب کو اختیار کر لیا ہے۔ کیونکہ یہ گورے آدمیوں کا مذہب ہے۔ اور جب وہ واپس اندرون ملک میں جاتے ہیں تو اپنے باپ دادا کے مذہبی رسم و رواج کی پابندی اختیار کرتے ہیں۔ مگر اسلام کا وعظ اس کے سرگرم واعظین کے ذریعہ سے افریقی لوگوں پر سیدھا اثر کرتا ہے۔ اور افریقی دیکھتا ہے کہ اسلامی واعظ کو نہ تو کسی مشن ہاؤس کی ضرورت ہے نہ ہی مسلمان کے دین کی مذہبی اخوت اور مساوات محض ایک قصہ ہے بلکہ یہ عملی رنگ کی مساوات ہے اور جو شخص اسلام میں داخل ہوتا ہے اس کی خانگی زندگی میں بھی کوئی ہرج پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی وہ دیکھتا ہے کہ ہر ایک نقطہ خیال سے اسلام ایک معقول مذہب ہے۔ اسلیئے یہ جلد ہی قبول کیا جاتا ہے۔ اور افریقی مسلم فوراً اپنے لکڑی کے ضنموں کو میز پر رکھ کر ایک طرف کا ہو جاتا ہے۔ اور قرآن کی تعلیم اور حکومت کو تمام معاملات میں قبول کر لیتا ہے حق تو یہ ہے کہ افریقی

مسلمان کا سادہ مذہب اپنی عظیم الشان سادگی میں ابتدائی اسلام سے بہت زیادہ قریب ہے بہ نسبت اس کے جو اسلامی دنیا کے کسی دوسرے کونہ میں پایا جاتا ہو۔ کیونکہ یہ پریشان کرنے والی تفسیروں سے پاک ہوتا ہے +

افریقی مسلمان کی یہ یکسوئی صرف اسی حدتک نہیں کہ وہ قرآن کریم کی منع کی ہوئی چیزوں سے رک جاتا ہے۔ بلکہ وہ تعلیم وغیرہ کے معاملہ میں بھی اسی کی پیروی کرتا ہے۔ بدقسمتی سے یا خوش قسمتی سے اندرون ملک کے عام افریقی مسلمان کتابی تعلیم سے بہت حدتک بے بہرہ ہوتے ہیں۔ وہ عیسائی مشن سکول سے بچتا ہے۔ کیونکہ اسلام کی ایسی محبت اس کے دل میں جاگزین ہوتی ہے کہ وہ ڈرتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے بچوں پر اس تعلیم سے اس مذہب کا کچھ اثر پڑ جائے جس کو وہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ عیسائیت سے اس لیئے بیزار نہیں ہوتا کہ یہ مسیح کا مذہب ہے۔ کیونکہ مسیح کی تو اسے سچے دل سے عظمت کرنا سکھایا جاتا ہے۔ بلکہ اس کی حقارت اور تنفر کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ پچھلے لوگوں نے مسیح کی سادہ تعلیم پر کیسے کیسے زوائد بڑھا کر اس کو اصلیت سے پھیر دیا۔ اس کو یہ بھی افسوس ہوتا ہے کہ کوئی اسلامی مدرسے اس کے قریب نہیں۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ تعلیم سے بے بہرہ رہنے کی وجہ سے اس کے بچے ان عیسائی بچوں سے دنیا کی دوڑ اور ترقی میں پیچھے رہجائیں گے۔ جن کو تعلیمی فوائد سے فائدہ اٹھانے کا بہت بڑا موقعہ حاصل ہے +

مگر اس کی اس کمی کو جو کتابی تعلیم میں اس کے لاحق حال رہتی ہے۔ اس کی راستبازی اور دیانتداری پورا کر دیتی ہے۔ کیونکہ خود یوروپین عیسائی تاجر ہزار ہا روپے کا مال بغیر ضمانت کے ایک افریقی مسلمان کو دیدیں گے۔ مگر کسی دیسی عیسائی کو ضمانت لیئے بغیر وہ ایک کوڑی کا مال بھی نہیں دیتے۔ خواہ وہ کتنا ہی مشہور ہو۔ افریقی مسلمان کا قول و قرار ایسا پختہ ہے کہ خود عیسائی بھی اس پر پورا اعتبار کر لیتے ہیں مگر افریقی عیسائی کے اعتبار کا نہ ہونا ایک ضرب المثل ہے سطحی نظر سے دیکھنے والا اس پر تعجب کریگا مگر اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ خود عیسائیوں کو اس بات پر کس قدر کم اعتبار ہے کہ انکا مذہب دیانتداری اور راستبازی کی صفات کو فوراً پیدا کر سکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ یوروپین لوگوں کی یہ طرز معاملہ افریقی عیسائیوں کے ساتھ منصفانہ نہیں۔ میں خود ایسے افریقی عیسائیوں کو ملا ہوں اور ان کے ساتھ معاملہ کیا ہے جو بڑے دیانتدار تھے۔ اور مجھے فخر ہے کہ میں انکو اپنے دوستوں میں سے

شمار کرتا ہوں۔ اس کے برخلاف میں ایسے مسلمانوں سے بھی ملا ہوں جن کی وجہ سے مجھے بہت شرمندہ ہونا پڑا ہے کیونکہ اُن کا چال چلن دیانتدارانہ نہ تھا۔ انسان آخر انسان ہے اور اچھے اور بُرے آدمی سب مذاہب میں ملتے رہیں گے۔

وہ افریقی عیسائی جن کی حالت اچھی نہیں وہ درحقیقت کسی ایسے یوروپین عیسائی کے زیر اثر رہے ہیں جس کا اپنا چلن اچھا نہیں اور افریقی چونکہ قدرتًا جلدی اثر قبول کرتا ہے۔ وہ ایک یوروپین کو اپنے سے بہت بڑا سمجھ کر اس کے بد حالات سے بھی جلدی متأثر ہو جاتا ہے۔

اسلام ایک صلح کا مذہب ہے یہ ہمیشہ اپنے آپ کو صلح کے طریق سے ہی آگے بڑھاتا رہا ہے۔ ہمارے ہاتھ میں کوئی صحیح اعداد نہیں مگر اندازہ کیا جاتا ہے کہ افریقہ میں کوئی قریبًا بیس ملین یا دو کروڑ مسلمان ہیں۔ اور یہ تعداد سال بسال بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ عیسائی مشنری اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ وہ اسلام کی قبولیت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ بہت سے ایسے افریقی عیسائی تو ہیں جنھوں نے عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا ہے۔ مگر جو افریقی مسلمان ہو گئے ہیں اُن میں سے کوئی عیسائیت کی طرف نہیں گیا۔ تخم ڈال دیا گیا ہے اور لاکھوں افریقہ کے احاطوں سے یہ آواز بلند ہوتی ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

مختلف تمدنی اور مذہبی قوانین کے ماتحت عورت کی حالت

(از مشیر حسین قدوائی)

(۱) ابتدائی تاریخ

نسل انسانی ابتدا ہی کی ترقی کی طویل تاریخ میں نسل انسانی کی افزائش اور دنیا کے تمدن میں عورت ایسا ہی ضروری جز ہے جیسا کہ مرد۔ مگر اس کو ہمیشہ ایک کم حیثیت کی مخلوق سمجھا گیا۔ یہاں تک کہ عرب کے بیابان میں ایک یتیم نے اس الٰہی ارشاد کی منادی کی (الفقرا)

الارحام یعنے عورتوں کی عزت کرو۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں لکھا ہے کہ انگریزی لفظ وومن جس کے معنے عورت ہیں۔ خود اس بات پر شاہد ہے کہ عورت کی تاریخ احتیاج اور ماتحتی کی ایک لمبی داستان ہے سب سے قدیم تاریخ جسکا ہمکو علم ہے وہ ہمیشہ کے لیئے اس واقعہ پر گواہ رہے گی کہ عورت کو ہمیشہ ماتحتی میں رکھا گیا۔ اور حقوق اور اختیارات کے معاملہ میں اُسے مرد سے کم درجہ پر سمجھا گیا۔ گبن لکھتا ہے کہ قدیم قوانین کا اصل منشا یہ تھا کہ عورتیں پر وہتوں خاوندوں یا ولیوں کی مدامی طور پر غلامی میں رہیں۔ گویا یہ جنس محض خوش کرنے اور حکم ماننے کے لیئے پیدا کی گئی تھی۔ اور اس عمر کو کبھی یہ پہنچ ہی نہیں سکتی جس میں اپنی عقل اور تجربہ سے انسان کام لے سکتا ہے ؛

رومی قانون میں عورت بالکل ماتحتی کے رنگ میں رکھی جاتی تھی۔ ایک لڑکی کی قسمت میں جبکہ اُس کا بیاہ نہ ہوا ہو وہ اپنے باپ کی زندگی میں ہمیشہ کے لیئے اس کی غلامی میں اور اُس کے مرنے کے بعد اس کے مرد رشتہ داروں یا متبنیٰ کی غلامی میں رہتی تھی۔ بیاہا جانے پر وہ اور اُس کی ساری جایداد اس کے خاوند کے قبضہ اور تصرف میں چلی جاتی تھی۔ بلکہ فی الواقع وہ خود خاوند کی جایداد کے طور پر سمجھی جاتی تھی اور اس کا اختیار اس سے بڑھ کر نہیں تھا جس قدر ایک زر خرید غلام کا۔ رومی قانون کے بعض مراحل پر ایک خاوند کو یہ حق دیا جاتا تھا۔ کہ وہ اپنی عورت کو مار ڈالے۔ اگر اُسے معلوم ہو کہ اُس نے کسی شخص کو زہر دی ہے یا کسی شخص کو شراب پلائی ہے۔ یا کسی اور کے بچہ کو لے کر اپنا متبنیٰ کر لیا ہے۔ انگریزی قانون یورپ کے دوسرے بہت سے قوانین کی طرح رومی قانون پر مبنی ہے۔ پس انگلستان کی صنف نازک کو شکر گذار ہونا چاہیئے کہ اس قسم کے سخت اور جابرانہ قوانین رومی قوانین میں سے برطانیہ کلان کے قوانین میں داخل نہیں ہوئے۔ تاہم یہ معلوم ہوگا۔ کہ انگریزی قانون نے رومی قانون کے قواعد کی کہاں تک پابندی کی ہے۔ جب ہم رومی قوانین اور رواجات کی تاریخ کو پڑھیں۔ رومی اپنی عورتوں کو یہ اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ کسی قسم کا کام سول پبلک عہدہ کے متعلق کر سکیں۔ بلکہ ایک عورت بطور گواہ بھی پیش نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ نہ کسی کو متبنیٰ کر سکتی تھی اور نہ خود متبنیٰ ہو سکتی تھی اور نہ وہ ضامن ہو سکتی تھی۔ آج سے تیس سال پیشتر کی

اپنی ایشیائی بہن کی طرح اُن کی کوئی ذاتی جائیداد اس کے خاوند سے علٰحدہ نہ تھی وہ نہ وصیت کر سکتی تھی اور نہ معاہدہ کر سکتی تھی +

مقصود اولاد حاصل کرنے کی غرض سے آگسٹس نے بیاہ کی عمر کو جس کی حد نوما نے بارہ سال کی رکھی تھی بڑھا دیا۔ قدیم زمانہ کے رواج کے مطابق خاوند اپنی منکوحہ کو اُس کے والدین سے خرید کر لاتا تھا۔ بعد عورت بھی لین میں اس طرح ملکیت حاصل کر لی تھی کہ وہ تین ناغے کے بغیر اگر ایک سال اُس کے گھر میں داخل ہوتی تھی۔ لیکن یہ شادی عورت کی جانب سے سخت اور نامساوی تھی کیونکہ اسے اپنے باپ کے گھر کے دیوتاؤں کی پوجا اور تمام رسوم ترک کرنا پڑتا تھا۔ اور ایک نئی غلامی اختیار کرنی پڑتی تھی۔ اس کا خاوند اس کے ساتھ اس طرح سلوک کرتا تھا جیسا بچوں کے ساتھ۔ بلکہ خود اُس کے اپنے بچوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا تھا وہی اُس کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ اور خاوند کو منصف کی حیثیت میں اس کو اسی قدر اختیار اپنی زوجہ پر حاصل تھا جس قدر باپ کو بیٹی پر۔ وہ اپنی مرضی سے اُس کے سلوک کو پسند کرتا یا بُرا سمجھتا یا اس کی وجہ سے اُسے سزا دیتا۔ بلکہ موت اور زندگی کے اختیارات بھی اُس کے اوپر حاصل تھے اور اُسے اجازت تھی کہ اگر وہ زنا کرے۔ بلکہ اگر صرف شراب کو چکھے یا اس کو کوٹھڑی کی چابی چرائے تو وہ اُسے جان سے مار سکتا تھا۔ وہ جو جائیداد خود حاصل کرتی اور جو کچھ ورثہ میں پاتی وہ صرف اپنے آقا اور مالک یعنی اپنے خاوند کے لیے حاصل کرتی اور عورت کو کھلے طور پر مال کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا نہ کہ ایک شخص کی حیثیت رکھنے والا۔ اس لیے اگر اس پر قبضے کا پہلا حق اپنے اندر کوئی نقص رکھتا تو دوسری جائیداد غیر منقولہ کی طرح ایک سال کے قبضہ سے اُس پر ملکیت کا دعوےٰ ہو سکتا تھا +

راقم حروف نے جب پمپائی کے ان مقامات کو دیکھا جو کھود کر نکالے گئے ہیں۔ اور وہ بیحیائی کی تصویریں گھروں کے صحنوں میں دیکھیں جو معزز اور آسودہ حال لوگوں کے رہنے کے مکانات معلوم ہوتے تھے جب اُن نے بڑے بڑے کمروں کی دیواروں پر نہایت گندی تصویروں کو دیکھا تو وہ مندرجہ ذیل کے دو نتیجوں میں سے ایک نتیجہ پر پہنچنے پر مجبور تھا۔ یا تو رومی سلطنت کی تاریخ کے اس زمانے میں عورت کو علٰحدہ رکھا جاتا تھا۔ اور وہ مکان کے اس حصہ میں داخل نہ ہو سکتی تھی جہاں مرد رہتے تھے یا مردوں کو مستورات کی حیا داری اور خیالات کی کوئی پروا نہ تھی پھر افعال قبیحہ

سکے از کاب کے لیئے مقامات کا مخصوص کیا جانا اس وقت کی رومی سوسائٹی کی تمدنی حالت پر خوب روشنی ڈالتا ہے +

گسٹا ولیبان کہتا ہے کہ روما میں خاوند کی حکومت عورت پر بالکل خود مختارانہ تھی۔ عورت کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جاتا تھا۔ جیسا غلام کے ساتھ اور خانہ داری میں اُس کا کوئی حصہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ خاوند کے سوا کسی شخص کو اختیار نہ تھا کہ اس کے چال چلن پر کوئی حرف لگائے۔ اور وہ اس کو جان سے بھی مار سکتا تھا۔ روم کی بعد کی تاریخ میں بھی اس قسم کا جبر عورتوں پر روا رکھا جاتا تھا چنانچہ ایک مصنف لکھتا ہے کہ شارلیمن کی اپنی بہن کے ساتھ کچھ بحث ہو گئی اور انجام اس کا یہ ہوا کہ اس نے اپنی بہن پر حملہ کیا۔ اُس کے سر کے بال نوچ ڈالے۔ خوب زدوکوب کی اور تین دانت بھی نکال دیئے +

تعدد ازدواج بھی کسی قدر روما میں مروج تھا۔ گو ابتدا میں اس کو عام طور پر پسند نہ کیا جاتا تھا۔ یہ امر واقع ہے کہ مارک انٹونی کی دو بیویاں تھیں اور اس وقت سے یہ رسم زیادہ پھیل گئی۔ گرد و نواح کی ریاستوں میں تعدد ازدواج کی کھلی اجازت تھی۔ رومیوں میں شادی کے لیئے باپ کی منظوری ضروری تھی۔ گو وہ پاگل بھی ہو۔ طلاق کے متعلق مختلف اوقات میں مختلف وجوہ تھیں۔ ابتدائی زمانوں میں باپ کو اختیار تھا۔ کہ وہ اپنی اولاد کو بیچ دے اور عورت بھی چونکہ بچوں میں شامل تھی اور وہ بھی بیچی جا سکتی تھی۔ اگر وہ کسی قسم کی تکلیف دے تو وہ اس پر موت کا فتوے بھی صادر کر سکتا تھا۔ یا اگر رحم کرے تو اُس کو اپنے گھر سے نکال دے۔ مگر اس بدبخت جنس کی غلامی ہمیشگی کی تھی اور وہ اس سے آزادگی حاصل نہ کر سکتی تھی۔ اگر خاوند خود ہی اپنی آسائش کے لیئے طلاق کے حق کو نہ برتتے۔ یہ عورت کی وہ تاریخ ہے جیسا کہ گبن اور دوسرے مصنفوں نے دی ہے جو پرانے زمانے کی ایک نہایت ہی مہذب اور شاندار سلطنت میں پائی جاتی ہے۔ اور جس سے اس زمانے میں یورپ نے بہت سے رواجات اور قوانین کو لیا ہے۔ اور اس لیئے یورپ اُس کو فخر بھی ہے +

عورت کی حالت قدیم زمانے کی دوسری مہذب قوموں اور ممالک میں اس سے بہتر نہ تھی جیسا کہ روما میں تھی۔ سپارٹا میں لڑکیاں اور ایسی عورتیں جن سے یہ امید نہ ہو کہ وہ تندرست اولاد پیدا

کر سکیں گی مانڈ الی جاتی تھیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عورتوں کی نسبت مردوں سے بہت کم ہو گئی
اور ایک ایک عورت کے کئی کئی خاوند تھے۔ ایک آدمی کا اپنی عورت دوسرے کو بطور عاریت
اچھی نسل حاصل کرنے کے لیئے دیدینا بھی مروّج تھا۔ قدیم ایتھنز کے رہنے والوں میں عورت
کو محض ایک جائداد کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ جو ایک مرد سے منتقل ہو کر دوسرے کے پاس جا سکتی
تھی۔ بذریعہ وصیت بھی اس کو مال متروکہ کی طرح دوسروں کے تصرف کے لیئے چھوڑا جا سکتا
تھا۔ وہ مہذب قوم عورت کو ایک خطرہ یا بدی کی قسم سے سمجھتے تھے۔ یونانی تہذیب جب اپنے
معراج پر تھی تو اس وقت بھی سوائے بازاری عورتوں کے اور کسی عورت کی عزت نہ کی جاتی تھی
اس لیئے اگر کوئی تعلیم یا تہذیب پائی جاتی تھی تو صرف بازاری عورتوں میں پائی جاتی تھی یہاں
میں یہ اجازت تھی کہ ایک مرد جتنی عورتیں چاہے رکھے۔ پروفیسر وسٹر مارک کہتا ہے۔ کہ
یونان میں مرد عورت کی پیدائش کی غرض صرف اسی قدر سمجھتے تھے کہ وہ ان کو خوش کرے یا انکے
بچوں کی ماں بنے یہ بھی عام خیال تھا۔ کہ عورت زیادہ شریر ہے اور حسد میں برا بولنے میں ضد میں
مرد سے بڑھ کر ہے۔ افلاطون نے عورتوں کو بچوں اور نوکروں کے ساتھ شمار کیا ہے اور اس کا
بیان ہے کہ ہر ایک پیشہ میں عورتیں مردوں سے بہت کم درجہ پر ہیں۔ ایک اور مصنف لکھتا ہے
کہ عورتیں نیک کاموں کے کرنے کے بالکل ناقابل ہیں۔ لیکن ہر ایک قسم کی بدی کی تجویز کرنے
میں بڑی ماہر ہیں۔ ایران میں جو اس ملک سے بہت قریب ہے۔ جہاں سے عورت کو اپنی آزادی
کے اعلےٰ سے اعلےٰ حقوق ملے اور جہاں سے اس کی عزت اور ادب قائم ہوئے۔ مرد عموماً عیاش
تھے۔ اور ان کے نزدیک عورت کی غرض صرف اسی قدر تھی کہ ان کی گری ہوئی شہوات کے
پورا کرنے کا ذریعہ ہو۔ ہر ایک دولتمند اپنے گھر میں ایک بڑی تعداد عورتوں کی رکھتا تھا۔ اور
عیسائیت کی چھٹی صدی میں مزدک نے یہ قانون بنایا۔ کہ عورت کو بالکل دوسری جائداد کی
طرح سمجھنا چاہیئے۔ وہ اپنے آپ کو زردشت کے مذہب کا مصلح ظاہر کرتا تھا۔ اور دو خداؤں
کے عقیدے کو اس نے بہت پھیلایا۔ اس کی تعلیم تھی کہ اعمال کی کوئی ضرورت انسان کو
نہیں سب لوگ مرتبہ میں یکساں ہیں۔ اور جائداد اور عورتیں سب کا مال مشترکہ ہے اور قریبی سے
قریبی رشتہ داروں میں شادی ہو سکتی ہے۔

قدیم مصر اور بابل کے تمدنی قوانین اور رواجات کے متعلق ہمکو بہت علم نہیں لیکن تھوڑا علم جو ہم کو حاصل ہے اس سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی عورت کی عزت کا مقام نہ دیا گیا تھا چنانچہ امیر علی لکھتا ہے کہ تھریس اور لیڈیا وغیرہ کی رہنے والی قوموں میں جو یورپ اور مغربی ایشیا کے مختلف مقامات پر آباد تھیں۔ بہت سی شادیاں کرنا ایسی افراط کی حد تک پہنچا ہوا تھا کہ دوسری قوموں میں یہ رواج اس کے بالمقابل گویا بہت ہی خفیف تھا +

ہندوؤں کے قوانین اور رواج عورت کے حق میں بہت ہی نقصان رسان تھے۔ وہ عورت بہت کم درجے پر سمجھی جاتی تھی۔ ان کا بڑا قانون بنانے والا منو کہتا ہے کہ دن اور رات عورت کو اُس کی حفاظت کرنے والوں کی ماتحتی کی حالت میں رکھنا چاہیئے۔ کہ عورت جب بچہ ہو تو اپنے باپ کی ماتحتی میں رہے۔ بیاہی جائے تو خاوند کی ماتحتی میں۔ اور اُس کے بعد اپنے بیٹوں کی ماتحتی میں۔ اگر بیٹے کوئی نہ ہوں۔ تو اپنے مرد رشتہ داروں کی ماتحتی میں کیونکہ کوئی عورت ایسی نہیں جو اس قابل ہو کہ وہ مرد کی ماتحتی سے الگ رہے۔ پھر وہ لکھتا ہے کہ عورتیں اپنے بستروں سے اور زیورات سے محبت رکھتی ہیں۔ اُن کی خواہشات بہت گری ہوئی ہوتی ہیں۔ اُن کا مزاج بہت بُرا ہوتا ہے۔ وہ کمزور اور غیر مستقل مزاج ہوتی ہیں۔ اور کبھی راستی پر قائم نہیں رہتی ہیں۔ پس اُن کو ہمیشہ ماتحتی اور تصرف کے نیچے رکھنا چاہیئے۔ ہر قسم کی بدشگنی۔ طوفان۔ موت دوزخ۔ قید خانہ۔ سانپ غرض کوئی چیز ایسی خوفناک نہیں جیسی کہ عورت۔ یہ سچ ہے کہ کچھ وقت کے بعد جائداد میں اپنی زندگی کے لیئے اُن کو تصرف کا اختیار دیا گیا تھا۔ اسی رواج کی رو سے جس کا نام ستری دھن ہے۔ لیکن ستی کی رسم کی وجہ سے یہ حق ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا تھا بیوہ اپنے خاوند کی لاش کے ساتھ زندہ جلا دی جاتی تھی۔ اور یہ خوفناک رسم اس مقام کی جو عورت کو ہندوؤں کی خانہ داری میں دیا گیا۔ نہایت ہی تاریک تصویر پیش کرتی ہے۔ بعض اوقات ایک عورت ایک ہی وقت میں کئی بھائیوں کی بیوی بنا دی جاتی تھی۔ بعض وقت قمار بازی میں اسے ہار دیا جاتا تھا۔ آج تک بھی ہندوؤں کے اندر تعدد ازدواج کی کوئی حد بندی نہیں۔ نہ کوئی بیوہ کسی بیٹے کو متبنےٰ کر سکتی ہے جب تک کہ اُس کے خاوند نے اس کو ایسا کرنے کی اجازت نہ دی ہو۔ جائداد کے انتقال کرنے کا اُس کو کوئی اختیار نہیں۔ چار یا پانچ سال کی ہو تو اُسے

بغیر اس کی مرضی کے بیاہ دیا جاتا ہے۔ دوسری مرتبہ شادی کی اجازت نہیں۔ ایک دفعہ بیاہی جا کر طلاق نہیں حاصل کر سکتی۔ باپ کو اجازت نہیں کہ وہ اپنی لڑکی کے گھر کا کھانا بھی کھائے وغیرہ۔
چین کے دانشمندوں نے خاوندوں کے فائدہ کے لئے یہ کھلی نصیحت ان الفاظ میں کی ہے۔ کہ اپنی عورت کے مشورہ کو سن لو مگر کام اُس کے خلاف کرو۔ روس کے قدیم بزرگوں کا قول ہے کہ دس عورتوں میں صرف ایک رُوح ہے۔ ہسپانیہ والے کہتے ہیں کہ ہمیں اپنے آپ کو شریر عورتوں سے بچانا چاہیئے۔ اور کسی خوبصورت عورت پر فریفتہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اٹلی والے اس سے ایک قدم آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح گھوڑے کو خواہ وہ اچھا ہو یا بُرا مہمیز کی ضرورت ہے۔ اسی طرح عورت کو خواہ وہ اچھی ہو یا بُری زدوکوب کی ضرورت ہے۔ جاپان میں عورتوں کو پُرانے وقت میں یہ اجازت نہ تھی کہ وہ نمازوں یا کسی دوسری مذہبی عبادت میں شامل ہوں۔ چین میں اُن کو اجازت نہ تھی کہ وہ مندروں میں جائیں۔ ہندوستان میں وہ دیوتاؤں کو چھو بھی نہ سکتی تھیں +

عربوں کی اپنی یہ حالت تھی کہ اس عظیم الشان مصلح کے پیدا ہونے سے پہلے وہ عورتوں سے دوسری قوموں سے بھی بدتر سلوک کرتے تھے۔ وہ اپنی لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے یا لڑکی کا پیدا ہونا ایک بدشگون سمجھا جاتا تھا۔ خاوند کی وفات کے بعد عورت کی وہی حالت ہوتی تھی جو اُس کی دوسری جائیداد کی۔ اور بعض وقت خود بیٹے اُس کو بطور ورثہ عورت بنا لیتے تھے۔ معصوم لڑکیاں بتوں پر بطور قربانی چڑھائی جاتی تھیں۔ یتیم لڑکیوں کو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ اپنے ولیوں سے شادی کریں۔ تعدد ازدواج کی کوئی حد بندی نہ تھی۔ ابن خلدون کہتا ہے کہ بعض قبیلوں میں ایک عورت ایک سے زیادہ خاوند بھی رکھ سکتی تھی۔ مؤرخین عرب کی شہادت پر یہ بھی کہا گیا ہے کہ عرب جاہلیت مدت سے اس وحشیانہ رسم پر عامل تھے کہ اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیں۔ تاکہ اُن کو ان کے لیئے رزق مہیا کرنے کی تکلیف نہ اُٹھانی پڑے۔ یا ایسا نہ ہو کہ کسی جنگ میں قید ہو کر وہ اُن کے لیئے موجب ذلت بنیں۔ یا اپنے چال چلن کی خرابی سے بدنامی کا موجب ہوں۔ اس لیئے لڑکی کی پیدائش بڑی بدنصیبی خیال کی جاتی تھی۔ اور لڑکی کی موت پر خوشی منائی جاتی تھی +

صرف عرب میں ہی دختر کشی کی رسم جاری نہ تھی۔ جاپان۔ چین۔ ہندوستان میں خود والدین بچوں کو مار ڈالتے تھے سلائی سرگس کے قانون کے مطابق یہ اجازت نہ تھی کہ بغیر پبلک افسروں کی رضامندی کے کسی بچے کی پرورش کی جائے۔ لیکن ایام جاہلیت کے عرب اپنی لڑکیوں کو بڑے ظالمانہ طریقوں سے ہلاک کر دیتے تھے جب کسی عرب کے گھر میں کوئی بیٹی پیدا ہوتی تو اگر اس کا ارادہ ہوتا کہ اس کی پرورش کرے تو وہ اسے ایک اون کے کپڑے میں لپیٹ کر جنگل میں اونٹوں یا بھیڑوں کی حفاظت کے لیئے بھیج دیتا لیکن اگر وہ اُسے مارنا چاہتا تو اُسے چھ سال تک معمولی طور پر نشو و نما پالنے دیتا اور پھر اُس کی ماں کو کہتا کہ اس کو خوشبو لگا دو اور بنا سنوار کر دو تاکہ میں اسے اس کی ماؤں کے پاس لے جاؤں۔ اور جب اُس کی زینت وغیرہ ہو جاتی۔ تو اس کا باپ اُس کو ایک گڑھے کے پاس لیجاتا جو اس غرض کے واسطے پہلے سے کھودا گیا ہوتا۔ اور اس کو یہ کہکر کہ گڑھے کے اندر دیکھے پیچھے سے دھکیل دیتا۔ اور پھر گڑھے کو مٹی سے بھر کر زمین کے برابر کر دیتا۔

غرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے ساری دُنیا میں عورت کے ساتھ بدسلوکی ہوتی تھی۔ اور قریباً سب کے سب تمدنی قوانین اس کے خلاف تھے (باقی آئندہ)

پادریوں کی غلط بیانیاں

(از لارڈ ہیڈلے)

مارچ کے اخیر مجھے ایک لیڈی کی چھٹی ملی جس نے مشرق میں سفر کیا ہے اور مسلمانوں کے متعلق جن سے وہ ملی ہے کچھ رائے لگائی ہے۔ وہ لکھتی ہے:۔

۱۸ مارچ ۱۹۱۶ء جناب من۔ کل کے ڈیلی گرافک میں "ایک مسلم یادگار" کے عنوان سے آپکی چھٹی پڑھ کر میں نے محسوس کیا ہے کہ آپ بڑی خطرناک زمین پر چل رہے ہیں۔ اور بہت سے کاہل اور بے خبر انگریزوں کے لیئے ایک دام بچھا رہے ہیں میں کچھ وقت مشرق میں رہی ہوں اور خوب سمجھتی ہوں کہ مذہب اسلام انگریزوں کو کیوں پسند آتا ہے جن کو عیسائی ہونے کی حیثیت میں صرف ایک ہی بی بی سے شادی کرنے کی اجازت ہے۔ میں سُنتی ہوں کہ آپ بھی مذہب اسلام

کے پیرو ہیں۔ کیا میں دریافت کر سکتی ہوں کہ آپ اس سچّے اصلی مذہب کے پیرو کیوں نہیں جو ہمکو خدا کے اکلوتے بیٹے نے دیا۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس میں اس قدر نیو مذہب کہ آجکل کے انگریز اس سے خوش نہیں ہو سکتے۔ میں مشرق سے گھر کو واپس آتی ہوئی۔ آپ کے بعض ہم عقیدہ لوگوں سے ملی ہوں اور بعض ان میں سے ایسے جاہل مطلق تھے کہ وہ سمجھتے تھے کہ مذہب اسلام عیسائی مذہب سے پہلے کا ہے بیشک مشرق میں رہتے ہوئے لوگوں کو اس مذہب کا اپیل کرنا آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے +

میں تعجب کرتی ہوں۔ جب میں آپ جیسے آدمیوں کو دیکھتی ہوں کیا کبھی آپ نے ہماری کتاب مقدس کو بھی پڑھا ہے۔ مسیح کا حکم ہمارے لیئے یہ تھا۔ کہ کتب مقدسہ کو تلاش کرو (اس سے مراد پرانا عہد نامہ تھا) کیونکہ تم خیال کرتے ہو کہ ان میں ابدی زندگی ہے۔ اور یہی وہ کتابیں ہیں جو میری شہادت دیتی ہیں۔ کیا آپ نے کبھی ان کتب مقدسہ کو تلاش کیا؟ اگر کیا ہے تو میں یقین رکھتی ہوں کہ آپنے رُوح کی آنکھ کو بند کر کے ایسا کیا ہے۔ رُوح کی چیزوں کو صرف رُوح ہی معلوم کر سکتی ہے"

اس لیڈی نے اس کے بعد بھی مجھے خط لکھا ہے اور گو اُس نے کتب مقدسہ سے میری ناواقفیت کے متعلق اپنے بیان کی ترمیم کی ہے۔ تاہم وہ اس خیال پر بہت مضبوط ہے کہ مذہب اسلام کے لیئے بڑی کشش کا موجب تعدد ازدواج کا مسئلہ ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ وُہ اب تک اس بات کو محسوس نہیں کر سکی کہ خدا کی توحید کا عظیم الشان مسئلہ اس کے تمام عقائد سے بہت پُرانا ہے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت میں ہم ان سادی تعلیمات کو قبول کرتے ہیں۔ جو ہم کو بہت سے قدیم ذرائع کی وساطت سے پہنچی ہیں۔ آدمؑ۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ اور مسیحؑ سب اپنے اپنے زمانہ میں وُہ خدا کے پیغام لائے۔ جو ہم تک پہنچے ہیں اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ نبی عربی حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سب سے آخری پیغام لائے۔ اور آپ نے اپنی ساری طاقت نسل انسانی کی قوتوں کی بہتری کے لیئے اور بت پرستی کو مٹانے کے لیئے خرچ کی۔ آپ کی تعلیم نہایت سادہ تھی۔ آپ کی فیاضی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اور آپکا نمونہ نہایت اعلےٰ درجہ کا تھا۔ پھر یہ لیڈی اپنی آخری چٹھی میں لکھتی ہے۔

"میں خیال کرتی ہوں کہ کوئی ملک دُنیا میں اپنی عورتوں کی ایسی عزت اور ادب نہیں کرتا جیسا کہ ہم انگلستان میں کرتے ہیں۔ اور یہ ہمارے لیئے بہت ہی افسوس کا دن ہوگا۔ اگر ہم اس اعلےٰ حالت سے گر جائیں گے۔ آپ کا پیغمبر اپنے لیئے خود قوانین بنا سکتا تھا۔ یعنی جو چاہتا تھا کرتا تھا۔ اور

یہ ماننا پڑتا ہے کہ گو اس بات کے تسلیم کرنے میں تو ہمیں تامل نہیں کہ وُہ بہت سے ان لوگوں سے جو اُس کے ارد گرد تھے۔ بڑھ کر تھے۔ مگر اُنھوں نے عصمت کے اصُول کی تعلیم نہیں دی۔ اسکے خلاف یہ مجھے صاف نظر آتا ہے۔ کہ وُہ اپنی خواہشات کو پُوری کرنے والا تھا۔ اور میرا مذہب یہ ہی کہ صرف قربانی ہی سے ثمرہ حاصل ہوتا ہے"

اس تمام تحریر میں لکھنے والی نے نہ اسبات کو مدنظر رکھا ہے کہ عرب کو آپ نے کس حالت میں پایا اور نہ اس کو کہ آپ کے روحانی اثر سے کیسا انقلاب عظیم اُن لوگوں کی حالت پر آیا۔ اور اس امر واقعہ کو تو بالکل دبا دیا گیا ہے کہ آپ نے عورت کی حالت میں کس قدر ترقی کی بُنیاد رکھی۔ مَیں پسند نہیں کرتا کہ یہ کہوں کہ یہ غلط فہمی نہیں بلکہ عمداً ایک غلط فہمی پھیلانے کی کوشش ہے۔ مَیں یہ کہوں گا۔ کہ اس تحریر کے لکھنے والی ان زنجیروں سے نکلنے کے ناقابل ہیں جن میں اُن کی عقل بہت لمبے عرصہ کی مشنری غلط بیانیوں سے جکڑی گئی ہے۔ مَیں آیندہ کسی مضمون میں اس خط کے بعض بیانات پر کچھ لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اور نیز یہ بھی میرا ارادہ ہے کہ گذشتہ جنوری میں جو مضمون اخبار کرسچین میں بعنوان "پرشیا نزم اور اسلام" (یعنی موجودہ جرمن خیالات اور اسلام) نکلا ہے اس پر بھی کچھ بحث کروں۔ یہ مضمون اس وقت بڑی دلچسپی کا موجب ہے کیونکہ اس میں تاریخ اسلام پر صلیبی جنگوں کے حالات پر۔ برلن کی لامذہبی پر جرمن قلب پر اور لوتھر کے پیغاموں پر قابل نوٹ طریق میں ذکر کیا گیا ہے +

ہمیں حیرت ہے کہ اس تہذیب کے زمانہ میں ایک عورت ہو کر کس قدر گستاخی سے مقتدیین کے سردار پر ناپاک حملے کیئے گئے ہیں عصمت کی تعلیم اگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نہیں دی تو کیوں مسلمانوں کے اندر عورت کی عصمت کو اس کا سب سے اعلےٰ جوہر اور سب سے بڑا وصف سمجھا جاتا ہے۔ اور اگر مسیح کی تعلیم میں عصمت پر کوئی خاص زور دیا گیا ہے جس کا پتہ ہمیں کم از کم انجیل سے تو ملتا نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ آج روئے زمین کی ساری عیسائی قوموں میں عصمت کو عورت کا اعلےٰ سے اعلےٰ جوہر تسلیم نہیں کیا جاتا۔ کچھ مدت کا ذکر ہے کہ ایک عیسائی اخبار نے اپنے قارئین سے یہ سوال کیا تھا۔ کہ عورت کا اعلےٰ سے اعلےٰ جوہر کیا ہے تو عصمت کا جوہر بلحاظ تعداد جواب دینے والوں کے پانچویں یا چھٹے نمبر پر تسلیم کیا گیا تھا۔

پھر کیا مشنری لیڈی صاحبہ کو اپنے گھر کا علم نہیں کہ اکثر عیسائی ممالک میں کس قدر نا بیاہی عورتوں کی وجہ سے بدکاری پھیل رہی ہے۔ حالانکہ اسلامی ممالک میں اس قسم کا پیشہ سُننے میں نہیں آتا۔ ایسا ہی جو کثرت ناجائز تعلقات مرد و عورت کی اور جو کثرت ولدالحرام بچوں کی بعض عیسائی ممالک میں پائی جاتی ہے۔ اس کے سامنے اسلامی ممالک بہت حد تک پاک وصاف ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طبیب حاذق کی طرح جو بیماری کو سمجھتا اور اُس کی دوا کو جانتا ہے۔ ہر قسم کی اخلاقی اور روحانی امراض کا علاج کیا اور جو دوائی جس بیماری کے لیئے موزون تھی وُہ تجویز فرمائی۔ چند فرضی دل خوش کُن فقروں سے لوگوں کو خوش کرکے اصل بیماریوں کی طرف سے غافل کرنا نہیں چاہا۔ یہی وجہ ہے کہ اور کچھ بھی مسلمانوں پر الزام ہو کہ وُہ اپنی عورتوں کو تعلیم نہیں دیتے۔ حالانکہ اسکے لیئے بھی مذہب اسلام ذمّہ دار نہیں جس کا صاف حکم ہے کہ طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة۔ لیکن تمام اسلامی ممالک میں عورت کی عصمت کی جو عزت ہے۔ وُہ غیر اسلامی ممالک میں نہیں۔ تعدد ازواج کو محض ایک خطرناک بیماری کے علاج کے لیئے بطور دوا اسلام نے جائز رکھا۔ اور وہ وقت دور نہیں جب خود یورپ کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ اس علاج کے سوائے سوسائٹی کی بیماریوں اور ضرورتوں کا اور کوئی علاج نہیں۔ ہاں بے شک آپ نے بلا خوف لومۃ لائم حقیقی علاج کو دُنیا کے سامنے پیش کیا اور خود دونوں حالتوں پر عامل ہو کر بتا دیا کہ ضرورت حقہ کے مقابل کس طرح سارے خیالات کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ حقیقی قربانی یہی تھی کہ کم فہموں کے طعن کا فکر نہ کریں۔ بلکہ ایک حقیقی علاج کو دُنیا کے سامنے پیش کر دیں۔ گو اس کے عوض صدیوں تک اپنی ذات پر ناپاک حملے بھی برداشت کرنے پڑیں۔ اس سے بڑھ کر قربانی کیا ہے۔ ہاں اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والا وہ انسان ہے جو لوگوں کی زبان کے خوف سے چند دل خوش کُن باتیں کہدیتا ہے اور سوسائٹی کی اصل امراض اور اُن کے حقیقی علاج کی طرف توجہ نہیں کرتا۔

ایڈیٹر

رسالہ اشاعت اسلام

کثیر الازدواجی۔

از ہز ہائی نس حضور عالیہ فرمانروائے بھوپال۔

میرا مضمون زیر بحث (زوجیت فی الاسلام) نامکمل رہجائے گا۔ اگر میں کثیر الازدواجی پر کچھ نہ لکھوں اس مضمون کے متعلق بڑی غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ غیر مسلم فضلاء تک بھی اس کی حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ یہ خیال کر لینا کہ اسلام میں کثیر الازدواجی ایک ضروری اور لابد چیز ہے۔ ایک قسم کی ناقابل عفو غلطی ہے۔ بلکہ تعلیم قرآن تو اس کے اُلٹ ہے۔ اور ایک ہی بیوی پر قناعت کرنے کے لیئے تاکید کرتی ہے۔ اسلام نے عالمگیر ہونے کا دعوےٰ کیا ہے۔ یہ مذہب کسی خاص قوم یا کسی خاص ملک کی ضروریات کے علاج کے لیئے تو نازل نہیں ہوُا تھا۔ بلکہ اپنے ہمہ گیر اور عالمگیر مشن کے لیئے اسلام کا فرض تھا کہ وہ تمام ممالک تمام اقوام ہر قسم کی تہذیبوں اور زمانوں کی ضروریات کو زیر نظر رکھ کر تعلیم دے۔ علاوہ ازیں اسلام نے جو ضابطہ قانون تجویز کیا ہے اُس میں جیسے کہ ہر مہذب اور عقلمند سوسائٹی کے قوانین میں ہوتا ہے۔ علاوہ قوانین ضروریہ کی کہ جن پر چلنا ہر ایک کے لیئے فرض ہوتا ہے۔ بعض ایسے قوانین بھی ہوتے ہیں جن کا نام قوانین علاجیہ ہو سکتا ہے۔ جو حسب ضرورت وقت و زمان کام میں لائے جا سکتے ہیں۔ یعنی بعض ضروریات کے پیدا ہونے کے وقت اُن قوانین سے تمسک ہو سکتا ہے۔ اور جب وُہ ضرورت نہو تو وہ قوانین کسی مصرف کے نہیں ہوتے۔ سو اسلام نے قانون کثیر الازدواجی کو ایک علاجی قانون کے رنگ میں پیش کیا ہے۔ ایک طرف اس کی بد استعمالی کو بُری نگاہ سے دیکھا ہے۔ دوسری طرف اس کے استعمال کو بعض قیود و شرائط سے مقید کر دیا۔

دُنیا میں بعض وقت ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ جن سے فرقہ ذکور کی تعداد میں معتدبہ کمی واقعہ ہو جاتی ہے۔ قومی اور ملکی لڑائیوں سے بھی یہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے اور صنف ضعیف کی ان گنت تعداد ایسی رہجاتی ہے کہ جن کا نہ کوئی والی نہ وارث اور نہ کوئی سنبھالنے والا رہجاتا ہے۔ ایسی حالت میں خواہ کوئی ہم تجویز سوچیں۔ خواہ کتنی ہی وسعت قلب سے کام لیں لیکن

بہترین علاج شادی ہی ہے۔ مختلف وقتوں میں مختلف تجاویز سوچی بھی گئی ہیں۔ اُن پر عمل بھی ہُوا ہے۔ لیکن ناگفتہ بہ نتائج پیدا ہوئے ہیں۔ اسلام جس کی ہر ایک تعلیم میں پرہیزگاری اور تقویٰ کا لحاظ کیا گیا ہے پسند ہی نہیں کرتا کہ کوئی عورت کسی ایسے مرد کے گھر میں پناہ لے جو نہ اُس کے نکاح میں ہو۔ نہ ایسے رشتہ میں ہو جس پر محرّمات ابدیہ کا اطلاق ہو سکے۔ اسلام کی اس حکمت پر ہمارا روز کا تجربہ بھی صاد کرتا ہے۔ مذکورہ بالا ضرورت کے دفعیہ کا بہترین علاج کثیر الازدواجی ہی ہے لیکن جس پر بھی اسلام نے عورت پر نہ کوئی مصیبت ڈالی نہ اُس کے اختیار کو محدود کر دیا۔ اگر ایک بی بی اپنے امن و آسائش اور آرام کے لیئے اس بات کی محتاج نہیں کہ وہ کسی مرد سے مدد لے۔ یا کسی ایسی جگہ جا کے پناہ لے جو اُس کے پسند طبع نہ ہو۔ اسلام نے کسی عورت کو مجبور نہیں کیا کہ کسی مرد کی دُوسری بیوی جا کر بنے۔ لہٰذا رسم کثیر الازدواجی تو اسلام میں ایک قانون علاجیہ ہے۔ جہاں ضرورت ہو اسے اختیار کیا جائے۔ جہاں اُس کی حاجت نہیں وہاں کوئی مجبُوری نہیں۔ نہ صرف سوشل اغراض کے لیئے ہی مرد اور عورت کا تعداد میں برابر ہونا لازمات سے ہے۔ بلکہ زندگی میں بعض ایسے مصائب پیدا ہو جاتے ہیں کہ جنکا مقابلہ مرد ہی کر سکتے ہیں۔ مثلاً کسی قوم پر کوئی مصیبت پڑے جس سے اُس قوم کے مرد کثرت سے لقمۂ اجل ہو جائیں تو پھر فرقہ مذکور کی اس کمی کو کس طرح پُورا کیا جائے۔ ایسے نازک وقت میں دو ہی طریق برتے جا سکتے ہیں۔ یا کثیر الازدواجی کو اختیار کر لیا جائے یا ناجائز ولادت کو بے عزتی کی نگاہ سے نہ دیکھا جائے۔ جس میں تھوڑی بھی شرافت طبع ہو طریق مؤخر الذکر کو پسند نہ کرے گا۔ یہ بات بھی ہمیں کبھی سمجھ نہیں آئی۔ کہ مغرب میں جس بات کو قانون کثیر الازدواجی کے ماتحت ناجائز ٹھہرا دیا ہے۔ عملاً وہی کام ہر طرف جائز رکھا گیا ہے۔ شادی کیا ہے سوسائیٹی یا معروف کے ماتحت مقررہ شکل میں مرد اور عورت کا جمع ہونا پھر کسی وقت کی ضروریات اور حالات اس بات کے متقاضی ہوں کہ آبادی کی تعداد بڑھ جائے۔ تو کیوں نہ اُسی رواج اور رسم کو قانون کے ساتھ اجازت دیدی جائے۔ جو عملاً اور رواجاً اس وقت بھی ہو رہی ہے۔ اور اس اجازت کا بہتر نتیجہ یہ ہوگا کہ ہزار در ہزار بچوں پر سے جو اپنی خوشی سے دُنیا میں نہ آئے داغ ولادت ناجائز اُٹھ جائے گا۔ کیوں ایسے بچوں کو اُس شرعی حیثیت سے رد کیا جائے کہ جس کے ماتحت

وہ اس انسان کی جائداد کے ہی وارث ٹھیریں۔ جس کا ورثہ اُنھوں نے جسم میں پایا۔ اس سے نہ صرف سوسائٹی کے اخلاق ہی بہتر ہو جائیں گے۔ بلکہ صنف لطیف کا تقدس بھی بڑھ جائیگا۔ اور انکے حقوق بھی محفوظ رہجاویں گے۔ اس طرح سے کثیر الازدواجی بعض وقت نہ صرف قومی ضرورت ہو جاتی ہے بلکہ حکمت بھی ہے ؛

بعض وقت کثیر الازدواجی فرداً فرداً بھی بعض گھروں میں اپنی جائے ضرورت پیدا کر لیتی ہے۔ جس گھر میں بچہ نہیں وہ گھر ایک قبرستان کی طرح سنسان رہتا ہے۔ علاوہ ازیں بقائے نسل انسانی شادی کی ایک بڑی بھاری غرض ہے۔ تو اب اگر پہلی بیوی کے ذریعہ کوئی بھی اولاد نہ ہی تو پھر تین ہی راہ ایک مرد کے لئے کھلے ہیں۔ یا تو وہ پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کرے یا اپنے سر سے ہی صاحب اولاد ہونے کی خواہش نکال دے یا نہائت صبر اور استقامت سے اپنی بیوی کی موت کا منتظر رہے۔ جو ممکن ہے کہ اُس کی موت خود اُس کی ضعیفی سے پہلے واقع ہو جائے۔ کیا ان تینوں حالات پر پہلی عورت کی زندگی میں دوسری کر لینا قابل ترجیح نہیں۔ اسکے علاوہ بعض انسانوں کو قومی اور سیاسی ضروریات بھی مجبور کر سکتی ہیں کہ وہ مذکورہ بالا صورتوں میں سے کوئی صورت اختیار کریں۔ اور اگر کوئی شخص اپنی پہلی بیوی سے از راہ محبت سخت وابستہ ہے تو پھر اُس کے لئے امور بالا اختیار کر لینے کس قدر مشکل ہیں۔ پنولین کی مثال ایک عمدہ اس امر کی تشریح ہے۔ اُسے اپنی بیوی جوسفین سے ایک قسم کا تعشق تھا۔ وہ بیوی بھی بڑی صاحب عصمت و شرافت تھی۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے گرویدہ تھے۔ لیکن جوسفین سے کوئی اولاد نہ ہو سکی اور مُلکی ضروریات چاہتی تھیں کہ پنولین کا بچہ ہو۔ اس لیئے مُلک نے پنولین کو جوسفین کے طلاق پر مجبور کیا۔ اس طلاق کا واقعہ نہایت ہی دردناک ہے۔ پنولین نے دوسری بیوی بھی کر لی۔ نہائت شان و شوکت سے وہ سلطنت بھی کرتا رہا۔ لیکن جب مصیبت کے دن آئے تو اُس مصیبت کو بٹانے والی جوسفین اُس کے ہمراہ نہ تھی۔ اگرچہ میاں بیوی میں طلاق ہو چکا تھا لیکن اُس کی محبت میں کبھی کمی واقعہ نہیں ہوئی۔ جوسفین اسی پیار کے ساتھ پنولین کو یاد کرتی رہی اور اُس کے ایام تکلیف میں بھی اس کی ویسی ہی ہمدرد تھی جیسے ایام راحت میں لیکن وہ مضبوط زنجیر جو اُس کو جوڑ سکتی تھی وہ ٹوٹ چکی تھی۔ اگر فرانس میں قانون کثیر الازدواجی

ہوتا تو پنولین کو کیوں یہ ایام مصائب دیکھنے پڑتے۔ ایسے حالات میں جہاں ضرورت اولاد لاحق ہو مسلمان بیبیاں تو خود اپنے خاوندوں کے لیئے تو دوسرے نکاح کا انتظام کرا دیا کرتی ہیں۔

اسلام نے کیوں ایک سے زیادہ خاوند کی اجازت نہیں دی

مرد تو دوسری بیوی کر سکتا ہے۔ لیکن عورت کو اسلام نے اجازت نہیں دی کہ دُوسرا خاوند کر سکے۔ اوّل تو عورت کے ذمہ وہ صعوبت ناک فرائض بھی نہیں ڈالے گئے۔ مثلاً جنگ وغیرہ کہ جن سے عورتوں کی تعداد کم ہو جاتی اور نہ اُس کی زندگی میں وہ حالات واقعہ ہوتے ہیں جن کو دُوسری بیویاں کرلینی پڑتی ہیں۔ ہاں اگر ایسی ضرورت بھی ہو تو پھر عورت خاوند سے فسخ نکاح کرا سکتی ہے۔ اُس کو شریعت میں خلع کہتے ہیں۔ لیکن شریعت نے یہ نہیں اجازت دی کہ کسی عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہوں۔ اور فطرت انسانی بھی اس بات کو قبول نہیں کرتی۔ علاوہ ازیں شادی کی غرض بڑی بھاری یہ ہے کہ بچہ کی ولدیت کا تحقق ہو سکے۔ تاکہ بچہ کی پرورش اور اُس کی تربیت کی ذمہ داری کسی پر ڈالی جا سکے۔ ایک مرد کی اگر زیادہ عورتیں ہوں تو تحقیق ولدیت میں کوئی مشکل نہیں پڑتی۔ اور اس طرح سے ایک مرد کے ورثہ کا بھی سوال آسانی سے طے ہو سکتا ہے۔ لیکن خدانخواستہ اگر کوئی قانون اجازت دیوے کہ ایک عورت بہت سے خاوند کر سکے تو نہ صرف سوسائیٹی میں ہی بداخلاقی کا ایک طریق جاری ہو جائے گا بلکہ تعلیم و تربیت اور پرورش اور ورثہ کے معاملہ میں ہزارہا قسم کے فساد و مجادلہ ہونگے کہ کون کس کا بچہ ہے۔ اور کس بچہ کا کون ذمہ دار ہے۔

ہر حالت میں کثیر الازدواجی جائز نہیں

جو لوگ بلا ضرورت شرعیہ ایک سے زیادہ بیوی کر بیٹھتے ہیں اور شرعی حدود کو توڑ دیتے ہیں وہ پبلک میں نفرت اور حقارت کے مستحق ہیں۔ ہر ایک حالت میں تو اسلام کثیر الازدواجی کو جائز نہیں رکھتا۔ اسلام نے تو اس پر ایسی جکڑ بند شرائط اور قیود لگا دی ہیں کہ جن سے کثیر الازدواجی عملاً رُک جائے۔ اور زیادہ حصہ اسلامی دُنیا کا ایک ہی بیوی کرے۔ چنانچہ یہی حالت مسلمانوں میں ہے۔ کثیر الازدواجی کی بہترین روک دراصل قرآن کی اُسی آیتہ میں ہے جو آیتہ ان شادی وال

کی اجازت دیتی ہے۔ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث وربع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ ۔ تم دو دو۔ تین تین۔ چار چار بیویاں کر سکتے ہو لیکن اگر تمھیں خوف ہو کہ تم اُن میں برابری کا سلوک نہ کر سکو گے تو ایک ہی کرو۔ اب اس آیۃ میں کثیر الازدواجی پر عمل کی شرط لگا دی ہے۔ جو بیویوں میں ہر قسم کے سلوک میں برابری کی رعایت ہی نہیں رکھ سکتا اُس کو حکم ہے کہ ایک ہی بیوی کرے +

آیۃ مذکورہ بالا میں لفظ خوف خصوصاً قابل توجہ ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص شرائط مذکورہ کی تعمیل سے خوف میں ہے تو پھر ایک ہی بیوی کرے۔ اور یہ امر بدیہی ہے اگرچہ ناممکن تو نہیں۔ لیکن دو بیویوں میں عدل کر لینا نہایت ہی دشوار امر ہے۔ بہت ہی تھوڑے ایسا کر سکتے ہیں بلکہ قرآن تو کھلا کھلا اشارہ کرتا ہے۔ کہ کثیر الازدواجی کی اس شرط کو پورا کرنے کے انسان ناقابل ہے۔ اِس طرح قرآن نے درصل زور دیا ہے کہ شادی ایک ہی ہونی چاہیئے۔ وہ آیۃ یہ ہے ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ وان تصلحوا

وتتقوا فان اللہ کان غفوراً رحیماً

آیات مذکورہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جہاں مرد ایک سے زیادہ بیوی کرے اور محبت میں ایک کی طرف جھک جائے اور دوسری سے بے اعتنائی کرے۔ حتیٰ کہ ایک کو طلاق دینے پر آمادہ ہو جائے۔ تو پھر مرد اور عورت کے لیئے مندرجہ بالا آیات ایک عمدہ ہدایت نامہ ہے طلاق کے ذریعہ زندگی تلخ کرنے کی بجائے اُس کے لیئے بہتر ہے کہ وہ آپس میں ایک من سمجھوتہ کرے۔ بلکہ شادی کرنے سے پہلے بھی ایسی فہمید ہو سکتی ہے +

ایک عورت کثیر الازدواجی کے مضرات سے کسطرح بچ سکتی ہے

کثیر الازدواجی میں تلخیاں اور بدمزگیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ جس سے بچنے کا بہترین علاج اسلام نے عورت کے ہاتھ میں رکھا ہے۔ چونکہ اسلام میں نکاح ایک قسم کا شرعی معاہدہ ہے۔ جس کے ماتحت بعض ایسی شرائط لگائی جا سکتی ہیں۔ کہ اُن شرائط کے فوت ہونے پر شادی کالعدم ہو جائے۔ مثلاً اگر کسی عورت کو خطرہ ہو۔ کہ اُسکا خاوند کبھی آئندہ دوسرا نکاح کرکے اُس کی تکلیف کا موجب ہوگا۔ تو شادی کے وقت اُس تکلیف سے بچنے کا علاج کر سکتی ہے۔ مثلاً وہ معاہدہ نکاح میں یہ شرط لگا سکتی ہے۔ کہ اگر

اس کا خاوند دُوسرا نکاح کرے تو وہ ایک کافی ہرجانہ دینے کا ذمہ دار ہوگا۔ یا اُس کو حق ہوگا۔ کہ وہ کافی گذارہ خاوند سے لے اور خاوند کے ساتھ نہ رہے۔ یا وہ جب چاہے دُوسری شادی پر خاوند سے طلاق لے لے۔ اور ہرجانہ بھی لے اور ایک آزاد زندگی بسر کرے۔ ایک بیوی اختیار رکھتی ہے۔ کہ کسی کے نکاح میں آنے سے پہلے یہ شرائط لگا دے +

الغرض کثیرالازدواجی بعض مجلسی یا قومی دقتوں کا ایک عِلاج ہے۔ اسکا ایک جائز اِستعمال ہے اور بد اِستعمالی بھی ہو سکتی ہے۔ اسلام نے اس کی بد اِستعمالیوں کو روک دیا ہے۔ اور جہاں اجازت دی ہے۔ وہاں مختلف شرائط اور قیود لگادی ہیں جُوں جُوں فطرتِ اِنسانی اور ضروریات سوسائٹی کا عِلم اور احساس لوگوں میں بڑھتا جائے گا۔ کثیرالازدواجی جیسے قانون کی ضرورت کا بھی احساس بڑھتا جائے گا ہاں انھیں حالات اور شرائط کے ماتحت جو اسلام نے تجویز کیے ہیں +

اِسلامی نماز کا فلسفہ

۴

پیش ازیں کہ میں نماز کے فلسفہ پر بحیثیت مجموعی کچھ روشنی ڈالوں اور نماز کی جوازیت اور ضرورت پر کچھ لکھوں۔ میں اسلامی دعا صلواۃ کی ایک اور حیثیت پر بحث کرنا چاہتا ہوں۔ کل دُنیا کے مُسلمان خواہ وہ کہیں رہے۔ ٹرکی میں یا چین میں۔ یورپ میں ایشیا میں نئی دُنیا میں یا پرانی دُنیا میں وہ سب کے سب اپنی نماز عربی میں پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ یہودی عبرانی زبان میں۔ یہ نماز نہ صرف عربی زبان میں ہی ہوتی ہے بلکہ خاص قرآن کے الفاظ میں جو خدا کا آخری عہد نامہ ہے بیشک عالمگیر بشارت ہے۔ اور ایسے ہی نماز کی ہیئت و صورت آج بھی وہی ہے۔ جو آنحضرت صلعم نے اپنے وقت میں قائم کی اور وہی لفظ جو خدا کے نبی کے مُونھ سے نماز میں نکلے۔ وہی آج ہر ایک مسلمان نماز میں ادا کرتا ہے۔ اِس طرح تمام

دُنیا میں ایک ہی طرز ایک ہی نہج رکھنے سے اس خیال کے قائم رکھنے میں مدد ملتی ہے کہ ایک ہی خدا سب کا مالک ہے اور ایک ہی عالمگیر اخوت کل انسانوں میں ہے۔ خواہ مشرق میں ہو یا مغرب میں۔ جنوب میں ہو یا شمال میں۔ خواہ ہماری مادری زبان ملائم شیرین اردو ہو یا سخت ناملائم انگریزی۔ ہماری عبادت اور نماز کا وہی ایک خدا مُدعا اور مقصد ہے۔ چینیوں کی زبان میں اللہ کا کوئی اور نام ہوگا۔ ہندوستانیوں کا کوئی اپنے ہاں نام ہوگا ایسا ہی امریکہ والوں کا اپنا۔ گویا کہ مختلف زبانوں میں مختلف نام ہیں۔ بلکہ مختلف نکتہ خیال انگریزی لفظ گاڈ۔ اور فارسی لفظ خدا ایک ہی مفہوم کو ادا نہیں کرتے۔ اور اسی طرح وہ خدا کے متعلق مختلف خیالات ذہن میں لے آتے ہیں۔ ایک فارسی دان کا معبود اگر خدا ہے اور انگریز کا گاڈ۔ فرانسیس کا ڈیو۔ اور جرمن کا کاٹ۔ اور اسی طرح مختلف زبانوں میں مختلف نام چونکہ ان لفظوں کے مفہوم میں کچھ نہ کچھ فرق ہے۔ اِس لیئے مختلف قوموں کی سامنے نماز کے وقت مختلف کیفیات کا خدا ہوگا۔ اسلام نے نماز میں ایک رنگی رکھ کر ان اختلافات کی گنجائش ہی نہیں رکھی۔ ایرانی مسلم۔ انگریز مسلم۔ فرانسیسی مسلم۔ جرمن مسلم۔ ان سب کا معبود ایک اللہ ہے اُسی کے آگے وہ اپنی دُعائیں پیش کرتا ہے۔ اِسطرح سے نماز میں تمام اور زبان کا یہ اتحاد نمازی کے دل میں یہ کیفیت پیدا کرتا ہے کہ کل نسل انسانی کا معبود وہی ایک ہے۔ جس کے آگے ہم سب نے جھکنا ہے وہی ایک رب العالمین ہے وہی سب قوموں اور انسانوں کا بنانے والا ہے۔ اس طرح خدا کی مالکیت اور اُس کی توحید کا اثر پیدا ہو جاتا ہے +

اِس سے تمام انسانوں کے دلوں پر انسانی اخوت کا بھی سکہ جم جاتا ہے۔ خواہ وہ مختلف رنگ وزبان وشکل کے ہوں۔ خواہ وہ مختلف قوم واقوام سے تعلق رکھتے ہوں خدا کے متعلق ان کے خیالات اُن کے جذبات ان کے متاثرات ایک ہی ہیں۔ لہذا جب وہ اُس خدا کے حضور نماز کے لیئے حاضر ہوں۔ تو ایک ہی زبان میں ایک ہی طرز سے نماز ادا کریں خواہ انسان ایک دوسرے سے جنگ بھی کریں۔ پھر بھی وہ خدا کی نگاہ میں دائرہ انسانیت میں ایک ہی ہیں۔ ممکن ہے ایک قوم دوسری قوم سے نفرت کرے۔ ایک دوسرے کی زبان کو

پڑھیں نہیں لیکن پھر بھی وہ اللہ کے حضور حاضر ہوں تو وہ ایک ہی زبان سے پکاریں جس سے وہ سمجھ جائیں کہ وہ فی الواقعہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں اون کی دشمنی بیہودہ ہے۔ ایک مشترک زبان کا ہونا بھی مختلف قوموں میں ایک مستقل وحدت پیدا کر سکتا ہے +

جب کسی ملک کا ایک غیر مسلم کسی اور ملک میں چلا جاتا ہے۔ تو اُسے نماز کی ادائیگی کے لیے گرجا یا معبد کی ضرورت پڑتی ہے جہاں نماز اُس کی اپنی مادری زبان میں ادا ہوتی ہو لیکن مسلمان کو یہ دقت نہیں ہے خواہ کسی اجنبی ملک میں چلا جائے۔ وہ نزدیک کی مسجد تلاش کر لیتا۔ اور وہاں اپنے آپ کو اپنے وطن میں پاتا ہے۔ کل دُنیا جہان کی مسجدوں میں وہی ایک زبان یعنے زبان قرآن استعمال کی جاتی ہے۔ کل مسلمانوں میں ملنے کے وقت وہی سلام علیک کا ایک نشان فری میسنوں کے نشان کی طرح قائم ہے۔ بکسر کی بغاوت پر جب ہندوستان سے مسلمان سپاہی چین میں گئے اور چینی مسلمانوں سے سلام علیک کی تو چین کے مسلمانوں نے اُن سے برادرانہ سلوک کیا۔ اور اپنی مسجد میں لے گئے ابھی اگلے دن ہندوستان کے مسلم سپاہی جب ووکنگ میں عید کی نماز ادا کرنے آئے تو اگرچہ ایک بھی لفظ انگریزی کا نہ جانتے تھے اور نہ ہی ووکنگ کے مسلمان اردو جانتے تھے لیکن وہ صرف سلام اور نماز کے اشتراک سے ایک دوسرے کے بھائی بن گئے +

تمام قوموں اور ہر قسم کے رواج کے انسانوں میں نماز کے وقت ایک ہی زبان کا استعمال ہونے سے ایک قسم کی وحدت مراتب بھی پیدا ہوتی ہے جب سلطان ایک طرف اور ہندوستان کا دہقان ایک طرف اور ایسا ہی انگلستان کا ایک تاجر قادر مطلق کے حضور اپنی نماز میں ایک ہی الفاظ اور ایک ہی زبان میں حاضر ہوتا ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خدا کی نگاہ میں ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں +

مقررہ نمازوں میں قرآن کے الفاظ کا استعمال انسانوں کو اس بات سے بھی محفوظ رکھتا ہے کہ وہ نماز میں بُرے خیالات لیئے ہوئے کھڑے ہوں۔ یا وہ ایک دوسرے کے خلاف بددُعائیں کریں ہم ہر ایک لفظ اور ہر ایک فعل کے لیئے خدا کے حضور ذمہ وار ہیں۔ پہلے جب ہم قرآنی الفاظ میں نماز ادا کرتے ہیں تو ہمیں یہ اطمینان ہوتا ہے کہ ہم نامناسب الفاظ نہیں استعمال کر رہے ہیں۔ رابعہ بصری ایک بڑی مسلم خاتون گذری ہیں۔ انکے متعلق مشہور ہے کہ وہ تیس سال تک قرآن کے الفاظ میں گفتگو

کرتی رہی۔حتیٰ کہ معمولی سوالوں کا جواب بھی قرآنی الفاظ میں دیا کرتی تھیں +

مذہبی نکتہ خیال سے بھی قرآنی دعاؤں سے بہتر دُعائیں تلاش کرنا ناممکن ہے۔مثلاً اس سے بہتر اور کیا دعا ہو سکتی ہے۔ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة و فی الاخرة حسنة۔اے ہمارے رب ہمکو اس جہان میں بھی خیر عطا کر اور آئندہ جہان میں بھی جب ہمیں قادر مطلق غفور الرحیم خدا سے کچھ عرض کرنا ہو تو اس سے بہتر الفاظ نہیں ملتے۔ربنا ولا تحملنا مالا طاقة لنا به۔اے رب ہمارے ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کے برداشت کرنے کی ہم میں طاقت نہیں +

کم از کم میں اس امر پر مطمئن ہو جاؤں۔اگر اللہ تعالےٰ میری یہ دُعا سُن لے۔در اصل وہی چیز تکلیف دِہ ہے خواہ وہ اچھی ہو یا بُری۔جو قابل برداشت نہ ہو۔بیسیوں باتیں اس دُنیا میں ہمارے قابو سے باہر ہیں۔ہم خواہ کتنے ہی صاحب طاقت ہوں پھر بھی بہت کمزور ہیں۔ہم بے یار و مددگار ہیں اپنے معاملات پر قابو چھوڑ۔اپنی ذات پر بھی بعض وقت حکومت نہیں کر سکتے۔کیا ہم اپنے ارادہ کے مطابق اپنے دل پر حکومت کر سکتے ہیں۔ہرگز نہیں۔ہم تو اپنے بھی مالک نہیں۔بعض وقت محض کسی قدر محبت یا نفرت سے اپنے ارادہ کے خلاف ہم سے ایسی باتیں سرزد ہو جاتی ہیں۔جنکو ہم یقیناً نقصان دہ سمجھتے ہیں۔بعض وقت حالات بھی ایسے پیدا ہو جاتے ہیں جن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔لہٰذا ہمیں ہمیشہ قادر مطلق خدا کے آگے یہی عرض کرنی چاہیئے۔ولا تحملنا مالا طاقة لنا به ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہم کو طاقت نہیں +

قرآن کی وہ آیات جو میں اکثر اپنی نمازوں میں تلاوت کرتا ہوں اور جو میری تسکین کا موجب ہوتی ہیں یہ ہیں۔ للہ ما فی السمٰوات وما فی الارض۔وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم به اللہ فیغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء واللہ علی کل شیٔ قدیر۔اٰمن الرسول بما انزل الیه من ربه والمومنون کل اٰمن باللہ وملٰئکته وکتبه ورسله لا نفرق بین احد من رسله۔وقالوا سمعنا واطعنا غفرانك ربنا والیك المصیر۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعها لها ما کسبت وعلیها ما اکتسبت ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا۔ربنا ولا تحمل علینا اصراً کما حملته علی الذین من قبلنا۔ربنا ولا تحملنا مالا طاقة لنا به۔واعف عنا۔واغفر لنا۔وارحمنا۔انت مولٰینا۔فانصرنا

علی القوم الکافرین ۝ - ایمان لایا پیغمبر ساتھ اُس چیز کے کہ اُتاری گئی ہے طرف اُس کے پروردگار اُس کے سے - اور مسلمان تمام ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور فرشتوں اس کے کے اور کتابوں اس کی کے اور رسولوں اُسکے کے - نہیں جدائی ڈالتے ہم درمیان کسی کے پیغمبروں اُسکے سے - اور کہا اُنھوں نے سُنا ہمنے اور مانا ہم نے - بخشش مانگتے ہیں تیری اے رب ہمارے اور طرف تیرے ہی پھر آنا - نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی جی کو - مگر طاقت اُس کی پر واسطے اس کے ہے جو کچھ کمایا اُس نے اور اوپر اس کے ہے جو کچھ کمایا اُس نے - اے رب ہمارے مت پکڑ ہم کو اگر بھول گئے ہم - یا خطا کی ہم نے اے رب ہمارے - اور مت رکھ اوپر ہمارے بوجھ - جیسا رکھا تو نے اُس کو اوپر اُن لوگوں کے کہ پہلے ہم سے تھے اے رب ہمارے - اور مت اُٹھوا ہم سے وہ چیز کہ نہیں طاقت واسطے ہمارے ساتھ اُس کے اور عفو کر ہم سے اور بخش ہم کو اور رحم کر ہم پر تو ہی ہے دوستدار ہمارا پس مدد دے ہمکو اوپر قوم کافروں کے +

یہ تو ممکن ہی نہیں کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرتے ہوئے اصلی الفاظ کی کیفیات و معانی ادا ہو سکے - ترجموں نے ہی انجیل اور توریت کو محرف اور مبدل کیا - چونکہ مسلمان خواہ کسی اصلی الفاظ سے ہی تشدید طریق پر وابستہ رہے - اِس لیئے خدا کا آخری کلام محفوظ رہا دُنیا میں یہی ایک کتاب ہے جو کثرت سے پڑھی جاتی ہے وہ یہی ایک کتاب ہے جس کا ایک ایک لفظ تیرہ سو برس سے اپنے اصلی صورت میں رہا - جب مسلمان نماز کو قرآن کے الفاظ میں ادا کرتے ہیں تو وہ اسطرح قرآن کریم کو محفوظ اور اُسکی تحریف سے بچنے میں مدد دیتے ہیں -

جیسے کہ میں نے پہلے کہا اب بھی کہتا ہوں کہ اسلام نے کوئی ایسا شعار یا شکل کسی امر کی اختیار نہیں کی جو اُس موقعہ کے لحاظ سے حسب ضروری ہو - اور جس کو چھوڑ کر دوسری شکل اختیار ہی نہیں ہو سکتی - یہی میں نماز کو عربی زبان میں ادا کرنے کے متعلق کہتا ہوں - اسلامی نماز میں ایک روحانیت شروع سے اخیر تک مضمر ہے +

(الفدوائی)

پیغمبر صلعم اور عیسائی

حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے کس وسعت قلبی کی بنیاد رکھی ہے جب اُنھوں نے اپنے تبعین کو یہ تعلیم دی کہ وہ کل دُنیا جہان کے پیغمبروں پر ایمان لائیں۔ سورہ بقرہ کی تیسری آیت میں متقیوں کی شان میں یہ کہا گیا ہے۔ والذین یؤمنون بما انزل الیك وما انزل من قبلك یعنی متقی وہ ہے جو اس کتاب پر جو تجھ پر نازل ہوئی اور ایسی ہی کتابیں جو تجھ سے پیشتر نازل ہوئیں اُن سب پر ایمان لاتے ہیں۔ اس اصول کی تشریح اسی سورۃ آیتہ (۱۳۶) میں حسب ذیل ہے۔ قل اٰمنا باللّٰہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم۔ ہم خدا پر ایمان لاتے ہیں اور اُس پر جو ہم پر نازل ہوا۔ اور اس پر بھی جو ابراہیم۔ اسماعیل۔ یعقوب اور اس کی اولاد پر نازل ہوا۔ ہم اُس پر بھی ایمان لاتے ہیں جو موسےٰ اور عیسےٰ اور رب کی طرف سے کل انبیاء کو دیا گیا۔ ہم ان انبیاء میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔

ایسی ہی قرآن کریم میں اور آیات ہیں۔ جہاں ان انبیاء علیہم السّلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور خصوصًا جناب موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السّلام کی نبوّتوں پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے۔ اس سے بڑی غرض یہ تھی کہ عیسائی اور یہودی سمجھ لیں کہ آنحضرت صلعم کی غرض ایک اخوۃ عامہ اور عالمگیر مذہب قائم کرنے کی ہے۔ اسی تعلیم کے ماتحت آنحضرت صلعم نے جناب مسیحؑ کی ہمیشہ عزت کی اور اُن تمام الزامات سے جناب مسیح کی تطہیر کی جو یہودی ان پر لگایا کرتے تھے۔ آپ کی ولادت کے متعلق آنحضرت صلعم نے یہودیوں کی تکذیب کی اور ظاہر کیا کہ وہ دیگر انبیاء کی طرح پاک تھے۔ آپ نے فرمایا جناب مسیح کی والدہ مریم ایک راستباز مقدس صدیقہ تھیں۔ اور مسیحؑ در اصل ایک پیشگوئی کے پورا کرنے کے لیئے آئے تھے۔ جیسے کہ خود آنحضرت صلعم تھے۔ اور جنھوں نے جناب مسیح کو تکلیف دی یا الزام لگائے وہ سب گنہگار تھے۔ دُنیاوی نگاہ سے اور حکمت اور پالسی کے اصول پر تو آنحضرت صلعم کا اس طرح یہودیوں کو الزام دینا ٹھیک نہ تھا۔ عیسائیوں کی عرب

میں اُس وقت حقیقت ہی کیا تھی مُٹھی بھر آدمی تھے۔ کوئی طاقت یا اقتدار بھی نہ رکھتے تھے اور اُن کو نظر انداز کر دینا کوئی آسان امر تھا بالمقابل یہودی ایک بڑی مضبوط اور طاقتور قوم تھی۔ بڑا رسوخ اور اقتدار بھی رکھتے تھے۔ یہودیوں کی رعایت یا خاطرداری کرنے سے بالعموم آنحضرت صلعم کی حمایت بھی ہو سکتی تھی۔ لیکن آنحضرت صلعم اصول کے پابند تھے۔ اور پالسی کو حرام سمجھتے تھے۔ جو کچھ آپ سچ سمجھتے تھے اور جہاں تک آپ کے امکان میں تھا۔ آپ نے جناب مسیحؑ کی عزت قایم کرنے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ آج چالیس کروڑ سے اوپر مسلمان دُنیا کے مختلف حصص میں جناب مسیح کی اسی طرح عزت کرتے ہیں جیسے آنحضرت صلعم نے کی۔ اور جو کوئی جناب مسیح پر الزام دے اُس سے ویسا ہی مقابلہ کرتے ہیں۔ جب کبھی وہ مسیح کا نام لیتے ہیں اُس کو صلوٰۃ اور سلام بھیجتے ہیں۔ کیا آنحضرت صلعم نے اِس طرح عیسائی دُنیا کو اپنا مرھون احسان نہیں کیا۔ کیا اس سے وہ اعلےٰ شرافت نفس جو اُن میں تھی ظاہر نہیں ہوتی۔ دراصل اسی سے اُس اعلےٰ مقصد کا بھی پتہ چلتا ہے جس سے آپ مسلمانوں اور عیسائیوں میں عمدہ رشتہ پیدا کرنا چاہتے تھے +

آنحضرت صلعم کا عیسائیوں سے سلوک

آنحضرت صلعم کا جیسا سلوک اور آپکے مراعات جیسے مسلمانوں سے تھے ویسے ہی عیسائی اور یہودیوں سے تھے۔ یہ ہمیشہ ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلعم نہ صرف نبی ہی تھے بلکہ بادشاہ بھی تھے اور اس وقت عرب میں عیسائی اور یہودی دونوں بستے تھے جو آپ کی رعایا تھے۔ دونوں ہی آپ کے مخالف تھے۔ اور آپ کے دعوائے نبوت سے منکر بھی تھے۔ لیکن آپ کا سلوک اور برتاؤ دونوں سے فیاضانہ تھا۔ ایک لڑائی میں ایک عیسائی عورت آپ کے سامنے اسیر ہو کر آئی۔ وہ مشہور سخی حاتم طائی کی لڑکی تھی اُس کے ساتھ قید کی حالت میں اور بہت سی ہمجولیاں تھیں وہ طبعاً اُس وقت نہایت مغموم اور سراسیمہ تھی وہ نہ جانتی تھی کہ اس سے کیا پیش آنے والا ہے آنحضرت صلعم نے جب اُس سے واقفیت پائی تو پہلے اُس کے باپ کی پاسخاطر سے اپنی چادر کو بچھا دیا اور آپ اُس سے یوں متکلم ہوئے۔ تمہارا باپ ایک کریم النفس آدمی تھا۔ اس لیئے اُسکی عزت میں مَیں تمہاری عزت کرتا ہوں۔ اور میں تمھیں آزاد کرتا ہوں مسلم خوبیاں کوئی مسلمانوں تک محدود نہیں بلکہ اور مذہب والوں میں بھی ہوتی ہیں۔ یہ عورت آخر ایک بامروت انسان

کی لڑکی تھی۔ اُس بی بی نے آزاد ہونے سے انکار کیا۔ در آں حالیکہ ... اس کی اور رفیقہ قید میں رہیں۔ آنحضرت نے اس بات کو سمجھ لیا اور فرمایا۔ کہ اگر تم اس لیئے قید سے رہا ہونا نہیں چاہتی کہ تیری دیگر رفیقہ بھی قید میں ہیں تو میں نہیں پسند کرتا کہ تو اُن کی خاطر اسیری میں رہے اسلیئے میں تیری خاطر اُن سب کو آزاد کرتا ہوں۔ وہ سب کی سب قیدی تھیں۔ آنحضرت صلعم بطور ایک فاتح جنگ اُن سے ایسا سلوک بھی کر سکتے تھے۔ لیکن آپ نے نہ تو اُن عیسائی عورتوں سے قیدیوں کا سا سلوک کیا اور نہ اُس کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا۔ حق الامر یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے مُسلمان کرنے میں کبھی بھی جبر اور اکراہ سے کام نہیں لیا۔ رہا صنف لطیف سے مراعات کرنا حسن سلوک سے پیش آنا۔ سو ہر ایک مُسلمان کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ عورتوں سے نیک سلوک کرے اور اُن کی عزت کرے۔ اس طرح آنحضرت صلعم نے حاتم کی لڑکی اور اس کے ساتھی کل عورتوں کو آزاد کر دیا۔ اسکا نیک اثر اس پر ہوا۔ اور آنحضرت صلعم نے یہ بھی کیا کہ اُس کو بمعہ دوسری عورتوں کے نہایت حفاظت کے ساتھ گھر تک پہنچا دیا +

ایک اور موقعہ پر ایک عیسائی وفد نجران سے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپنے اُنکی کامل عزت اور تکریم میں اپنی مسجد کے جوار میں ہی جگہ دی۔ اتفاقاً وہ اتوار کا دن تھا۔ اور یہ عیسائی رومن کیتھولک عیسائی تھے اُن کی عبادت کا دن تھا۔ اور وہ بڑے متوش تھے کہ کس جگہ عبادت کریں۔ آنحضرت صلعم نے اُن کی گھبراہٹ کا سبب پوچھا۔ انھوں نے عرض کی کہ یہ اُن کی عبادت کا دن تھا۔ اور وہ کسی ایسی جگہ کی تلاش میں ہیں جہاں وہ اپنی رسم و رواج کے مطابق عبادت کر سکیں۔ آپ نے فی الفور فرمایا کہ اسی مسجد میں تم اپنا گرجا کر لو۔ کیونکہ یہ میرا گھر نہیں۔ خدا کا گھر ہے +

آنحضرت صلعم کے متعلق آپ کے جانی دشمن کی شہادت

ایک دفعہ بادشاہ شام کے دربار میں آپ کا ایک خطرناک دشمن ابو سفیان موجود تھا۔ یہ وہی ابو سفیان ہے جس نے آپ کے اور آپ کے صحابہ کے نیست و نابود کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا ہرقل بادشاہ شام نے آنحضرت صلعم اور اسلام کے متعلق چند سوال کیئے۔ اور ہم ذیل میں اُن سوال و جواب کو اسی ترتیب ... سے لکھ دیتے ہیں :-

س۔ محمدؐ کے آباؤ اجداد کیسے تھے +

ج۔ وہ ایک شریف خاندان سے ہے۔ اُس کے باپ اور ماں اعلےٰ اخلاق اور حیثیت رکھتے تھے

س۔ کیا اس کے آباؤ اجداد میں سے کسی نے دعوائے نبوّت کیا +

ج۔ میں اُنہی کی قوم میں سے ہوں۔ اور مجھے علم ہے کہ اُس سے پہلے اُس کے کسی بزرگ نے دعوائے نبوّت نہیں کیا +

س۔ کیا اُس کے آباؤ اجداد میں سے کوئی صاحب ملک ہو چکا ہے جسکی سلطنت کھوئی گئی ہو؟

ج۔ نہیں +

س۔ کیا دولتمند یا درمیانی درجہ کے لوگ ہی عموماً اُس کے مرید ہوتے ہیں +

ج۔ عموماً دولتمندوں سے زیادہ درمیانی درجہ کے لوگ اُس کی پیروی اختیار کرتے ہیں۔

س۔ کیا دن بدن مُسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے +

ج۔ دن بدن بڑھتے جاتے ہیں +

س۔ کیا جو اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ وہ اسلام کو چھوڑ بھی دیتے ہیں ؟

ج۔ نہیں جس نے محمد صلعم کے مذہب کو قبول کیا اُس کو کبھی نہیں چھوڑا +

س۔ کیا اس دعوے کرنے سے پیشتر کبھی اُس نے جھوٹ بولا +

ج۔ اس وقت تک کبھی اُس نے اپنے وعدوں کو نہیں توڑا۔ ہاں آئندہ کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا +

س۔ کیا تمہارے جنگ بھی اُن سے ہوئے۔ اور جنگوں میں سے کون کامیاب ہُوا کرتا ہے۔

ج۔ بعض وقت وہ فتحمند ہوتے ہیں۔ اور بعض وقت ہم کامیاب ہوتے ہیں +

س۔ اُس کی تعلیم کیا ہے +

ج۔ ایک خدائے واحد کی عبادت اور تمام بُتوں سے انکار۔ اور کسی اور معبود کو خدا کے مقابل کھڑا نہ کرنا۔ اور نہ بت پرستوں کی اتباع کرنا۔ وہ ایک خدا کی عبادت اور پرستش کی تاکید کرتا ہے۔ سچ بولنے کے لیئے حکم دیتا ہے۔ بُرے کاموں سے بچنا اور صلہ رحمی کی تاکید کرتا ہے +

اس پر بادشاہ نے کہا کہ جو کچھ تم نے محمد صلعم کا نقشہ بتلایا ہے اُس سے مجھے یقین ہوگیا ہے۔ کہ وہ ایک سچا نبی ہے۔ اور ایک صادق نبی کی ساری علامات اس میں موجود ہیں

ایک اور موقعہ پر جب مکہ والے آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہؓ پر سخت ظلم اور تشدد کرتے تھے تو چند مسلمانوں نے شاہ حبش کے ہاں پناہ لی۔ ایک دن بادشاہ کے استفسار پر حضرت جعفر نے جو اُن مسلمانوں میں کے سرکردہ تھے۔ ایک تقریر کی جو ہم ذیل میں بالفاظ درج کرتے ہیں:۔

"اے بادشاہ ہم ایام جاہلیت سے تعلق رکھتے تھے۔ بتوں کی پرستش کرتے تھے مردار کا گوشت کھاتے تھے شہوت رانیاں کرتے تھے۔ قطع رحمی ہمارا سلوک تھا۔ اپنے ہمسائیوں کو اذیت پہنچاتے تھے اور ہم میں کا جو صاحب طاقت ہوتا وہ ہمیشہ کمزوروں کو ستاتا تھا۔ حتی کہ اللہ تعالے نے ہم میں ایک نبی پیدا کیا۔ ہم اُس کے آباؤ اجداد سے واقف ہیں۔ اور ہم ہمیشہ سے اُس کی صداقت اور عفت کے قائل ہیں۔ اُس نے ہمیں ایک خدائے واحد کی طرف بلایا اور ہمیں حکم دیا کہ اُس کے ساتھ شرک نہ کریں اور اپنے بتوں کو چھوڑ دیں۔ اُس نے ہمیں تاکید کی ہے۔ کہ ہم سچ بولیں۔ ہم سے کسی کا حق ہو وہ ادا کریں۔ صلہ رحمی کریں۔ اور اپنے ہمسائیوں کے ساتھ نیک سلوک کریں۔ اور جو باتیں منع کی گئی ہیں اُن سے پرہیز کریں اور کشت و خون سے بچیں اُس نے ہر ایک قسم کی بدی اور شرارت کرنے سے ہمیں روکا اور جھوٹ بولنے سے منع فرمایا۔ ایسا ہی یتیموں کا مال کھانے سے بھی روکا اور اُس نے تاکید کی ہے۔ کہ ہم نماز اور روزہ حج اور زکوٰۃ کے پابند ہو جائیں۔ ہم نے اُسے قبول کر لیا اور اُس کی نبوت پر ایمان لائے"

یہ تقریر بادشاہ حبش پر اثر کئے بغیر نہ رہی۔ جو آخر کار مسلمان ہو گیا۔ مذہب اسلام کی تعلیم اسی طرح اس کی دلربائی کی موجب تھی۔ جس طرح وہ تعلیم آج انگریزی بولنے والے اور دیگر مہذب باشندگان دنیا کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ اسلام کو اپنے قبول کرانے میں کسی جبر و اکراہ کی ضرورت نہیں۔ اسلام کے اصول ہی طبعاً دلکش واقع ہوئے ہیں۔ اسلام کی بنیاد صداقت پر ہے۔ نا کہ جبر اور اکراہ سے منافقت پیدا ہوتی ہے۔ جسے آنحضرت صلعم نے ہمیشہ ناپسند فرمایا۔

عیسائیوں کے حق میں آنحضرت صلعم کیطرف سے دستاویز حقوق

جو دستاویز آنحضرت صلعم نے کوہ سینا کے راہبوں کو دیا اُس سے بہتر کوئی مثال یا نظیر مذہبی

آزادی کی نظر نہیں آتی۔ یہ ایک معاہدہ امن تھا جو عیسائیوں کو دیا گیا۔ وہ دستاویز یا معاہدہ تمام وکمال حالت میں اسلامک ریویو بابت ماہ جون سنہ ۱۹۱۵ء کے صفحات میں درج ہو چکا ہے لیکن اُس کے بعض فقرات ہم یہاں بھی درج کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ذیل میں اُسکے چار فقرے دیئے جاتے ہیں:۔

۱۔ کسی کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ عیسائیوں کو اپنے گرجاؤں یا معبدوں سے نکالے +

۲۔ ایسے عیسائی جو اپنے مال و دولت سے جزیہ دے سکیں۔ اُن سے اور کچھ مطالبہ نہ ہوگا +

۳۔ اگر کوئی عیسائی عورت کسی مسلمان سے شادی کرلے تو مسلمان اُسے گرجا میں جانے یا اپنے مذہبی فرائض کے ادا کرنے میں روک نہ ڈالے گا +

۴۔ کسی شخص کو حق حاصل نہ ہوگا۔ کہ عیسائیوں کو اپنے گرجوں کی مرمت وغیرہ سے روکے۔ بلکہ اگر عیسائیوں کو اپنے گرجاؤں اور کلیساؤں کی مرمت میں یا کسی اور مذہبی امور میں انھیں امداد کی ضرورت ہو تو مسلمان ان کی امداد کریں گے +

پیغمبر عرب کسی خاص ملک اور قوم کی طرف تو مبعوث ہوئے نہیں تھے۔ بلکہ وہ کافۃ للناس کی لیئے آئے تھے۔ اس لیئے آپ نے دعوت نامے عیسائی اور دوسرے بادشاہوں کو بھی لکھے۔ آپ سے پہلے جو نبی آیا وہ کسی قوم یا ملک کی طرف آیا۔ لیکن آپ کی بعثت کل دُنیا کے لیئے تھی۔ آپ کا مشن خدائی رب العالمین کی طرف سے تھا۔ اور اس لیئے آپ کا پیغام سب کی طرف تھا۔ آپ نے ایک خط ہرقل شاہِ شام کو لکھا۔ اور ایسا ہی ایک خط مقوقس شاہ مصر کو۔ آپ نے انھیں دعوت اسلام کی اور یہ لکھا۔ کہ اُن کا اسلام اُن کے لیئے خیر و برکت کا موجب ہوگا۔ ان خطوط کے اصل اب مِل گئے اور جو چٹھی شاہ مقوقس کو لکھی گئی تھی اُس کا تو فوٹو ہندوستان۔ امریکہ اور برطانیہ کلان اور یورپ کے دیگر ممالک میں بھی شایع ہو چکا ہے۔ ان خطوط کے جواب بھی تحائف کے ساتھ اُن بادشاہوں نے آنحضرت کی خدمت میں بھیجے۔ وہ اُس وقت تو مسلمان نہ ہوئے۔ لیکن بعد میں اُنھوں نے اسلام قبول کرلیا اور اُن کی رعایا اب تک حلقہ بگوش اسلام ہے +

قرآن کریم سورہ آل عمران آیۃ (۵۷) میں ایک نمونہ ہمیں ملتا ہے کہ کس طرح آنحضرت صلعم ان عیسائی بادشاہوں کو مخاطب کیا کرتے تھے۔ یا اھل الکتٰب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ

اے اہل کتاب آؤ ایسی بات کی طرف (رجوع کرو) جو تمہارے ہمارے درمیان یکساں (ثانی حالت) ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں ماسوا اللہ کے ہم آپس میں سے کوئی کسی کو (دنیا) مالک نہ سمجھے

سورہ (۳) آیۃ (۵۷) میں مسلمانوں کے لیئے ایک طریق عمل لکھا گیا۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کہاں تک شارع اسلام مسلمان اور عیسائیوں کو یکجا کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ قرآن فرماتا ہے کہ مسیح اور محمد علیہما السلام دونوں ابراہیم کی اولاد میں سے ہیں۔ اس لیئے بھائی بھائی ہیں۔ دراصل جو مسیح نے مذہب تعلیم کیا وہ بھی یہی تھا۔ "تو صرف اپنے خداوند خدا کی عبادت کیجو اور اسی ایک کی عبادت کیجو اور ابدی زندگی یہی ہے۔ کہ تجھ سے جو تو ایک ہی خدا ہے پہچانا جائے اور مسیح کو جس کو تو نے بھیجا ہے۔" (یوحنا باب ۱۷/۳) یہی دراصل اسلام کا حقیقی مقام ہے۔

ہم آئے دن سُن رہے ہیں کہ عیسائیوں کے مختلف فرقوں میں آپس میں ملانیکی کوشش ہو رہی ہے۔ لیکن اسلام نے دراصل ایک وسیع پیمانہ پر کل دُنیا کے مذاہب کو ملا دیا۔ اسلام کی غرض یہ ہے کہ دُنیا جہان کے تمام مذاہب اور فرقوں کو ایک خدائے واحد کی عبادت اور اُس پر ایمان لانے پر مستعد کرے۔ اور وہ پیغام اُن سے سوائے جو مسیح محمدؐ اور دنیا جہان کے تمام پیغمبر خدا کی طرف سے لائے ٭

صفات باری

اسلامی نقطۂ خیال سے

(از محمد صادق ڈڈلے رائیٹ)

مسلمانوں کا ایمان خدا پر ایک خالی عقیدہ ہی نہیں۔ نہ سائے کی طرح یہ ایک بے حقیقت شئے ہے۔ یہ تو ایک مضبوط و راسخ عقیدہ ہے۔ یہ اکثر سُننے میں آتا ہے۔ کہ مذاہب دُنیا میں اسلام نے مختصر سے مختصر عقاید تعلیم کیئے ہیں۔ شاید ایسا ہی ہو۔ لیکن خدائے قدوس کی ذات پر ایک مسلم کا ایمان اس قدر مضبوط ہے۔ کہ وہ ہر ایک ایسی کوشش کو نہایت ہی نفرت کے ساتھ دیکھتا ہے۔ اور دراصل اسے کفر ہی سمجھتا ہے کہ جس میں خدائے واحد کے

ساتھ شرک لازم آجائے۔ اور دراصل یہ تو سمجھ ہی نہیں آتا کہ خدا بھی ہو اور کوئی اُسکے ہم پلہ بھی ہو۔ یا وہ کس طرح کسی اور کو اپنی صفات میں شریک کر سکتا ہو وہ ہی ایک خدا ارفع واعلیٰ ہے۔ وُہ ہی ایک معبود ہو سکتا ہے۔ پھر اس کے مقابل کسی کا یہ کہنا کہ تین یا دو کامل قدرت کے مالک ہو سکتے ہیں مسلمان کے نزدیک بالبداہت ایک قسم تضاد ہے۔ سینٹ اتھے نوسیس کا عقیدہ جو اس وقت مسیحی عقیدہ کہلاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ "ایک اقنوم باپ دوسرا اقنوم بیٹا تیسرا اقنوم روح القدس لیکن خدا باپ اور خدا بیٹا اور روح القدس الوہیت میں متحد پھر اُن کا جلال یکساں اور شوکت ازلی وابدی" یہ عقیدہ ایک مسلم کی نگاہ میں بے معنی کفر اور مجموعہ تضاد ہے عیسائی مذہب کے حامی وزینت دھندگان علی العموم کہا کرتے ہیں کہ اسلامی الٰہیات میں کوئی ایسا مسئلہ نہیں کہ جس کے ماتحت خدا کو باپ کر کے پکارا جائے یہ بالکل صحیح ہے۔ اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمان انسان اور خدا میں وہ رشتہ تسلیم کرتے ہیں۔ جو اُن تعلقات سے بہت ہی ارفع ہے کہ جسے باپ اور بیٹے کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں۔ لفظ باپ ان پدرانہ فرائض کی ادائیگی کیطرف اشارہ کرتا ہے جو باپ کے ذمہ پڑی ہوتی ہیں۔ لیکن خدا تو انسان کے مقابل کسی ایسی ذمہ داری کے ماتحت نہیں۔ وہ ازلی ابدی بادشاہ ہے۔ اس کی مرضی ہر انسان کی مرضی پر غالب ہر مرد اور عورت کو اسی کی رضا جوئی مدنظر ہونی چاہیئے۔ اسلام ایک ذومعنی لفظ ہے۔ رضاء الٰہی کی اطاعت اور امن وسلامتی کو حاصل کرنا دراصل پہلی بات سے دوسری بات حاصل ہو جاتی ہے۔ ایک مقصد اور دوسرا ذریعہ حصول مقصد۔ اسلامی خدا کسی قوم کے فرقہ کا خدا نہیں اور نہ ہی اسلام کسی قوم یا فرقہ کا مذہب ہے۔ بلکہ یہ کل بنی نوع کا مذہب ہے۔ اسلام میں اللہ کو رب العالمین پکارا گیا ہے۔ لہذا اگر اور بھی مسکونہ ممالک و دنیا ہے تو اللہ ہی سب کا رب ہے۔ اور انسانی اخوت ان تمام دنیاؤں کے باشندگان تک پہنچتی ہے۔ اور یہ اخوۃ اسلام کا ایک مضبوط اصول ہے۔ جس نے عملی جامہ بھی پہن رکھا ہے۔

عیسائی مذہب جو انسان اور خدا میں رشتہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس نے خالق اور مخلوق میں ایک اس قسم کی مفروضہ یگانگت پیدا کرنی چاہی ہے۔ جس سے رُوح کو نفرت ہوتی ہے اور جس میں نہ کوئی آداب کا لحاظ رہتا ہے نہ عبادت۔ جب ایک انسان دعا کرتا ہے اور اُسکے مقابل خدا کے افضال اپنے پر نازل ہوتے دیکھتا ہے تو وُہ قرب الٰہی کو محسوس کر سکتا ہے

کیا ایسی حالت ایک خوش باشی کی حالت ہے۔ نہیں بہتر یہ کہنا ہوگا۔ کہ ایک انسان جُوں جُوں اُس کے فضلوں کو دیکھے۔ توں توں رُعب الٰہی اُس پر طاری ہو +

الرحمن۔ الرحیم۔ ان الفاظ میں وہ شان و شکوہ و جبروت ہے۔ کہ جو کسی اور لفظ سے ظاہر نہیں ہوتی۔ اس کی رحمت کی کوئی حد ہی نہیں۔ تو پھر جب مسلمان خدا کی رحمت اور افضال کو اِس قدر وسیع سمجھے ہوئے ہیں۔ اور جب اُس کے ایمان میں اُس کا جلال و شوکت اس قدر عظیم الشان ہے۔ تو کیا یہ عجب ہے۔ کہ وہ ایسے خدا کی عبادت و ستائش میں سر بسجود ہو کر اپنی پیشانی زمین پر رکھدے۔ اِس تمام جہانوں کے بادشاہ کے لیئے مُسلمانوں نے اللہ کا نام تجویز کیا ہے۔ یہ وہ نام ہے جو سوائے اس ایک معبود کے کسی پر آج تک استعمال ہی نہیں ہوا۔ یہ وہ نام ہے کہ جس میں تمام ایسے اسماء حسنہ آجاتے ہیں۔ جو کوئی گن سکتا ہے +

اِسلام جیسے کہ بیان ہوا محض عقیدہ نہیں۔ بلکہ یہ ایک زندگی ہے۔ جس پر چلنا ہوگا۔ قرآن میں ہدایات زندگی ہیں۔ جن میں بعض ایسی ہیں کہ جن کو روزانہ زندگی کے چھوٹے چھوٹے امور کہا جاسکتا ہے۔ لیکن انھیں چھوٹی باتیں نہیں سمجھنا چاہیئے۔ جب یہ خیال کر لیا جاوے کہ انسان نے خدا کے لیئے ہی زندگی بسر کرنی ہے۔ مُسلمان خدا کے لیئے ہی جیتا ہے۔ خدا ہی اُس کی تمام امیدوں۔ تمام تسلیوں و خوشیوں کا مرکز ہے۔ مُسلم زندگی کا مقصد ہی حبل اللہ کے ساتھ وابستہ ہونا اور علمِ الٰہی کا حاصل کرنا ہے۔ گہوارہ سے چل کر قبر تک مُسلمان خدا اور صرف خدا کے لیئے جیتا ہے +

از

جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی مسلم مشنری۔ایڈیٹر اسلامک ریویو مجریہ ووکنگ لندن۔ یہ وہ معرکۃ الآرا خطبے ہیں۔ جو جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنے قیام یورپ میں ناآشنایان اسلام کو اسلام سے معرّفت کرانے اور ان پر حقانیت اسلام متحقق کرنے کے لیئے انگلستان۔فرانس اور سکاٹلینڈ کے مختلف مقامات پر سرمن۔لیکچر اور تقریروں کی شکل میں دیئے۔اس کے پڑھنے سے ہر ایک شخص نہ صرف اسلام کی خوبیوں اور اسکے معنوں سے ہی واقف ہو جاتا ہے۔ بلکہ دیگر مذاہب کے مقابل اُسے اسلام کی افضلیت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ان خطبوں میں سے چند خطبات ہم نے بعض احباب کی بار بار فرمائش سے اردو میں ترجمہ کرائے ہیں۔جو اس وقت زیر طبع ہیں۔ان خطبات کے مضامین کے لحاظ سے اُنھیں مختلف جلدوں میں حسب ذیل ترتیب دیا ہے۔

سلسلہ خطبات غربیہ ما

مسجد ووکنگ کے ابتدائی خطبات

یہ وہ چار سرمن ہیں جن کے ذریعہ اسلام سے قطعی ناآشنا اہل انگلستان کو اسلام سے معرف کرایا گیا۔اور اُنھیں چار خطبات سے جو قریبًا یکے بعد دیگرے ہوئے۔ مسجد ووکنگ بعض غیر مسلم سکان ووکنگ کے لیئے بھی مستقل معبد بن گئی۔اور اُنھوں نے اپنے گرجاؤں کو چھوڑ کر مسجد میں آنا شروع کر دیا۔ بتفصیل ذیل:۔ (۱) میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی۔ (۲) خدا کی کامل تصویر۔ (۳) اسلام و بپتسمہ آتشین ہے۔ (۴) الہام ایک فیض ربوبیت ہے۔

ووکنگ مشن فنڈ بڑھانیکی ایک آسان تجویز

اسلامک ریویو کے گذشتہ سالہائے کے پرچے ہم نے اس لیئے نصف قیمت پر کردیے ہیں - کہ ان کی قیمت کو ووکنگ مشن کے اخراجات پر لگایا جاوے - اسلامک ریویو کے پہلے دو سال کے پرچے قیمت فی جلد ۸؍ اس لیئے بھی خریدنے کے قابل ہیں کہ ان پرچوں سیاہ ظلمت اور شب دیجور تاریکی مین بجلی کا کام کیا - ایسے وقت جب اسلام کے چہرہ پر افترا - غلط فہمی اور غلط بیانی کی سیاہ چادر پڑی ہوئی تھی - اسلامک ریویو نے اس چادر کو پھاڑ اسلام کے منور چہرہ سے یورپین آنکھوں میں چکا چوند کر دی مکمل جلد اسلامک ریویو ۱۹۱۵ء کی قیمت (۴؍) جو اصلی قیمت سے نصف ہے - اور اردو پرچہ ۱۹۱۵ء کی مکمل جلد قیمت ۸؍ - ان پرچوں کو خریدنا ہی بہترین کار ثواب ہے +

پتہ - مینیجر دفتر رسالہ اشاعت اسلام - عزیز منزل - نولکھا - لاہور

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ

حضرت مولینا مولوی محمد علی صاحب ایم - اے - ایل ایل - بی کے وجود باجود سے علمی و مذہبی دنیا بخوبی واقف ہے - آپ نے حال ہی میں قرآن کریم کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے جو لندن میں زیر طبع ہے - اردو خوان پبلک بالخصوص مسلمان احباب کو مبارک ہو - آپ نے قرآن کریم کے تفسیری نوٹوں کو اردو میں بھی شایع کرنا شروع کر دیا ہے - جس کے دو حصہ شائع ہو چکے ہیں پہلے حصہ میں صرف پارہ اول کے نوٹ ہیں اور دوسرے میں جو نکات القرآن کے نام سے شائع ہوا ہے - سورہ بقرہ ختم کر دیگئی ہے +

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ - حصہ اول (۶؍) نکات القرآن حصہ دوم (۶؍) - حصہ سوم - (۸؍)

المشتہر

مینیجر رسالہ اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس عزیز منزل - نولکھا - لاہور

مفید کتابیں

رہنمائی ریلوے — ہر شخص کو ریل کے سفر میں اس مفید کتاب کو ہمراہ رکھنا چاہیے کرایہ وقت وغیرہ سب اسمیں درج ہیں قیمت ۱؍

گھر کا درزی — جو چیز چاہو کرتہ پاجامہ قمیض گھر بیٹھے اس کے ذریعہ سے سی لو یہ کتاب بڑا کام دیتی ہے قیمت ۵؍

پیام عاشق — اس کتاب کے دو حصہ ہیں اور نہایت دلچسپ طریقے سے عاشقانہ خط و کتابت درج ہے قیمت حصہ اول ۴؍ دوم ۴؍

زندگی کی بہار — از حکیم محمود خان صاحب دہلوی جسمیں کل کیفیت عیش و عشرت مرد و عورت کے تمام مفصل حالات مع علاجات درج ہیں قیمت ۱؍

صابن سازی — اس کتاب میں انگریزی دیسی صابن بنانے کے صدہا نسخے درج ہیں بغیر مدد استاد جتنا دل چاہے صابن بنا لیجئے قیمت ۱؍

کھیتی باڑی — ہر قسم کے پیداوار کے بافراط ہونے کی ترکیبیں زمیندار لوگوں کے لئے نہایت مفید کتاب ہے قیمت ۸

رنگریز — جس رنگ کے کپڑے رنگنے ہوں اس کتاب کو سامنے رکھکر رنگ لیجئے قیمت صرف ۲؍

معلم انگلش — انگریزی سکھلانے والی عجیب کتاب ہے استاد کی ضرورت نہیں نہایت ہی مفید کتاب ہے قیمت ۱۲؍

ذخیرہ دستکاری — اس نایاب کتاب میں ہر چیز کے بنانے کی آسان ترکیبیں درج ہیں ہر شخص بلا مدد استاد جو چیز چاہے بنا سکتا ہے مصنف کا حلفیہ دعوے ہے کہ اگر کوئی ترکیب معمولی یا جھوٹی بتائے تو اسکو مبلغ سو روپیہ انعام دیا جائیگا قیمت ۸

قیافہ — علم قیافہ جس سے ہر شخص ہاتھ دیکھکر تمام حال بتا سکتا ہے اسکی تمام ترکیبیں اس مفید کتاب میں لکھی گئی ہیں شائقین ضرور ملاحظہ فرماویں قیمت صرف ۳؍

مجربات الم — اس کتاب میں تمام بیماریوں کا علاج نہایت مختصر و بامطلب اردو عبارت میں تحریر کیا گیا ہے واقعی اگر اسکو علم طب کی پاکٹ بک کہیں تو بجا ہے۔ خوبی یہ کہ جو نسخہ ہے وہ آزمودہ اور مجرب ہے قیمت صرف ۵؍

وعظ سکھانیوالی — اس کتاب کے ذریعہ ہر شخص پورا واعظ بن سکتا ہے بہت ہی مفید اور قابل دید کتاب ہے قیمت صرف ۴؍

ناظم مکتبہ عالیہ دار السلطنت دہلی

القمر دہلی

ایک مشہور علمی - ادبی - اخبار

جو

مقدس و ممتاز علما و مشاہیر اہل قلم کی سرپرستی و نگہبانی میں زینت عالم ہو کر افق دہلی سے نمودار ہوتا ہے

جس میں آجکل سیرۃ الحبیب کا ایک نہایت مفید اور قابل دید سلسلہ شروع ہے - سالانہ چندہ بذریعہ خط و کتابت دریافت ہو سکتا ہے نمونہ کا پرچہ مفت +

منیجر القمر دہلی

سلسلہ خطبات غربیہ ۲

اسمیں ذیل کے چار خطبہ درج ہیں

(۱) توحید الٰہی بمقام وائیٹ سٹی شیپرڈ بش۔ (۲) اللہ تعالےٰ کی تعلیم کردہ دُعا۔ بمقام ووکنگ (اسمیں سورہ فاتحہ کی ایک لطیف تفسیر ہے۔ (۳) دُعا اور استجابت دعا بمقام ایسکس ہال لندن (۴) تصوّف بمقام فوکسٹن +

سلسلہ خطبات غربیہ ۳

خطبات عیدین

(۱) عمل ہی آزادی بمقام کنگسٹن ہال لندن (۲) قربانی اور اُس کی حقیقت بمقام مسجد ووکنگ + (۳) سنت ابراہیم بمقام مسجد ووکنگ + نوٹ: اسمیں تیسرا خطبہ حضرت مولوی صدرالدین صاحب کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ہے +

سلسلہ خطبات غربیہ ۴

موجودہ جنگ

(۱) موجودہ جنگ اور شارع اسلام بمقام ووکنگ + (۲) موجودہ جنگ اور عیسائیت (بمقام لنڈن) (۳) موجودہ جنگ اور تہذیب۔ بمقام ووکنگ +

یہ تین خطبات جنگ کے چھڑنے کے دُوسرے ہفتہ یکے بعد دیگر دیئے گئے اور بذریعہ اسلامک ریویو کے ذریعہ عام طور پر مغربی دنیا میں پھیلائے گئے۔ انکے مضامین نے وہاں کے پبلک پریس میں ایک خاص انتشار پیدا کر کے امریکہ اور انگلستان کے بعض اہل قلم سے اسلام کی حمایت میں زبردست مضامین لکھوائے +

سلسلہ خطبات غربیہ ۵

دہریوں اور ملحدین کو خطاب

(۱) اسلام اور عیسائیت کے بنیادی اصول اور اُنکا مقابلہ۔ کیمبرج کا وہ مشہور و معروف لیکچر جو ایک ملحدین کی کلب کی فرمائش پر طلبائے کیمبرج یونیورسٹی کو دیا گیا۔ (۲) دہریوں کے لیئے ایک دلچسپ مطالعہ (الف) (۳) دہریوں کے لیئے ایک دلچسپ مطالعہ (ب)

دوسرا تیسرا لکچر مسجد ووکنگ میں اتوار کے خطبات میں بعض خواتین کی فرمائش پر دیا گیا +

سلسلہ خطبات غربیہ ۶

اسلام اور دیگر مذاہب

(۱) خصوصیات اسلام (بمقام پیرس) + (۲) اسلام عیسائیت اور دیگر مذاہب (بمقام اڈنبرا)
(۳) عیسائیت اور دیگر مذاہب کی موجودگی میں اسلام کی ضرورت (بمقام لنڈن) +

پہلا خطبہ وہ معرکۃ الآراء تقریر ہے جو جولائی ۱۹۱۳ء میں بمقام پیرس (فرانس) مذہبی کانفرنس میں کی گئی۔ یہی وہ تقریر ہے جس کو سُن کر فضلائے یورپ کی توجہ اسلام کی طرف ہوئی۔

سلسلہ خطبات غربیہ ۷

حقوق نسوان

(۱) عورت نے یہودیت سے چل کر اسلام تک کیا کیا انقلاب دیکھے +

یہ وہ معرکہ کا لکچر ہے جو اعلےٰ طبقہ کی خواتین کی فرمائش پر لائسیم کلب پکیڈلی لنڈن میں ۲۰ رمئی ۱۹۱۳ء کو دیا گیا۔ اس لکچر سے انگلستان میں فرقہ انات کو اسلام کی طرف خاص توجہ ہوئی +

(۲) ایک خطبہ نکاح جو مسجد ووکنگ میں ہوا۔ یہ خطبہ پڑھا گیا + مُحرر رسالہ

نوٹ۔ امید واثق ہے کہ **خطبات غربیہ** کا سلسلہ جو آجکل زیر طبع ہے عنقریب شائع ہو جاوے گا جن کی قیمت غالباً فی خطبہ چار یا پانچ آنے ہوگی۔ یہ دریایاب قابل مطالعہ ہیں۔ احباب درخواست خریداری ارسال فرمانے میں عجلت فرمائیں۔ دنیز ہم اپنے ناظرین کرام کو خوشخبری دیتے ہیں کہ ہمنے **اشاعت اسلام بک ڈپو** کو وسیع پیمانہ پر کھولدیا ہے۔ ہم ہر ایک قسم کی اسلامی کتاب اپنے قارئین کرام کو بہم پہنچائیں گے اس کام کا اجراء ان شیدائے اسلام کا بار بار تقاضہ ہے جو ہم سے ہندوستان کے دور دراز گوشہ میں مقیم ہیں۔ جہاںتک اسلامی کتب کا میسر آنا امر محال ہے +

والسلام

تمام درخواستیں بنام منیجر اشاعت اسلام بک ڈپو عزیز منزل۔ نولکھا لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا۔

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی) و مولوی صدر الدین (بی۔اے۔بی۔ٹی)

جلد (۲) بابت ماہ جون سنہ ۱۹۱۶ء نمبر (۶)

فہرست مضامین

ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ مئی سنہ ۱۹۱۶ء

ماہ جون سنہ ۱۹۱۶ء کو مرزا یعقوب بیگ صاحب آنریری سیکرٹری

احمدیہ سٹیم پریس

قیمت سالانہ تین روپے

حسن خلق کا داعی - صدق وصفا کا مبلغ - راہنمائی حقیقت و آئین اصول کا زبان حال (آرگن)

ایک جدید روزانہ اخبار

العصر

جو ایسے ہاتھوں میں ہوگا کہ تمام مہمات امور میں ملک و قوم کی صحیح نیابت کرینگے اور راعی و رعایا کے تعلقات کو زیادہ خوشگوار بنائیں گے۔ یہ اخبار عنقریب شائع ہوگا اور اس کے مقاصد یہ ہیں :-

(۱) ہر ایک قسم کی مفید و سودمند و معنی خیز - ساری دنیا کی اہم خبریں جن کی واقفیت اہل ہند کیلئے ضروری ہے حتی الوسع سب سے زیادہ اور سب سے پہلے ناظرین کے روبرو پیش کرنا - جنکی فراہمی کے لئے اس کے مخصوص و ممتاز وسائل و ذرایع ہوں گے۔

(۲) دعوت حق و خدمت صدق - اہل ہند کو آئین و اصول کا خوگر بنانا کہ گوناگون وسائل عظمت سے یہ ملک بھی زیر سایۂ برطانیہ آئینی طریق پر مستفید ہوتا رہے۔

(۳) ترقی علم و عمل - (۴) ملک و قوم کی حقیقی نمایندگی و ترجمانی۔

(۵) ظاہری و باطنی خوشحالی و ترقیات کی جائز کوشش - عام اخباری اغراض کی جامعیت - اور شخصیات سے بے طرفی و برأت۔

دوسری اہم خصوصیات اس کی یہ ہوں گی :-

(الف) ہر ایک معاملہ پر نہایت سنجیدگی و متانت سے بحث کریگا۔

(ب) ہر ایک طریق سے پبلک کی حقیقی رہنمائی کو پیش نظر رکھے گا۔

(ج) ہر ایک امر میں ملک و قوم کی سچی خدمت گذاری پر ثابت قدم رہے گا۔

(د) حفظ صحت کے متعلق بھی اس میں وقتاً فوقتاً مفید مضمون شایع ہوا کرینگے۔ انشاء اللہ تعالی۔

ایک ممتاز خصوصیت اس اخبار کی یہ بھی ہوگی کہ جنس لطیف کا بھی یہ آرگن ہوگا۔ یعنے اس کے ہر نمبر میں شریف مستورات کے متعلق ایسے تابناک جواہر ریزے ہوا کریں گے جن کی معنوی درخشندگی خاص طور پر ولولہ انگیز علم و عمل ہوگی۔

شرح چندہ

سالانہ	۱۲؎
ششماہی	۶/۸
سہ ماہی	۳/۸
ماہوار	۱/۴
فی پرچہ	۱/

منیجر العصر برانڈرتھ روڈ لاہور سے فوراً درخواست کیجئے

Yours in Allah, Dudley Wright.
Mohammad Sadiq.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو و مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۲) - بابت ماہ جون سنہ ۱۹۱۶ء - نمبر (۶)

شذرات

اس رسالہ کے ساتھ جو تصویر شایع ہوتی ہے وہ مسٹر ڈڈلے رایٹ مشہور اخبار نویس کی ہے جس کا اسلامی نام محمد صادق ہے۔ اُنھوں نے گذشتہ عید سے پہلے اسلام قبول کیا تھا اور انہی ایّام میں اس کے بعض مضامین عید کے متعلق مختلف اسلامی اخباروں میں نکلے تھے۔

ووکنگ مشن اس ماہ میں پھر خدا کے فضل سے ایک عمدہ تعداد نو مسلمین کے اضافہ کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔ یعنی یکم اپریل سے ۲۷ اپریل تک چھ نئے ممبروں کا نام رجسٹر میں داخل ہوا۔ جن میں سے ایک پُرانے مسلمان ہیں اور باقی پانچ معزز انگریز ہیں جنھوں نے اس ماہ میں اسلام قبول کیا۔ جن میں سے ایک خاتون اور چار مرد ہیں۔ یہ خاتون آنریبل مسز ہیچ گفورڈ ہیں۔ جن کا اسلامی نام حمیدہ بیگم رکھا گیا۔ ان کے اسلام کے متعلق پچھلے ماہ کے رسالہ میں مفصل اور دلچسپ رپورٹ قدوائی صاحب کی قلم سے شایع ہو چکی۔

ایک اور صاحب جنھوں نے اس ماہ میں اسلام کا اعلان کیا ہے مسٹر سکیبی ہیں۔ جو

ایک نومسلم خاتون مسز امینہ سیکسبی کے خاوند ہیں۔ یہ خاتون اشاعت اسلام کے لیئے خاص درد رکھتی ہیں۔ اور سات آٹھ ماہ سے مسلمان ہو چکی ہیں۔ انہی کے اخلاص اور جوش کو دیکھ کر اور ان کے وجود میں اسلامی خوبیوں کا عملی نمونہ دیکھ کر خود مسٹر سیکسبی نے بھی ۲۱ اپریل کو نماز جمعہ میں اسلام کا اعلان کیا۔

مگر یہ امینہ کے جوش تبلیغ کا ہی نتیجہ ہوا اور اشخاص کا اعلان اسلام تھا جو اسی جمعہ کو ہوا اور اس طرح پر گڈ فرائیڈے اسلام کے لیئے ایک مبارک جمعہ ثابت ہوا۔ ان دونوں اشخاص کو مسز سیکسبی امینہ نے بذریعہ خط و کتابت تبلیغ کی۔ یہ دونوں فوجی آدمی ہیں اور جمعہ کے روز ان کے تحریری اعلان تمام مجمع میں پڑھے گئے۔ ان میں سے ایک صاحب کا نام بشیر اور دوسرے کا نام عزیز رکھا گیا۔ اور مسٹر سیکسبی کا نام امین تجویز کیا گیا +

ایک صاحب جو فوج میں کپتان ہیں وہ بھی اسلام کا اعلان کر چکے ہیں لیکن ان کے نام کا سردست اعلان نہیں کیا گیا۔

انگلستان میں پرانے مسلمانوں میں ریٹائرڈ میجر جنرل جی بی ڈکسن ہیں۔ اب ان کے نام کا بھی برٹش اسلامک سوسائیٹی کے ممبران میں اضافہ ہوتا ہے +

بعض ان خواتین کا جوش تبلیغ جنھوں نے حال میں ہی اسلام قبول کیا ہے قابل رشک ہے۔ وہ لوگ جو اباً عن جد مسلمان چلے آتے ہیں۔ اگر ان میں اس جوش کا عشر عشیر بھی ہوتا تو آج اسلام دنیا میں ایک کثیر گروہ کو جو ابتک غلطیوں میں مبتلا ہے راہ حق پر لا چکا ہوتا۔ ان میں سے ایک خاتون مسز امینہ کا ذکر اوپر ہو چکا ہے تین اعلان ایک جمعہ میں انہی کی تبلیغ سے ہوئے۔ اور سب سے بڑھ کر قابل تعریف یہ بات ہے کہ انھوں نے اپنے خاوند کو اپنا ہمخیال کر لیا ہے جس سے انکی صداقت اور خلوص کا کھلا کھلا ثبوت ملتا ہے۔ علاوہ ان تین کے اس سے پہلے انہی خاتون کے ذریعہ سے عفیفہ میری اسلام قبول کر چکی ہیں اور اس طرح پر سات آٹھ ماہ کے عرصہ میں چار مسلمان ان کے ذریعہ سے ہو چکے ہیں۔ خود ان کا صاحبزادہ بھی عنقریب اعلان اسلام کرنیوالا ہے اور دو اور اشخاص بھی اُن کے زیر اثر ہیں جو عنقریب اعلان اسلام کریں گے +

* دوسری ڈاک میں اطلاع پہنچ گئی ہے کہ ان دو اشخاص نے اعلان اسلام عید کے روز ہی کر دیا۔ انہیں سے ایک مرد اور ایک خاتون ہیں +

دوسری خاتون جن کو اللہ تعالیٰ نے تبلیغ اسلام کا خاص جوش بخشا ہے۔ شریفہ بیگم صاحبہ ہیں ان کے ذریعہ سے بھی اب تک کوئی سات آٹھ اشخاص داخل اسلام ہو چکے ہیں +

اگر ان مسلمانوں میں جو وقتاً فوقتاً انگلستان میں گئے ہیں ان خواتین کے جوش تبلیغ اسلام کا دسواں حصہ بھی ہوتا۔ اور ایک ایک مسلمان بھی اُن کے ذریعہ سے ہوتا تو آجتک انگلستان میں ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہوتے۔ یہ کس قدر شرم کا مقام ہے کہ نومسلم خواتین کے ذریعہ سے تو کئی کئی مسلمان ہوجائیں۔ مگر ہمارے وہ بھائی جو انگلستان میں جاتے ہیں ایسا نمونہ نہیں دکھا سکتے جو ایک ہی دل کو اسلام کی طرف مائل کرلے۔ ہاں مسلمانوں کو اگر فکر ہوتی ہے تو یہ کہ وہ جو ولایت میں مسلمان ہوتے ہیں ان میں فلاں کمزوری ہے۔ کاش وہ دوسروں کی کمزوریوں کو تلاش کرنے سے پہلے اپنی کمزوریوں کا علاج کرتے اور دنیا کو دکھاتے کہ ایک مسلمان بغیر تنخواہ دار ملازم ہونے کے اسلام کی تبلیغ کا کس قدر جوش اپنے دل میں رکھتا ہے۔ یہی وہ بات تھی جس نے دنیا کی گردنوں کو اسلام کے سامنے جھکا دیا تھا۔ کہ اس کا ادنےٰ سے ادنےٰ خادم کہیں چلا جاتا تو اپنے ہزاروں کاموں میں بھی اس اصلی اور حقیقی کام کو جس پر قوم کی زندگی اور ترقی کا دارومدار تھا نہ بھولتا تھا۔ کہ سب سے پہلے اس نے اس نعمت عظمےٰ کی اطلاع دوسروں کو دینی ہے جس سے وہ خود بہرہ ور ہوا ہے۔ پھر آج یہ کیسی مردنگی مسلمانوں پر چھا گئی کہ ہزاروں میں سے ایک بھی ایسا نہیں نکلتا جو دوسری جگہ جاکر اسلام کی عظمت کا کچھ نقشہ دلوں پر بٹھا سکتا۔ خدا نے اس قوم کو کس بلند مقام پر کھڑا کیا تھا۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تم بہترین قوم ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لیئے پیدا کیئے گئے ہو پھر ان کا امتیاز یہ تھا کہ یدعون الی الخیر لوگوں کو اس عظیم الشان خیر اسلام کیطرف بلاتے رہیں جس کے قبول کرنے میں دنیا کی حقیقی بہتری ہے۔ افسوس کہ مسلمانوں کے پاس وہ جوہر تھا جس سے دُنیا کو یہ بڑے بڑے فواید پہنچا سکتے تھے۔ مگر انھوں نے ایسا چھپایا۔ کہ آخر خود بھی ان کو شک ہوگیا کہ ہمارے پاس فی الواقع کوئی خوبی کی بات ہے بھی یا نہیں۔ کاش اب بھی سنبھلیں اور تبلیغ اسلام کو اپنا سب سے پہلا فرض سمجھیں +

خدا کا شکر ہے کہ ووکنگ مشن نے ان نومسلموں کو پیدا کیا ہے جو اپنے اندر جوش تبلیغ بھی کمال درجہ کا رکھتے ہیں۔ یہ نہ صرف ان نومسلموں کے خلوص پر اور ان کی اسلام کے ساتھ قلبی

محبت پر شہادت ہے۔ بلکہ خود ووکنگ مشن کے کام کرنے والوں کے خلوص اور اُنکی نیکی پر بھی ایک شہادت ہے۔ کیونکہ جس قدر زیادہ تعلق ووکنگ مشن سے کسی نومسلم کا ہوا ہے۔ اسی قدر زیادہ اس میں تبلیغ اسلام کا جوش بھی پایا جاتا ہے اور یہ ہو نہ سکتا تھا جب تک کہ ووکنگ مشن کے کارکن نیکی کا وہ نمونہ دکھاتے جو ایک تعلیمیافتہ قوم کے دل پر ایسا گہرا اثر کرتا۔ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ بیرونی مخالف اور اندرونی حاسد جو چاہیں کہیں۔ ووکنگ مشن کے نومسلین کا یہ جوش تبلیغ ان کی تمام مخالفانہ اور حاسدانہ شرانگیزیوں کا کافی جواب ہے۔ ہاں یہ اپنی کسی قابلیت پر فخر نہیں بلکہ محض خدا کے فضل نے یہ تمام سامان مہیا کیے ہیں۔ ورنہ عاجز انسان کیا کر سکتا ہے۔ اللہ تعالےٰ ہی جسکے نام کا بلند کرنا ہی اس مشن کی اصل غرض ہے۔ یہ دُعاء ہے کہ وہ اپنے فضل سے اس کے تمام کاروبار کو چلائے ❖

مسئلۂ زندگانی ۲

تبدیلی کا لاتبدیل قانون

(از پروفیسر نورالدین سٹیفن)

ہر لحظہ زندگی کا ہے صورتیں بدلنا ❖ جو کل تھا اب نہیں ہے جو اب ہے کل نہ ہوگا

"مسئلۂ زندگانی" کے سلسلہ میں میںنے اس فقرہ کو جو اس مضمون کا عنوان ہے اکثر استعمال کیا ہے۔ لیکن مجھے بتلایا گیا ہے کہ یہ فقرہ بذات خود متضاد ہے یا خود ہی ایک استثناء ہے جو تبدیلی کے ساتھ لفظ لاتبدیل کی اجازت نہیں دیتا۔ اور جو قانون لاتبدیل ہے اس میں استثناء کے کیا معنے ہیں۔ جواباً کہتا ہوں کہ (۱) قانون کیا ہے؟ محض ایک جملہ یا چند الفاظ کا مجموعہ جو کسی مسلمہ قاعدہ زندگی یا واقعہ زندگی کو بیان کرے۔ (۲) میں قانون تبدیلی کے متعلق لفظ لاتبدیل کا استعمال کرتا ہوں کیونکہ مجھے اس دُنیا یا زندگی یا خلقت یا نسل انسانی میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں ملتی۔ جس پر کہ اس

قانون کے عمل کا اثر نہ پڑتا ہو ؎

ہر موجود معدوم ہونے والا ہے۔ ہر ایک شئے جو زمانہ حال میں موجود ہے ایک دن ہو چکی ہوگی۔ زمانہ کی تلون مزاجی بغیر کسی تغیر تبدل کے جاری ہے۔ کوئی ذات اور کوئی شئے اس سے بری نہیں ہو سکتی۔ نہ اس عالمگیر قانون فطرت کو اپنے اوپر اثر پذیر ہونے سے روک سکتی ہے۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ سائنس نے ایک حد تک اُس کے اثر کو تھوڑے عرصہ کے لیئے روک لیا ہے یعنی دیرپا بنا دیا ہے۔ یا بعض حالات کے ماتحت اس کو تبدیل بھی کر دیا ہے۔ لیکن یہ امر قابل یادداشت ہے کہ اُس کو بھی محض ایک محدود عرصہ کے لیئے دیرپا کہا جا سکتا ہے نہ کہ وہ تغیرات زمانہ سے بالکل محفوظ ہے۔ علاوہ ازیں جب اس کی عارضی دیرپائی کو دور کر دیا جاتا ہے تو زمانہ نہایت تیزی سے اُسے اپنی دست بُرد میں لاتا ہے۔ گویا معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ اس دیرپائی کا معاوضہ بھی کئی گنا تیزی کیساتھ لیتا ہے چنانچہ اس قانون میں کوئی استثنا نہیں ہے۔ کیونکہ اعلےٰ اور ادنےٰ ہر دو امور میں اس کا عمل یکسان اور عالمگیر ہے۔ ہاں صرف وقت کے لحاظ سے اختلاف ہو جایا کرتا ہے۔ بعض حالات میں بقاء اور فنا کا زمانہ گھنٹوں اور بعض میں دنوں اور بعض میں سالوں اور بعض تین صدیوں ظاہر ہوتا ہے بظاہر یہ سلسلہ اس قدر آہستہ چلتا ہے کہ ایک پشت بلکہ میں کہتا ہوں کہ کئی پشتوں میں بھی اس تبدیلی کا مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن تمام چیزیں اس عظیم الشان قانون کے ماتحت ایک انجام کی طرف چل رہی ہیں۔ خلقت آج اور جیسا کہ پہلے بھی بنتی ہے گرتی ہے اور پھر بنتی ہے۔ قدیم طور طریق مٹ جاتا ہے اور اس کی بجائے نیا قاعدہ شروع ہوتا ہے۔ لیکن یہ کسی تبدیلی کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ اُسی غیر متغیر قانون قدرت کے عین مطابق اور ماتحتی کے نیچے ہوتا ہے۔ اور لامتناہی دایرہ کے اندر تبدیلیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ جس طرح رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات ہوتی ہے ؎

اس مختصر رسالہ میں لمبی بحث کرنا غیر موزون ہوگا۔ اس لیئے میں چند امور بیان کرتا ہوں جن کو میں اصل حقیقت یقین کرتا ہوں اور جن سے میں چند نتایج اخذ کروں گا۔ اور پیارے ناظرین آپکو اختیار ہے چاہے آپ اُن کی تائید کریں یا اختلاف کریں۔ کیونکہ آپ کو بھی مثل میرے آزادانہ خیالات کا حق حاصل ہے ؎

ہم اپنے عام محاورہ گفتگو میں جب کسی چیز کے متعلق یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اس میں تبدیلی

نہیں آتی تو کہدیتے ہیں ایسی مضبوط جیسے پہاڑ۔ لیکن بعض عام اور شاعرانہ فقروں کی طرح یہ بھی غلط العام ہے۔ کیونکہ دُنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔ جیسا کہتے ہیں کہ اٹل پہاڑیاں یا غیر تبدیل ہونے والے پہاڑ۔ سائینس (یا علم طبقات الارض) سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمالیہ پہاڑ بھی اپنی موجودہ شکل میں شروع سے ایسے نہیں تھے۔ بلکہ اسی قانون کے عمل کا نتیجہ ہیں۔ پروفیسر ہکسلے کا بیان ہے کہ ایک ایسا بھی زمانہ تھا۔ جبکہ الپس اور پیرنیز پہاڑوں کا کوئی وجود نہ تھا۔ اور یہ اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم کو ان پہاڑوں کے پہلو میں اُن چٹانوں کے ٹکڑے ملتے ہیں جو ان پہاڑوں کے پہلے سمندر کی تہ میں تھے اور جس طاقت نے ان پہاڑوں کو زمین کے اوپر رکھا۔ اسی کی وجہ سے یہ چٹانی ٹکڑے بلند ہو کر پہاڑ کے پہلو میں جا پڑے۔ اس امر پر دوسرا مصنف یعنی لنگ اسطرح روشنی ڈالتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جس قدر ہم علم طبقات الارض کا مطالعہ کرتے ہیں اُتنا ہی صاف واضح ہوتا ہے کہ زمین ہمیشہ ایک متواتر تبدیلی کر رہی ہے اور کرتی رہے گی۔ اب اگر ہم یہ دریافت کریں کہ کتنی مدت یا کے پشتوں سے یہ تبدیلیاں واقع ہو رہی ہیں تو یہ بالکل بے سود ہوگا۔ کیونکہ ہمارے پاس کوئی یقینی ذریعہ نہیں ہے اور نہ ہی ایسے علم کے حصول سے کوئی فائدہ مد نظر ہے۔ لیکن سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ اس سے اس عظیم قانون قدرت کی غیر تبدیلی کا عینی ثبوت ملتا ہے۔ اور جہاں تک ہمارا اس زمین سے تعلق ہے اس قانون میں کوئی استثناء نظر نہیں آتا۔

لینگ ایک دوسرا واقعہ بھی لکھتا ہے جو بادی النظر میں حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے۔ مگر اسکی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ زمین مستحکم اور مستقل ہے اور سمندر غیر مستحکم ہے۔ لیکن حقیقت میں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ زمین ہمیشہ گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ اور سطح سمندر یکساں حالت پر قائم ہے۔ اس جگہ لفظ سطح غور کرنے کے قابل ہے۔ کیونکہ یہاں صرف سطح کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ بہر حال دیگر صورتوں میں سمندر بھی مثل زمین کے قانون تبدیلی کے ماتحت ہے۔

میں خوب جانتا ہوں کہ عینی ثبوت کا منتج نتیجہ خیز دلیل پر فوقیت رکھتا ہے۔ اور کسی کام کو عملی صورت میں دیکھنے کو بعض پڑھنے پر ترجیح دیجاتی ہے۔ اور یہ آج بھی اور ہر روز ممکن ہے کیونکہ زمین اور سمندر کی آہستہ مگر یقینی اور متواتر تبدیلی ہمارے سامنے موجود ہے سمندر کبھی ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ اپنا قبضہ جما لیتا ہے۔ کبھی ایک جزیرہ کو ایک جگہ غرقاب کر دیتا ہے۔ اور دُوسری

جگہ وہ سہارا جزیرہ بنا دیتا ہے۔ ایک جگہ دریا کا دہانہ مٹی سے پر ہو کر بند ہو جاتا ہے اور دوسری جگہ دوسرا قائم ہو جاتا ہے۔ جو ذرائع اس کے لیئے استعمال ہوتے ہیں وہ زیادہ نہیں ہیں۔ دراصل ہر غرض کے واسطے صرف دو ہی ہوتے ہیں۔

(۱) بارش۔ دریا۔ سمندر کی شکل میں پانی کا مٹی وغیرہ کاٹ دینا یا جمع کر دینا۔

(۲) کوہ آتش فشاں کے پھٹنے سے بلندی وغیرہ کا ہو جانا۔

اول الذکر کا آہستہ یقینی اور متواتر ہونا۔ مؤخر الذکر کا وقفہ کے ساتھ اور نہایت تیزی و سرعت سے واقع ہونا۔

معدودے چند ہی اشخاص ایسے ہیں جو مؤخر الذکر کو اوس کے کام کے وقت دیکھ سکیں لیکن تقریباً ہر شخص ذرہ سی تکلیف اٹھا کر اول الذکر کا مشاہدہ کر سکتا ہے

مثلاً دریائے رون کو دیکھو کہ جس وقت وہ جنیوا کی جھیل میں گرتا ہے اُس کا پانی نہایت میلا ہوتا ہے لیکن پھر وہاں سے بلور کی مانند صاف و شفاف ہو کر نکلتا ہے۔ کیونکہ مٹی وغیرہ سب جھیل کی تہ میں بیٹھ جاتی ہے۔ چنانچہ یہی دریائے گنگا اور دُنیا کے دُوسرے بڑے دریاؤں کا حال ہے۔ الغرض زمانہ دراز کے بعد یہ جھیل خشک زمین بن جاتی ہے۔ اور پھر دریا دوسرا مقام تلاش کر لیتا ہے۔ اس جگہ میں ایک مقامی مثال دیتا ہوں۔ جس سے میں بخوبی واقف ہوں۔ کیونکہ میں نے گذشتہ تاریخ کے مطالعہ کیلئے یہاں ایام گرما کے دن گذارے ہیں۔ یہاں یعنی لیورپول میں ہم اپنے گھروں کے سامنے دریائے مرسے اور ڈی کو دیکھتے ہیں اور ہمیں تین نشانات معلوم ہوتے ہیں کہ کسطرح اُن میں تغیرات پیدا ہوئے ہیں۔ آؤ ہم ساحل کے کنارے نیو برائیٹن سے ہائی لیک تک چلیں اور اثنائے راہ میں مطالعہ کرتے جائیں۔ خفیف نشانات کو نظر انداز کر کے ہم میولس (چیشائر) کے قریب پہنچتے ہیں۔ اس مقام اور ہائی لیک کے درمیان ایک بڑے جنگل تک جو کہ بہت دور پانی کے کنارے تک پھیلا ہے اور غالباً مقابل کے کنارے فارمبی تک جب ہم آتے ہیں تو یہاں ہمیں بڑے بڑے درختوں کے تنے اور جڑیں دکھلائی دیتی ہیں۔ بعض گھیرے میں کئی فٹ ہیں پس ہم ایک پر کھڑے ہو کر اُس منظر کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جس جگہ اس وقت جنگی جہاز چل رہے ہیں وہ پہلے ایک خشک زمین تھی جس میں بڑے بڑے درخت اور سبزہ زار تھے۔

لیکن تھوڑا ہی عرصہ ہوُا کہ دریا نے اپنا تسلط کرلیا ہے۔ اس کے بعد ہم جزیرہ تھا دویرلی کی اسطرف یعنی دریائے ڈی کی جانب روانہ ہوں تو یہاں آکر معلوم ہوتا ہے کہ وہی پارک گیٹ جو اس وقت ایک معمولی سا قصبہ ہے۔ پہلے یہاں سے ڈاک کے جہاز آئرلینڈ اور دوسرے مقامات کو روانہ ہوتے تھے۔ اور اب وہاں طغیانی کے وقت صرف ایک چھوٹی کشتی پہنچ سکتی ہے۔ بعدازاں اگر آپکے پاس وقت ہے تو پھر قدیم چیسٹر کی طرف چلیئے اور وہاں بھی صاف اور یقین واقعات کا مشاہدہ کیجیئے یعنی دیواروں پر کھڑے ہوکر ان کڑیوں کو جن میں جہاز کے لنگر پھنسائے جاتے تھے۔ ملاحظہ کیجیئے پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ سلاطین شاہی کشتیوں پر سے دیواروں پر چلے جایا کرتے تھے۔ اسوقت آپکو اس عظیم الشان قانون اور اس کے ماتحت جو تغیرات واقع ہوئے ہیں۔ ان سب کی کیفیت واضح ہو جائے گی +

اب یہ سوال ہو سکتا ہے کہ یہ مثالیں ریت کے ذرہ کیطرح ہیں اور اُن کا اسجگہ پیش کرنا لاحاصل ہے۔ لیکن میں یہ مضمون یہ سمجھ کر نہیں لکھ رہا ہوں کہ آپ ایک تعلیمیافتہ سائینس دان ہیں۔ بلکہ اس بات کو مدنظر رکھ کر کہ آپ ایک معمولی قسم کے انسان ہیں اور اوسط درجہ کی تعلیم حاصل کیئے ہوئے ہیں۔ بہرحال میرا یہ تجربہ ہے کہ یہ چھوٹی چھوٹی مثالیں جن کو آپ خود بھی کسی وقت دیکھ سکتے ہیں۔ بہ نسبت ایک بڑی طغیانی کے جسے ایک ماہر فن کی نگاہیں دیکھ سکتی ہیں زیادہ اثر کرنے والی اور نتیجہ خیز ہوتی ہیں اور یہ بالکل بدیہی ثبوت اس بات کا ہیں کہ ہم تغیر پذیر ہونے والی زمین میں رہتے ہیں۔ جہاں کوئی چیز ساکت نہیں ہے۔ بلکہ قانون تبدیلی کے ماتحت دورہ کر رہی ہے +

یہاں تک تو مینے اُس ٹھوس زمین کے متعلق جس پر ہم رہتے ہیں بیان کیا۔ اب ہم مختصراً اس مسئلہ پر غور کریں۔ (۱) زندگی جو ہمیں اس زمین پر ملتی ہے۔ (۲) ذاتی سوال یعنی زندگی جو ہم اس زمین پر بسر کرتے ہیں۔

چند ایسے مسائل بھی ہیں جو ہمارے امکان سے بالکل باہر ہیں اور جو نہ سائینس اور نہ ہی تجربہ سے حل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ان میں مسئلۂ زندگی؟ ایک مسئلہ ہے۔ لیکن اگر زندگی بذاتہٖ خود ایک عقدۂ لاینحل ہے تو اُس کے تغیرات اور تبدیلیاں بیّن اور واضح ہیں۔ جنھیں ہر شخص

دیکھ سکتا ہے۔ کیونکہ آبادی زندگی میں زمینی خصلت بھی شامل ہے۔ یعنی غیر استحکام و تبدیلی اس جگہ میں ان تمام دلائل کو نہیں دے سکتا جو اب علم حیات و مسئلہ ارتقاء وغیرہ نے بیان کیے ہیں۔ کیونکہ تقریباً سب نے ایک ہی بات کو مختلف پیرایہ میں لکھا ہے۔ اگرچہ نتیجہ میں ایک دوسرے سے دور جا پڑے ہیں۔ مجھے صرف اس قانون کے متعلق لکھنا ہے جس کی صراحت میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے اور جس کا ثبوت ذاتی مشاہدے سے بھی ملتا ہے۔

جانوری یا نباتاتی زندگی میں جو تغیرات واقع ہوئے۔ اُن کے دیکھنے کے لیئے زیادہ علم یا مہارت کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ جیساکہ زمین کی مختلف تہ کو دیکھنے میں پڑا کرتی ہے۔ ہر شخص خود ہی نباتاتی زندگی میں خصوصاً یہ مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اور جتنا بھی ہم گذشتہ زمانہ کی طرف چلیں اُتنا ہی تغیرات زیادہ واضح ہونے لگیں گے۔ حیوانی زندگی میں غالباً اُن لوگوں کو جو علم حیات سے نابلد ہیں کچھ دقت واقع ہوگی۔ لیکن جو لوگ قصے پڑھ سکتے ہیں اُن پر بخوبی روشن ہے۔ اگرچہ اوقات زمانہ بہت طول طویل ہیں۔ نباتاتی زندگی میں بہت آسانی ہے۔ کیونکہ ہم وہاں تک جلد پہنچ سکتے ہیں اور اپنے نقش و صورت میں اتنا جدا نہیں ہے۔ کیونکہ تنے میں بھی پرانے کی خصوصیت موجود ہے۔ کیونکہ جڑ تنے۔ پتیاں اپنی مختلف صورت میں بھی پرانے نمونوں میں پائی جاتی ہیں +

الغرض بہت سی ایسی تبدیلیاں ہیں جو بہت خفیف اور بار بار ہونے والی ہیں جن کا ذکر میں آیندہ دوسرے مضمون میں کروں گا۔ سردست میں قانون تبدیلی کے عمومیت اور اس کا لاتبدیل ہونا دکھلانا چاہتا ہوں کہ کس طرح اس کا عمل ابتدا سے ہے اور انتہا تک جاری رہے گا +

آپ ہمیں اس دنیوی زندگی کے متعلق کیا پتہ لگتا ہے؟ جہاں تک عامہ انسانی زندگی کا سوال ہے اس میں ذرہ بھی شک کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ خوشی کا مقام ہے کہ ہم بیسویں صدی میں پیدا ہوئے کیونکہ تبدیلی کا راستہ عرصہ سے اوپر یا ترقی کی طرف جا رہا ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی حالت روز افزوں ترقی پر ہے اور زندگی گذارنے کے قابل ہے۔ اگر آپ ہے تعصبی کی نگاہ سے دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کبھی وقت انسان عموعی صورت میں ایک دوسرے سے اس قدر نزدیک نہ تھا جتنا کہ اس زمانہ میں ہے۔ اور جس کی امید ہے کہ

جب اس جنگ کا خاتمہ ہو جائے گا تو قوموں میں یکجہتی اور یگانگت اور بھی بڑھ جائے گی اور نیکیاں سیکھ جائیں گی اور اس موجودہ بدی سے نیکی کا ظہور ہوگا۔ اور بُرے دن گذرنے کے بعد انسان خوش و خرم اور بہتر ہو جائے گا +

ہم جانتے ہیں کہ اس وقت تک بھی امیر اور غریب موجود ہیں۔ رنج و الم کالعدم نہیں ہوئے لیکن اگر ہم ابتدائی تمدن کے پُرانے خیالات پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا۔ کہ انسان کی حالت اُس وقت بہت گری ہوئی اور خستہ تھی۔ لیکن خوش قسمتی سے تبدیلیاں جو ہو رہی ہیں وہ ترقی کی طرف چل رہی ہیں۔ اُس وقت زندگی لمبی ہوتی ہے۔ شیکسپیئر کے زمانہ میں ایک آدمی پچاس یا پینتالیس سال کی عمر میں ضعیف ہو جاتا تھا۔ وہ خود بھی ۵۲ سال کی عمر میں مر گیا اور اس کے ہمعصر کہتے ہیں کہ یہ اچھی خاصی لمبی عمر تھی۔ اس زمانہ میں ایک شخص کے ۷۰ سال میں بھی دماغی قوٰے درست رہتے ہیں۔ مہذب ممالک میں وہاں کے لوگ بہتر مکان میں رہتے۔ اچھا کھاتے پیتے عمدہ تعلیم حاصل کرتے اور ہر طرح سے انکی نگہداشت ہوتی ہے۔ حالانکہ زمانہ سابق میں یہ باتیں خواب و خیال تھیں۔ قوانین قدرت کا ہم کو خوب علم ہے اور ہم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اگر کوئی قانون ٹوٹ جائے گا تو اُس کا خمیازہ اُٹھانا پڑیگا اگر سوسائٹی کا ایک حصہ بھی تکلیف میں ہو تو تمام سوسائٹی بحیثیت مجموعی تکلیف میں پڑ جائے گی اور نقصان اُٹھائے گی۔ چنانچہ بعض ممالک میں گورنمنٹ نے خود ایک حد تک کچھ بوجھ اپنے اُوپر لے لیا ہے اور نسل انسانی کی بہبودی و بہتری کے لیئے صحت۔ حفظان صحت وغیرہ کے قوانین نافذ کیئے ہیں۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ایک بہتر۔ مصفا۔ اور لمبی زندگی انسان بسر کرنے لگا۔ ہم نئے ایام نئے طور طریق۔ نئے انسان اور نئے آداب سے نہیں بچ سکتے۔ ہاں یہ قانون غیر متغیر ہے +

نظم

هر نفس آن نئی بات نئی شان ہے یاں
روز افزوں ہو ترقی یہی اعلان ہے یاں

جس پہ اسلاف کو تھا فخر وہ کافور ہوئے
اب تو کچھ پیش نظر اور ہی سامان ہے یاں

کرکے منسوخ انھیں لائیں گے اخلاف کچھ اور
بس رواں روز ازل سے یہی پیمان ہے یاں

بہر حال ثبات کہیں نہیں ہے ہم خواہ آگے چلیں یا پیچھے ہٹیں۔ خواہ ترقی کرکے اعلےٰ زندگی میں داخل ہوں یا تنزل کے گڑھے میں گریں۔ جو کہ انسان۔ کے تمام جوہر پر پانی پھیرے +

یہاں تک تو عام طور سے زندگی کا بیان ہو چکا۔ اب شخصی زندگی پر اس کا کس طرح اثر ہوتا ہے۔ یہ ایک اہم سوال ہے جسے مختصراً بیان کرنا چاہتا ہوں لیکن اس جگہ بھی قانون لاتبدیل ہی اپنا کام شروع سے آخر تک کرتا چلا آتا ہے۔ ایک روسی مصنف لکھتا ہے کہ انسان کی زندگی میں تین واقعے ہیں یعنی پیدائش، زندگی، موت۔ ہمارا اس دنیا میں وارد ہونا۔ اس دنیا میں سفر کرنا اور پھر اس دنیا سے رخصت ہو جانا۔ ان میں ایک یعنی پہلا مرحلہ ہمارے امکان سے باہر ہے۔ دوسرا ہمارے اختیار میں ہے۔ ہم جس طرح چاہیں نفع اٹھائیں۔

اب رہا تیسرا سو یہ ہمارے عمل پر مبنی ہے۔ خواہ ہم اسے اچھا بناویں یا برا۔ کیونکہ جیسا عمل ہوگا ویسا ہی اس کا نتیجہ ظاہر ہوگا۔ بعض ایسے بھی ہیں جنہیں اس پر شبہ ہے۔ مگر میرے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کوئی بات صاف اور یقینی نہیں ہو سکتی۔ نیک یا بد جو کام ہم کرتے ہیں اس کا نتیجہ ہم کو واپس ملتا ہے سفر میں اس کا قیام دیر تک بھی ہو سکتا ہے جس طرح کاروان ریگستان میں ٹھہرتا ہے۔ اور ہم اپنے دل میں یقین کر بیٹھیں کہ اب وہ واپس نہ ہونگے۔ لیکن ایک دن ایسا آتا ہے کہ وہ ہمارے راستہ پر آکر کھڑے ہو جاتے ہیں اور تحفہ نذر کرتے ہیں۔ یعنی نیک کے واسطے زندگانی اور بد کے لیے موت۔ اس پر غور کیجئے اور اپنے خیال کو مصفا کر لیجئے کسی شاعر نے جس کا نام اس وقت مجھے یاد نہیں۔ نہایت صفائی کے ساتھ لکھا ہے۔ ؎

گر کارِ بد کریگا تو رنج و دکھ بھریگا | ترسے گا تو خوشی کو تکلیف میں مریگا
ہاں نیک کام کیجے راحت کو ساتھ لیجے | بھٹکے نہ پاس کلفت یوں نام تو کریگا

آپ اس قانون کے عمل کو روک نہیں سکتے۔ کیونکہ اس کا کام ہماری پیدائش سے پہلے ہی شروع ہو جاتا ہے اور لگاتار جاری رہتا ہے۔ ہم وقت کو پھیر کر پھر زندگی کے راستہ پر نہیں چل سکتے۔ کل کا دن گذر گیا۔ آج چل رہا ہے۔ اور ممکن ہے کہ روز فردا نصیب نہ ہو۔ لنگر چل رہا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کے وقت میں سے سیکنڈ اور منٹ گذرتے جاتے ہیں۔ اور ہم اسے روک نہیں سکتے اور نہ گھڑیال کی سوئی کو پیچھے پھیر سکتے ہیں۔ اب ہم کو چاہیئے کہ ہم نمونہ بن کر دوسروں کی بہبودی کا موجب ہوں۔

نظم

زمانے کے مد و جزر کو نہ پوچھو | فقط آنکھ پھیلائے چپ چاپ دیکھو

کبھی تو یہ بالائے چرخ برین ہے	کبھی یہ تنزل سے زیرِ زمین ہے۔
اگر آج ہے صاف مطلع تو کل ہی	برسنے لگے گی گھٹا کالی کالی
بس انسان کو چاہیئے جان رکھے	بھلائی کا ہر ایک کے دھیان رکھے

اگر زیادہ تر تدبر کرنے والے اور غور کرنے والے ہو جائیں تو ہمیں بہت سی مصیبتوں، رنج
تکلیفوں اور باتوں سے نجات مل جائے۔ لیکن ایسی باتیں واپس نہیں آتیں اور نہ اُن کا اثر
افسوس یا رنج سے دُور ہو سکتا ہے۔ بلکہ تھوڑے سے غور و خیال سے رفع ہو سکتا ہے۔ بہت سے
لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ ایک مختصر لفظ کہہ دینا کافی ہے یعنی "افسوس" لیکن ؎

لازم ہے کہ انساں کرے تب توبہ — ہر موئے بدن اس کا کرے جب توبہ
حالی کس کام کی وہ توبہ تیری — در دل ز دس گناہ و بر لب توبہ
زیں توبۂ نادرست یا رب توبہ

ہم غلطیوں سے بچ نہیں سکتے اور بعض وقت تند مزاج ہو جاتے ہیں۔ لیکن اُن سے ہم کو
آئیندہ کے لیئے سبق حاصل کرنا چاہیئے تاکہ پھر اس قسم کے فعل سرزد نہ ہوں +
کیا یہ مشکل بات معلوم ہوتی ہے جب چاروں طرف دیکھ کر محسوس کرتے اور کہتے ہیں کہ "ہر چہار
اطراف تغیر اور زوال ہی زوال نظر آتا ہے" کوئی شئے پائیدار نہیں ہے اور سب بے ثبات ہیں؟
اُس شخص کے لیئے جس کا ایمان کمزور ہے یہ ایک رنجیدہ اور بھیانک منظر ہے۔ لیکن جو شخص خدا
تعالےٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور بعث بعد الموت پر یقین ہے ان کے لیئے کوئی مشکل نہیں ہے
کیونکہ وہ جانتے اور دیکھتے ہیں کہ اگر فنا نہیں ہے تو پھر دوبارہ زندگی نہیں ہے۔ اور اگر موت نہ ہو
تو پھر بقا کی زندگی حاصل نہیں ہو سکتی +
منکروں کے لیئے موت بمنزلہ تاریکی کے دریا کے ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ غرق رہیں گے۔ لیکن
مومنین کے لیئے موت زندگی کا دروازہ ہے جہاں قانون تغیر کا کوئی بس نہیں چل سکتا جہاں
تمام باتیں یقینی اور مستقل ہیں۔ اور تغیر و زوال کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ آپ کیا یہ کہنا درست ہوگا
کہ کوئی بھی چیز پائیدار اور دائم نہیں میرے خیال میں یہ درست نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ دائم قائم ہے۔ حق کا
کبھی زوال نہیں ہوتا۔ وہ کچھ وقت کے لیئے پوشیدہ رہتا ہے لیکن پھر ظاہر ہو کر مطلع انوار بنتا ہے +

اسلام کی ایک سرگذشت

(از یحییٰ النصر پارکنسن)

بہ تسلسل سابق

آب ہم ایک اور قسم کے مغالطوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو علم مدن سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس قسم کے مسائل کو سمجھنے کے لیئے اس بات کی ضرورت ہے کہ انسان کو ایک وسیع اور گہرا علم انسانی تحریکات اور نسل انسانی کی ان ترقیات کا ہو جو ارتقا کے ماتحت ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ اُن کو ہم صرف صحیح تاریخی تنقید کے علمی ذرائع سے ہی حل کر سکتے ہیں۔ وہ مسائل جن کا تعلق انسانوں اور قوموں کے آنے اور جانے۔ ترقی اور تنزل۔ نشوونما اور انحطاط سے اور قوموں اور سلطنتوں کی ترقی تنزل اور تباہی سے ہے۔ جن میں وہ تمام پیچ در پیچ تحریکات شامل ہیں جو انسانیت کا نچوڑ اور خلاصہ ہیں۔ اس قسم کے سوالات کا فیصلہ یوں نہیں ہوا کرتا کہ بعض باتوں کو تو بلا سوچے سمجھے ایک خاص مذہب کے اثر کی طرف منسوب کر دیا جائے اور بعض تحریکات کو شیطان کی طرف یا دوسرے مذہب کی طرف یا لا مذہبی کی طرف منسوب کر دیا جاوے۔ اُن کو علمی طریق سے حل کرنا چاہیئے جو نہ صرف یہ بتاتا ہے کہ ہر ایک نتیجہ بعض اسباب سے پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ یہ بھی کہ ہر ایک چیز کا فیصلہ بعض خاص حالات سے ہوتا ہے +

جس کتاب پر ہم ریویو کر رہے ہیں اس میں مسٹر لنٹ لکھتا ہے +

وہ خلفائے بغداد نے بالخصوص سائنس علم ادب اور فنون پر اپنا مربیانہ اثر ڈالا۔ بڑے بڑے فاضل لوگ اُن کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ نہ صرف عربی اور فارسی علم ادب کی چھان بین ہی ہوئی بلکہ یونانی حکماء کا بھی عربی زبان میں ترجمہ ہو گیا۔ اور عالیشان کتبخانے جمع کئے گئے۔ علماء اور قابل مترجمین کی نہبت عزت کی جاتی تھی۔ اور عالم کے لکھنے کی سیاہی کو شہید کے خون کی طرح قیمتی سمجھا جاتا تھا جب قسطنطنیہ علم حابت کو نیچے دبا رہا تھا۔ بغداد اس کو سرسبز کرنے میں

مصروف تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ موجودہ علم کیمیا کی بنیاد انہیں اسپینوں کی دریافت کے ساتھ رکھی گئی
ایک بڑے بھاری کالج کی بنیاد بغداد میں رکھی گئی اور اس کے اخراجات کے لیئے اوقات کا انتظام
کیا گیا۔ جہاں کہا جاتا ہے کہ چھ ہزار طالب علم امیر کے بیٹے سے لے کر معمولی پیشہ ور کے بیٹے تک تعلیم
پاتے تھے۔ اور ریاضی۔ علم ہیئت۔ علم کیمیا۔ قانون اور طب کی تعلیم دیجاتی تھی۔ اور یہ صرف دار الخلافہ
میں ہی نہ تھا۔ کہ علوم و فنون اور سائنس کو ایک نئی قوت رفتار دی گئی۔ ایک خلیفہ نے ایک قانون
بنا دیا کہ جہاں کہیں مسجد بنے اس کے ساتھ ہی ایک مدرسہ بھی بنے۔ اور سلطنت کے بڑے بڑے شہروں
میں کالج اور سکول بن گئے۔ ہسپانیہ میں چھ لاکھ کتابوں کا ایک کتبخانہ تھا۔ اور آج بھی "موروں
کی فن تعمیر" میں اسلامی قوت اور شوکت کا اثر نظر آتا ہے۔ (صلا ۱۱۱-۱۱۲)

یہ ایک منصفانہ بیان ہے گو یہ ظاہر ہے کہ مصنف نے اپنے خیالات کو ادھر اُدھر سے بغیر کافی تحقیقات
اور غور کے لیا ہے۔ مندرجہ بالا سطور کے بعد وُہ لکھتا ہے:-

"لیکن ساتھ ہی یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ بغداد اور ہسپانیہ دونوں مقامات پر علم کے حامی دیندار
مسلمان نہیں بلکہ ریشنلسٹ یعنی معقولی فرقہ کے لوگ تھے۔"

یہاں مصنف کتاب نے وہی طرز اختیار کی ہے اور اُسی طرح پر خاتمہ کیا ہے جیسا کہ ان لوگوں کا
شیوہ ہے۔ یعنی پہلے کچھ دبی زبان سے مسلمانوں کے علوم کی حمایت کی تعریف کر دی اور آخر یوں
کنکر اسلام کی خوبیوں پر پانی پھیرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ اُن کی حمایت مذہب اسلام کی وجہ سے
نہ تھی۔ اگر یہ سچ ہے کہ علوم کے حامی دیندار مسلمان نہیں بلکہ معقولی فرقہ کے لوگ تھے۔ تو پھر یہ
ناممکن تھا۔ کہ علماء و فضلاء اور قابل مترجمین کی اس طرح پر عزت کی جاتی جس کا اعتراف مصنف
کتاب کو بھی ہے۔ اور نہ ہی یہ ممکن تھا کہ امرا کے فرزند اور پیشہ وروں کے بیٹے ریاضی اور علم ہیئت
اور کیمیا اور قانون اور طبابت کی تعلیم حاصل کرتے۔ یہ تو ماننا پڑے گا کہ دیندار مسلمان سے (جسکو
انگریزی میں ارتھوڈکس کہتے ہیں) مراد وہ لوگ جو وقت کے شاہی مذہب سے تعلق رکھنے والے
ہوں یا جہاں شاہی مذہب کوئی نہ ہو تو مراد کثرت اُن لوگوں کی ہوگی جو ایک اعتقاد کے پیرو ہوں
اس صورت میں دینداری خود ایک ایسی چیز قرار پاتی ہے جو حالات زمانہ کے ساتھ بدلتی رہتی ہے
اور ایک نسل میں جو فرقہ دیندار کہلائے گا۔ اگلی نسل میں اُس کی حالت بدل سکتی ہے پھر دوسری

بات یہ بھی ہے کہ ہر شخص خواہ کسی فرقہ کا پیرو ہو اور ایسا فرقہ بڑا ہو یا چھوٹا اپنے آپ کو دیندار مسلمان ہی قرار دیتا ہے اور خود اپنی حالت کو دوسروں سے بڑھ کر دینداری کی حالت قرار دیتا ہے۔ مگر یہ ایک فروعی امر ہے +

امر واقع یہ ہے کہ اسلام کے معقولی فرقہ کے لوگ یعنی معتزلہ دائرہ اسلام سے خارج نہ تھے جیسا کہ آجکل کے یوروپین ممالک کے معقولی فرقہ کے لوگ درحقیقت دائرہ عیسائیت سے خارج ہیں جیسا کہ مصنف کتاب لوگوں کو یقین دلانا چاہتا ہے۔ وہ بھی اس دائرہ کے اندر اسی طرح تھے اور اسی طرح مسلمان تھے جس طرح جبری فرقہ کے وہ لوگ جو ان کی مخالفت کرتے تھے اور جن کی طرف لنٹ غالباً "دیندار" کے لفظ میں اشارہ کرتا ہے۔ حالانکہ معقولی فرقہ کے لوگ یا الگ ہوجانے والے لوگ منصور اور مامون اور ان کے چند جانشین تھے۔ جو درحقیقت اس زمانہ کے دیندار (آرتھوڈکس) کہلانے کے مستحق ہیں اور متوکل کی تخت نشینی تک یہی صورت رہی۔ معتزلوں کا اسلامی خیالات میں اور بعد کے یوروپین خیالات میں بہت کچھ اثر ہے۔ یہاں دونوں طرف کے نام دینے کی ضرورت نہیں نہ یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ وہ کیا اعتقادات تھے۔ جن کی تعلیم یہ دونوں گروہ علیحدہ علیحدہ دیتے تھے۔ اس کے لیئے بہت سا وقت اور جگہ درکار ہے۔ یہ بتا دینا کافی ہے کہ تمام غور و تدبر سے کام لینے والے اور سائنس دان جہاں تک وہ سائنس کی تحقیق اور تنقید میں اپنی بات کو ایک مدلل اور معقول رنگ میں پیش کرتے ہیں معقولی کہلائیں گے۔ اور اگر ہم اس قسم کے لوگوں کو جیسے ابن رشد وغیرہ ہیں معقولی فرقہ کی انتہائی مثالیں بھی سمجھ لیں۔ تاہم یہ معلوم ہوجائے گا کہ یہ لوگ اپنے زمانہ کے محدثین سے بہت قریب تھے۔ بہ نسبت اس کے کہ سر آلیور لاج۔ پروفیسر ہیٹسن لارڈ کیلون وغیرہ انیسویں صدی کے آخری اور بیسویں صدی کے شروع کے دیندارانہ عیسائی مذہب سے ہیں۔ گویا ظاہر ہے کہ مسٹر لنٹ اور اس کے ہمخیال ان لوگوں کو عیسائیوں میں سمجھتے ہیں اور عیسائی ہی کہتے ہیں +

تمام زمانوں میں ہمیں اس حالت کا مشاہدہ کھلا کھلا نظر آتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر عیسائی ممالک میں کہ دنیا کے بونے دنیا کے بڑے آدمیوں پر عیب لگاتے رہے ہیں۔ اور باوجود ہماری بیسویں صدی کی تہذیب کے یہ طریق اب بھی جاری ہیں۔ چند صفحات آگے گذر کر اسی قسم کا ایک

یہ مثال ہم کو کیسی نفرت کے قابل معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر غور سے کام لیا جائے تو جو دیوار وید مقدس اور شودروں کے درمیان حائل رہی وہی دیوار ہر جگہ دُنیا کی ایک قوم اور دوسری قوم کے درمیان حائل رہی۔ اور مذہبی صداقتیں ہر قوم کی خاص ملکیت رہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ابتدائی زمانہ میں کسی قدر یہ مشکلات حالات پیش آمدہ کا نتیجہ بھی تھیں۔ باہم میل جول اور تعارف کے اسباب قریبًا مفقود تھے۔ ایک قوم دوسری قوم کے حالات سے بالکل بیخبر تھی۔ اور ان حالات میں یہ بہت مشکل تھا کہ ایک قوم کے اندر جو مصلح پیدا ہوُا ہے وہ اپنا پیغام دوسری قوم تک پہنچا سکے اسلیئے لازمًا اس کی مساعی کا دائرہ ایک ہی قوم تک محدود رہتا اور مصلحت الٰہی کا بھی یہ تقاضا ہوُا کہ ہر قوم کے اندر علیحدہ نبی بھیجکر اُس کی اصلاح کا سامان مہیا کردے تاکہ کوئی قوم ان سامانوں سے محروم نہ رہے۔ جو اس کی روحانی نشوونما کا ذریعہ ہو سکتی ہیں۔ لیکن اس کا نتیجہ آہستہ آہستہ یہ ہوُا کہ مختلف قومیں اپنے آپ کو ہر خوبی کا مالک اور دوسروں کو ہر خوبی سے عاری سمجھنے لگیں اور تفریق قومی روز بروز زیادہ نمایاں ہوتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ یہ خیال پیدا ہو گیا۔ کہ دوسری قومیں اس قابل بھی نہیں کہ وہ ایک مذہبی صداقت سے کوئی فائدہ اُٹھا سکیں اور اس طرح پر ہر ایک مذہب کی صداقتوں کا دائرہ تنگ ہوتا چلا گیا +

ان تمام قومی نبیوں کے اندر جو وقتًا فوقتًا اپنی اپنی قوموں کی اصلاح کے لیئے بھیجے گئے حضرت مسیح علیہ السلام کو ایک خصوصیت معلوم ہوتی ہے۔ آپ ان قومی نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد چھ سو سال تک دنیا کے کسی حصہ میں کوئی نبی پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ رحمۃ للعالمین کا وجود مبارک دُنیا میں ظاہر ہوکر کل قومی تفریقوں کو مٹا دیتا ہے۔ لیکن حضرت مسیح کو بھی چونکہ زمانہ محمدی سے کچھ قریب حاصل تھا۔ اس لیئے آپ کی تعلیم میں بھی کچھ وسعت کا رنگ پیدا ہو گیا۔ گو وہ رنگ ایسا ہے کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کے ذہن میں نہ تھا۔ بلکہ زیادہ تر مسیحی مذہب پر یہ رنگ چڑہانے والے آپ کے وہ جانشین ہیں جنھوں نے یہودیوں کی اصلاح سے مایوس ہو کر دوسری قوموں کی طرف رخ کیا۔ گر ایسی حالت میں کہ اس مذہب کی ہی کایا پلٹ دی۔ جس کو لے کر حضرت مسیح علیہ السلام آئے تھے۔ حضرت مسیح کی تعلیم میں جو تھوڑی بہت وسعت پائی جاتی ہے وہ اور قسم کی ہے اور اس میں کوئی شبہہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ یقین واثق سے اس عقیدہ پر قایم تھے کہ آپ کا پیغام اور آپ کی اصلاح کا دایرہ صرف قوم بنی اسرائیل تک محدود ہے۔ اور اس لیئے ان قومی تفریقات کو مٹانا آپکا

کام نہ تھا جنھوں نے مذہبی صداقتوں کے دائرہ کو ایک عرصہ دراز سے تنگ کر کے خاص خاص قوموں کے ملک بنا رکھا تھا۔ آپ نے بہت سی یہودی تعصبات کو توڑا۔ نمائشی پرہیزگاری سے روکا۔ اور دل کی پاکیزگی کی طرف بہ زور توجہ دلائی۔ مگر قومی تعصب کی سد سکندری کو دور کرنا آپ کی طاقت میں نہ تھا۔ آپ کی وہ خوبصورت پہاڑی وعظ اپنے اندر بعض بڑی بڑی خوبی کے جواہر ریزے رکھتی ہے اور بہت سی اعلےٰ درجہ کی ہدایات بر رنگ تعلیم اس کے اندر موجود ہیں۔ گو وہ عملی جامہ پہننے کی ناقابل ہوں مگر وہ دیوار جو یہودی اور غیر یہودی اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کے درمیان حائل تھی۔ اسکو آپ نہیں اُٹھا سکے۔ اسی پہاڑی وعظ میں جس کے دل خوش کن فقرات اکثر حالات میں عمل میں آنیکے قابل ہیں اور جس میں معلوم ہوتا ہے کہ آپ انسان کو اس کی طاقت سے بھی بڑھ کر کسی اعلےٰ مقصد کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ جہاں تک پہنچنا آج دو ہزار سال بعد بھی ویسا ہی ناممکن ثابت ہوا ہے۔ جیسا اس تعلیم کے وقت تھا۔ یہ عجیب بات نظر آتی ہے کہ نسل انسانی کی وحدت پر آپکی تعلیم بالکل اُلٹے رنگ میں اور اسی قومی تفریق کے رنگ سے رنگی ہوئی ہے۔ جو عام طور پر یہودیوں میں پائی جاتی تھی۔ حالانکہ کم از کم پہاڑی وعظ کے دل خوش کن مگر ناقابل عمل ہدایات کے اندر تعلیم بالکل اجنبی معلوم ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں "وہ چیز جو پاک ہے کتوں کو مت دو اور اپنے موتی سوٗروں کے آگے نہ پھینکو۔ ایسا نہ ہو کہ وے اُنھیں پامال کریں اور پھر کر تمہیں پھاڑیں" (متی باب ۷ درس ۶) اگر کتوں سے مراد وہ ناپاک لوگ ہوں جو اچھی باتوں کی قدر نہیں کرتے تو خواہ ایک معترض کچھ کہے۔ مگر ان الفاظ کی ایک اچھی توجیہ مل جاتی ہے۔ گو اس میں بظاہر ایک مایوسی کا رنگ پایا جاتا ہو۔ کہ بعض لوگوں کو کتوں کی طرح ناپاک سمجھ کر اُنھیں نصیحت کے قابل بھی نہ سمجھا جائے۔ تاہم یہ بات ایک حد تک قابل تسلیم ہو جاتی۔ کہ جب بعض لوگ اس بات پر تلے ہوئے ہیں۔ کہ وہ اچھی باتوں کی پروا نہیں کریں گے تو اُن کی طرف توجہ نہ کی جائے۔ گو یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کے پاک کلام نے جو حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ ایک نہایت لطیف راہ اختیار کی ہے۔ اور گو ان لوگوں کا نقشہ بار بار کھینچا ہے۔ جو کلام الٰہی کی قدردانی نہیں کرتے اور سچے ناصح کی نصیحت پر کان نہیں دھرتے۔ لیکن فرمایا سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم ان کے نزدیک یکساں ہے تو اُن کو ڈرائے یا نہ ڈرائے۔ کہیں فرمایا لھم قلوب

لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم اذان لا یسمعون بھا اولئک کالانعام بل ھم اضل اولئک ھم الغفلون (الاعراف ۱۷۹) اُن کے دل ہیں ان سے سمجھتے نہیں اور اُن کی آنکھیں ہیں اُن سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں اُنسے سنتے نہیں وہ چارپاؤں کی طرح ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ یہ غافل (لاپروا) لوگ ہیں۔ مگر سارے قرآن میں یہ کہیں نہیں فرمایا کہ تم ان سے مایوس ہو کر انھیں وعظ کرنا چھوڑ دو بلکہ بار بار بلغ اور انذر کے حکم ہی نازل ہوتے ہیں اور اس سے بھی بڑھ کر بار بار امید دلائی ہے کہ بہرے ہیں جن کو ہم زندہ کردیں گے۔ اور یہ اندھے ہیں جن کو ہم آنکھیں دیں گے اور ان کی تمام ناپاکیوں اور پلیدیوں کو ہم دُور کردیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے انبیاء کے مقابل حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کو کیسا عظیم الشان عزم دیا گیا ہے۔ اور جتنا بڑا کام ہو ضروری ہے کہ اُتنا ہی بڑا عزم ہو۔ لیکن اس بات کو الگ کر کے بھی ہم اس قدر تسلیم کرنے کو تیار ہیں کہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام کی کلام میں ناپاکوں سے مراد وہ پلید لوگ ہوتے جو پاکیزگی کی راہوں کو اختیار کرنا ہی نہیں چاہتے تو حضرت مسیح کے ان الفاظ کی ایک اچھی توجیہہ ہو سکتی ہے۔ لیکن جب ہم خود انجیل متی کو پڑھتے ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کے دُوسرے کلام سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کا ان الفاظ میں اس اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کی تفریق کی طرف اشارہ تھا جو اب تک یہودی قوم میں چلی آتی تھی۔ کہ وہ اپنے آپ کو خدا کی ایک برگزیدہ قوم بلکہ خدا کے بیٹے اور پیارے سمجھتے تھے۔ جیسا کہ قرآن کریم نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے نحن ابناؤ اللہ واحباؤہ۔ ہم اللہ کے بیٹے اور اُس کے پیارے ہیں۔ اور دُوسروں کو ناپاک اور ناقابل التفات اور اللہ تعالےٰ کی عامہ رحمتوں اور باطنی نعمتوں سے قطعاً محروم سمجھتے تھے۔ اور حضرت مسیح کا پہاڑی وعظ کے منقولہ بالا فقرہ میں مطلب یہی تھا۔ یعنی پاک سے مراد اُن کی اپنی تعلیم تھی اور کتّوں سے مراد غیر اسرائیلی قومیں۔ چنانچہ ذیل کا واقعہ اسے روز روشن کی طرح صاف کرتا ہے:

"تب یسوع وہاں سے روانہ ہو کے صور اور صیدا کی اطراف میں گیا۔ اور دیکھو ایک کنعانی عورت وہاں کی سرزمین سے نکل کے اسے پکارتی ہوئی چلی آئی۔ کہ اے خداوند داؤد کے بیٹے مجھ پر

رحم کر کہ میری بیٹی ایک دیو کے غلبہ سے بے حال ہے اُس نے کچھ جواب نہ دیا تب اسکے شاگردوں نے پاس آکر اس کی منت کی کہ اسے رُخصت کر کیونکہ وہ ہمارے پیچھے چلاتی ہے اس نے جواب میں کہا میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی پاس نہیں بھیجا گیا۔ پر وُہ آئی اور اُسے سجدہ کر کے کہا۔ اے خداوند میری مدد کر۔ اس نے جواب دیا مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو پھینک دیویں۔ اس نے کہا سچ اے خداوند مگر کتے بھی جو ٹکڑے ان کے خداوند کی میز سے گرتے کھاتے ہیں۔ تب یسوع نے جواب میں اُسے کہا اے عورت تیرا اعتقاد بڑا ہے۔ جو چاہتی ہے تیرے لیئے ہو۔" (متی باب ۱۵ ورس ۲۱ تا ۲۸)

اب اس حوالہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ان ناپاک لوگوں کو کتے نہیں کہا گیا جو خدا کی کلام کی پروا نہ کرتے ہوں۔ بلکہ غیر اسرائیلیوں کو خواہ وہ کلام سننے کے یا اس سے فائدہ اٹھانیکے کتنے ہی مشتاق کیوں نہ ہوں کتے کہا گیا ہے۔ اور آخر اس کنعانی عورت نے کتا ہونا قبول کیا۔ تو حضرت مسیح سے فایدہ اُٹھایا۔ یہاں جو جنوں اور بھوتوں کے نکالنے کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے اس سے ہمیں چنداں بحث نہیں۔ خواہ وہ جن اور بھوت جن کی مسیح سے نکالنے کی درخواست کیگئی اس قسم کے جن اور بھوت تھے جیسے آج کل بھی عامل لوگ نکالنے کا دعوے کرتے ہیں۔ یا وہ جن تھے جو انسانوں کے ایمان پر قبضہ کر کے اُن کو نیکیوں سے محروم کر دیتے ہیں۔ جن کے نکالنے کے لیئے خدا کے نبی مبعوث ہو کر آتے ہیں۔ بہر حال حضرت مسیح نے اِس کنعانی عورت کو فایدہ پہنچانے سے انکار کیا۔ کیونکہ وہ اسرائیلی نہ تھی۔ متی کی انجیل کے ہی ایک اور مقام سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔ جہاں بارہ حواریوں کو تبلیغ کے لیئے روانہ کیا جاتا ہے۔ وہاں حضرت مسیح اُن کو ذیل کی ہدایات دیتے ہیں۔

"ان بارھوں کو یسوع نے فرما کے بھیجا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا۔ اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔ بلکہ پہلے اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جاؤ اور چلتے ہوئے منادی کرو اور کہو کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آئی۔ بیماروں کو چنگا کرو۔ کوڑھیوں کو پاک صاف کرو۔ مردوں کو جلاؤ۔ دیووں کو نکالو۔ تم نے مفت پایا مفت دو۔" (متی باب ۱۰ ورس ۵ تا ۸)

پس حضرت مسیح نے نہ صرف اپنی دعوت کو ہی اسرائیلیوں تک محدود کیا۔ بلکہ اُس نے اپنے

پیروؤں کو بھی ایسا ہی کرنے کی ہدایت کی۔ غیر اسرائیلیوں کے ساتھ انھیں تعلق نہ رکھنے یا انھیں وعظ و نصیحت کرنے سے منع کیا۔ اور یہ حد بندی صرف فرضی اور لفظوں تک محدود نہ تھی۔ بلکہ اسکا بڑا بھاری ثبوت یہ بھی ہے کہ عملاً بھی یہی کچھ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے کیا۔ چنانچہ جب تک آنجناب ان کے درمیان رہے ایک بھی غیر اسرائیلی نہ آپ کے حواریوں میں داخل ہوا نہ ہی اس سلسلۂ اخوت میں منسلک کیا گیا۔ جس کی بنیاد اسرائیل کے اندر حضرت مسیح علیہ السلام نے رکھی تھی بلکہ آپ کے تمام کے تمام متبعین صرف اسرائیلی تھے۔ اس طرح پر جو وعظ زبانی آپ نے فرمایا کہ ہمارا مشن صرف اسرائیل تک محدود ہے۔ اس کا عملی ثبوت بھی دے دیا اور کسی غیر اسرائیلی کو اپنے سامنے عیسائی مذہب میں داخل نہیں کیا۔ بلکہ اس لحاظ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ کا دائرہ زیادہ وسیع نظر آتا ہے۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر جو لوگ مصر میں ایمان لائے اُن کو آپ ساتھ ہی لے آئے تھے۔ جب مصر سے خروج فرمایا۔

تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر واقعی حضرت مسیح کی یہی تعلیم تھی اور یہی آپ کا عمل تھا تو بلا شبہہ عیسویت کا دائرہ صرف اسرائیلیوں تک محدود تھا۔ پھر آج جو ہم دیکھتے ہیں کہ اسرائیلی قوم کے لوگ عیسائیت کے اندر آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟ ہر ایک شخص جو عیسائی مذہب کی تاریخ سے واقف ہے وہ اس سوال کا جواب یہی دے گا۔ کہ اس وسعت کا ذمہ دار پولوس تھا مگر اس کو بھی ہم الزام نہیں دیتے کہ اُس نے اپنے استاد کی تعلیم کے خلاف کیا۔ کیونکہ جیسا کہ اُوپر ذکر ہوا ایک حد تک حضرت مسیح نے خود بھی حد بندی کو توڑ دیا تھا۔ گو غیر اسرائیلی کو انھوں نے سلسلۂ اخوت میں داخل نہیں کیا۔ مگر گرے ہوئے ٹکڑوں کے کتوں کو دینے سے بھی انکار نہیں کیا۔ یسوع کے حواریوں کو جنھوں نے مسیح کے احکام اپنے کانوں سُنے تھے کہ تم نے غیر اسرائیلی کے پاس نہ جانا اور مسیح کے عملدرآمد کو اپنی آنکھوں دیکھا تھا۔ کہ کوئی غیر اسرائیلی سلسلۂ اخوت میں داخل نہیں کیا گیا۔ پہلے پہل ضرور پولوس کے خیالات سے اختلاف ہوا ہوگا۔ مگر بالمقابل اس کے وہ یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ کس طرح ایک غیر اسرائیلی عورت کی گریہ وزاری پر حضرت مسیح نے کوئی رحم نہیں کھایا۔ جب تک کہ اس نے کُتا بن کر گرے ہوئے ٹکڑے نہیں مانگے۔ ہاں جب اُس نے اپنے آپ کو اس حیثیت میں پیش کیا تو مسیح نے بھی وہ چیز جسے اسرائیلی قبول نہ کرتے تھے۔ اسکو دینے

سے انکار نہیں کیا۔ تب آپ کا دل اس کے لیئے پگھلا۔ پس یہ نظارہ بھی ضرور ان کی آنکھوں کے سامنے ہوگا۔ کہ جو چیز بحیثیت بیٹا ہونے کے غیر اسرائیلیوں کو نہیں دیجا سکتی۔ وہی چیز لیک ادنےٰ درجہ پر ان کو رکھ کر دیجا سکتی ہے۔ تو گویا گو حضرت مسیح نے بنی اسرائیل کے سلسلۂ اخوت کو توسیع کرنا پسند نہیں کیا۔ اور بحیثیت بیٹوں کے دوسروں کو داخل کرنے سے انکار کیا۔ مگر وہ نصائح جنکو بیٹے قبول نہ کریں اُنہی کو اگر دوسرے لوگ اس حیثیت میں لے لیں جس حیثیت میں ایک کتا بھی اپنے مالک کی روٹی کا حصہ لے لیتا ہے۔ تو اس میں کوئی مضائیقہ نہیں سمجھا۔ اِس طرح پر گویا اس دیوار میں ایک چھوٹا سا روزن ہوگیا جو اسرائیلیوں اور غیر اسرائیلیوں کے درمیان حائل تھی۔ اور وہ چیز جسے ابھی ساری قوموں کو بھائی بھائی بنا کر دینے کا وقت نہ آیا تھا۔ وہ ایک ادنےٰ حیثیت کو قبول کرنے کی صورت میں دوسروں کو بھی ملنے کی امید ہوگئی۔ پولوس کے دل میں ضرور اِس قسم کے خیالات موجزن ہونگے۔ جب اُس نے دیکھا کہ یہودی تو مسیح کے پیغام کی پروا نہیں کرتے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کا نام ہی دُنیا میں نہ رہے۔ اس تعلیم سے اگر یہودی فائدہ نہیں اُٹھاتے تو کیوں غیر اسرائیلیوں کو اس دائرہ کے اندر داخل نہ کیا جاوے۔ کیونکہ بہرحال اِس تعلیم کا زندہ رکھنا ضروری ہے اور کنعانی عورت کے ساتھ جو معاملہ مسیح کا ہُوا وہ اُس کے ذہن میں ہوگا۔ جیسا کہ ذیل کے حوالہ سے معلوم ہوتا ہے:-

"دوسرے سبت کو قریب سارے شہر کے لوگ اکٹھے ہوئے کہ خدا کا کلام سُنیں۔ مگر اتنی بھیڑ دیکھ کے یہودی ڈاہ سے بھر گئے اور خلاف کہتے اور کفر بکتے ہوئے پولس کی باتوں سے مخالفت کی تب پولس اور برنباس نڈر ہو کے بولے کہ ضرور تھا کہ خدا کا کلام پہلے تمہیں سنایا جائے۔ لیکن جس حال کہ تم نے اُس کو رد کیا اور آپ کو ہمیشہ کی زندگی کے لائق نہ سمجھا تو دیکھو ہم غیر قوموں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں" (اعمال باب ۱۳ ورس ۴۴ تا ۴۶)

پولوس کے یہ الفاظ کہ ضرور تھا کہ خدا کا کلام پہلے تمھیں سنایا جائے۔ صاف بتلاتے ہیں کہ اُس نے حضرت مسیح کے کنعانی عورت والے قصہ کی یوں تاویل کری کہ اصل اور مقصود بالذات تو یہودی کی اصلاح ہی تھی۔ لیکن جب اُنھوں نے انکار کیا۔ اور مسیح کے پیغام کو قبول نہیں کیا۔ تو اب دوسروں کی طرف متوجہ ہونے میں کوئی ہرج نہیں۔ چنانچہ پولوس ہی اس تحریک کا اصل بانی ہے جس نے

بعد میں عیسائی مذہب کا اصل نقشہ بالکل بدل دیا اور ایک طرف اگر اُس کو عالمگیر مذہب بنا دیا تو دوسری طرف ان اصُول حقہ پر بھی اس کو قائم نہ رہنے دیا جن پر حضرت مسیح قائم تھے۔ اس طرح پر دونوں پہلوؤں میں حضرت مسیح کی تعلیم کی مخالفت کی۔ مگر وہ صریح مخالفت نہ تھی۔ بلکہ تاویل کے رنگ میں مخالفت تھی پھر جب یہ دروازہ کھل گیا تو یہودیوں سے علیحدگی بھی روز بروز بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ وُہ توحید کی تعلیم بھی ترک کر دی گئی۔ جسے مسیح لائے تھے اور بُت پرست مذاہب کا جو اس وقت رُومی سلطنت مروج تھے۔ رنگ عیسائیت پر چڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ آخر یہ مذہب ایک بالکل نیا اور عالمگیر مذہب بن گیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا منشاء تو پورا نہ ہوُا مگر ان کا نام خوب کام دے گیا۔ اور محض اس نام کے نیچے بہت سی وہ باتیں اس مذہب کے اندر داخل کر دی گئیں جن کی غرض غیر اسرائیلیوں کے گلے سے اس کڑوی گولی کو نیچے اُتارنا تھا۔ اس طرح پر ایک طرف اگر یہودیوں کی بجائے غیر یہودی اس مذہب کے پیروؤں میں بڑھتے چلے گئے تو دوسری طرف خود یہودیت کے اجزاء اس میں سے مفقود ہوتے چلے گئے اور ان کی جگہ نئے نئے اعتقادات ابنیت اور کفارہ و تثلیث نے لے لی۔ مگر با ایں وسعت جو بانیٔ مذہب کی منشاء کے سراسر خلاف تھی۔ عیسائیت وہ حقیقی اخوت کی رُوح اپنے پیروؤں میں پیدا نہیں کر سکی جو ہر قسم کی غیریت اور تفریق قومی کے خیالات کا قلع قمع کر دے۔ بلکہ تفریق قومیت کا مٹانا تو بڑا بھاری مرحلہ تھا۔ دنیوی مرتبہ کی تفریق کو بھی عیسائیت نہیں مٹا سکی۔ اور وہ اخوت کا وسیع خیال جو اسلام نے دُنیا میں آکر پیدا کیا کہ ایک بادشاہ اور فقیر خدا کے حضور دوش بدوش کھڑے ہوتے ہیں۔ گرجا کے اندر اس قدر مساوات انسانی مسیحیت پیدا نہیں کر سکی۔ کیونکہ وجاہت اور مرتبہ کی تفریق کا اثر گرجا کے اندر اسی طرح ہے جیسے باہر۔

کامل اور عالمگیر اخوت اور نسل انسانی کی وحدت کی بُنیاد ڈالنے کا کام اللہ تعالےٰ نے اس نبی کے لیئے مقدر کر رکھا تھا جس نے سلسلۂ نبوت کو اس کے کمال تک پہنچا کر ختم کرنا تھا۔ اور یہی نبی پر خدا کا وہ کلام اُترا جس نے آخر اس بات کو کھول کر بتا دیا۔ کہ خدا کی سلطنت میں ہر ایک قوم اور رنگ کے لوگ بیٹھے ہیں۔ کتا کوئی نہیں۔ اور وہ دروازہ جس کے ذریعہ سے انسان خدا کی بادشاہت میں داخل ہو سکتا ہے وہ سب کے لیئے یکساں کھلا ہے۔ یہی معنے تھے اس آیت کے جس کے متعلق بعض لوگوں کو غلط فہمی بھی ہوئی ہے۔ ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا والنصارٰی

والصابئین من آمن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحا فلھم اجرھم عند ربھم ولاخوف علیھم ولاھم یحزنون۔ اور جو ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور عیسائی اور صابی۔ جو کوئی بھی اللہ اور یوم آخر پر ایمان لاتا ہے اور اچھے عمل کرتا ہے۔ تو اُن لوگوں کا اجر اُن کے رب کے حضور ہے اور اُن پر کوئی خوف نہیں نہ وہ غمگین ہونگے۔ غرض خاتم النبیین نے خدا کی بادشاہت کا دروازہ سب کے لیئے کھول دیا۔ اور حق بھی یہی تھا۔ کہ جو نبی اپنی اپنی قوموں کے لیئے آتے رہے انکا ساری نسل انسانی سے کیا کام تھا۔ اس کے سامنے ایک قوم اور اسی کی اصلاح تھی اسلیئے ان اصلاحات کے باوجود کل نسل انسانی کی وحدت کو قائم کرنیکا کام اسیطرح باقی چلا آتا تھا۔ ایک ایک قوم کی اصلاح ایک ایک نبی نے کی کل کی اصلاح کا کام محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہُوا اور اسلیئے آپ نے مختلف اقوام کے حقیقی تعلقات پر بھی روشنی ڈالی اور یہ بتایا کہ دراصل سارے انسان ایک ہی ہیں۔ یہ اسطرح

یاایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونساء واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا (النساء)

اے لوگو حفاظت کرو اپنے رب کی (حقوق کی) جس نے تم کو ایک ہی جی سے پیدا کیا اور اسی جنس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دو سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور حفاظت کرو اللہ کے (حقوق کی) جس کے ذریعے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رحموں کے (حقوق کی) اللہ تم پر نگہبان ہے۔

کس قدر وسعت نسل انسانی کی یگانگت اور اتحاد کی اس آیت میں پائی جاتی ہے۔ سارے کے سارے انسان عرب ہوں یا عجم۔ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ خواندہ ہوں یا جاہل۔ امیر ہوں یا غریب سیاہ ہوں یا سپید بڑے ہوں یا چھوٹے سب کے سب ایک ہی اصل سے ہیں ایک ہی جی سے پیدا ہوئے اور سب کے درمیان رشتہ داری کے تعلقات ہیں۔ گویا ساری نسل انسانی اس آیت کے رُو سے ایک کنبہ ہے۔ اور اس لیئے ان سب کے ایک دوسرے کے ذمہ حقوق رشتہ داری ہیں۔ اللہ ان سب کا رب یعنی ان کی ربوبیت کرنے والا ہے۔ جو ان کو طرح طرح کے سامانوں سے ادنے حالت سے اعلےٰ حالت کی طرف لے جا رہا ہے۔ اور اس عظیم الشان بادشاہ کے حضور یہ انسانوں کے چھوٹے چھوٹے اختلاف قوم کے ہوں یا رنگ کے مرتبہ کے ہوں یا

وجاہت کے۔ دولت کے ہوں یا جتھے کے بالکل معدوم ہو جاتے ہیں۔ یہ اسلام کی عالمگیر اخوت کی بُنیاد ہے۔ جس میں کل کے کل انسان داخل ہیں اور سب کے ایک دُوسرے پر حقوق اور سب کے ایک دُوسرے کے متعلق ذمہ داریاں ہیں۔ جیسے ایک رشتہ دار کے دوسرے رشتہ دار پر اور وہ سب ایک ہی شہنشاہ کی رعایا اور ایک ہی خالق کی مخلوق ایک ہی ہاتھ سے ان سب کی ربوبیت ہوتی ہے۔

دوسری جگہ یہ بھی بتا دیا کہ قوموں اور قبیلوں کے اختلافات کیا ہیں اور اُن کی اصل غرض کیا ہے۔ چونکہ یہ اختلافات بھی دُنیا میں پائے جاتے ہیں۔ اس لیئے قرآن کریم نے ان کو بھی لیا ہے اور بتایا ہے کہ اُن کی حقیقی غرض کیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔

یاایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر وانثیٰ وجعلنٰکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم ان اللہ علیم خبیر (الحجرات ۱۳)۔ اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور تم کو قومیں اور قبیلے بنایا۔ تاکہ تم ایک دُوسرے کو پہچانو۔ یقیناً اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑھ کر عزت والا وہی ہے جو سب سے بڑھ کر متقی ہے۔ اللہ جاننے والا خبردار ہے۔ انسانوں کی اخوت کا اصول یہاں بھی ایک عالمگیر بنیاد پر رکھا گیا ہے۔ یہاں خطاب مسلمانوں یا الذین اٰمنوا سے نہیں بلکہ کل نسل انسانی سے ہے اور تمام کو ایک ہی لفظ میں مخاطب کر کے ایک حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ کہ تم سب کو ہم نے ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے۔ گو یا تم ایک ہی ماں باپ کی نسل ہو اور گو تم جانو یا نہ جانو تم میں وہی تعلق ہے جو ایک ماں باپ کے بیٹوں میں ہوتا ہے۔ یعنی تم سب کے سب بھائی ہو۔ اس سے بڑھ کر اخوت کی عالمگیر بنیاد نہیں ڈالی جا سکتی تھی۔ پھر فرمایا۔ کہ ہم نے ہی تم کو قومیں اور قبیلے بھی بنایا ہے۔ گویا یہ بھی نسل انسانی کی ترقی کی ایک ضرورت تھی۔ اس لیئے اللہ تعالٰے نے اسے اپنی طرف منسُوب فرمایا ہے۔ لیکن قوموں اور قبیلوں کے امتیازات اس غرض کے لیئے نہ تھے۔ کہ تم ایک دوسرے کے دشمن بن جاؤ۔ اور ایک دوسرے کی بیخ کنی کے درپے ہو جاؤ۔ بلکہ فرمایا کہ ہماری تم کو قومیں اور قبیلے بنانے سے یہ غرض ہے لتعارفوا تا تم ایک دُوسرے کی معرفت حاصل کرو۔ ایک دوسرے کو پہچانو اور جانو۔ اور میل ملاقات اور ربط کے طریقوں کو بڑھاؤ۔ یہ لفظ تعارف کا قرآن کریم نے کیوں استعمال فرمایا۔ اس لیئے کہ قومی تفریقات اور قومی بغض و عناد کی اصل جڑ اسی تعارف کا نہ ہونا ہے۔ باہم تعارف سے ایک قوم دوسری قوم

کی خوبیوں کو اور بالمقابل اپنے نقصوں کو دیکھ سکتی ہے۔ اور اس طرح ایک دوسرے کی قدر کرنے لگتے ہیں۔ لیکن تعارف کے نہ ہونے سے ایک دوسرے سے اجنبیت بڑھتے بڑھتے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ ایک قوم دوسری قوم کی بیخکنی کے درپے ہو جاتی ہے۔ جس طرح افراد میں جب میل ملاقات کے تعلقات زیادہ ہوتے ہیں تو اخوت اور ہمدردی کے خیالات ترقی پاتے ہیں۔ اسی طرح قوموں میں بھی تعارف کے بڑھنے سے ایک دوسرے سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ پس وہ چیز جس نے قوم کو قوم کا دشمن بنا رکھا ہے۔ اس کے دور کرنے کی راہ اسلام نے بتائی ہے اور وہ یہ ہے کہ تم ایک دوسرے سے تعارف بڑھاؤ +

اس کے بعد اسی آیت کے آخر میں ایک اور بات کی طرف توجہ دلائی۔ جب ساری نسل انسانی ایک ہوئی اور قوموں اور قبیلوں کے امتیاز بھی ایک دوسرے پر فخر کرنے کے لیئے نہیں۔ جیسا کہ اس سے پہلے بھی فرمایا لا یسخر قوم من قوم عسے ان یکونوا خیرا منھم۔ ایک قوم دوسری قوم سے تمسخر نہ کرے یعنی ان کو فقیر نہ جانے (کیونکہ تمسخر حقارت کی وجہ سے ہی پیدا ہوتا ہے) شاید وہ ان سے بہتر ہوں اور اس لیئے قومی بڑائی ایک غلط نام ہے۔ تو آخر اس وسیع انسانی کنبہ میں ایک کو دوسرے پر بڑائی کس طرح ہو سکتی ہے۔ کیونکہ کوئی بڑا اور کوئی چھوٹا تو ضرور ہو گا۔ اس لیئے نسل انسانی کی وحدت اور قومی تفریقات کی غلطی کو بتا کر اب یہ بتایا کہ بڑائی تو وہی ہے جو خدا کی نگاہ میں ثابت ہو جو سب کا مولیٰ اور مالک ہے۔ ایک کا دوسرے کی نظر میں بڑا ہونا یہ کوئی قابل فخر بات نہیں۔ کیونکہ انسانوں کی بڑائی کے معیار اُن کی نظر کی تنگی کی وجہ سے ادنےٰ ہونے کے علاوہ ایک دوسرے سے اختلاف بھی رکھتے ہیں۔ مگر جب ساری نسل انسانی ایک کنبہ ہوئی تو ان سب کے لیئے کوئی ایک معیار بھی ہونا چاہیئے جو ایک کی دوسرے پر حقیقی بڑائی بتا سکے۔ وہ معیار یہی ہو سکتا ہے کہ سب کے مالک و خالق کی نگاہ میں بڑا کون ہے اور چھوٹا کون۔ عزت کے قابل کون ہے اور ذلت کے کون۔ اس عظیم الشان شہنشاہ کے حضور رنگوں اور ملکوں کے فرق۔ دولت اور طاقت کو فرق مرتبہ اور وجاہت کے فرق کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ سارے انسانوں کی ساری دولت بھی اسکی سلطنت میں اتنی وقعت نہیں رکھتی جتنی سمندر میں ایک قطرہ کو یا بیابان میں ایک ذرۂ ریگ کو حاصل ہے پس جو چیز خدا کی نگاہ میں وقعت نہیں رکھتی وہ خدا کی نگہ میں قابل عزت ہونے کا معیار بھی نہیں ہو سکتی۔

اس لیئے بتایا کہ حقیقی معیار یہ ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقکم۔ خدا کی نگہ میں سب سے زیادہ اکرام اور عزت کے قابل وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

متقی کون ہے وہ جو اپنے آپ کو ہر ایک بُری راہ سے بچاتا اور ہر اچھی راہ پر لگاتا ہے۔ جو حفاظت کرتا ہے ان حقوق اللہ کی جو اس کے ذمہ ہیں اور ان حقوق العباد کے جن کا وہ جواب دہ ہے پس تمام مادی اور جسمانی معیاروں کو چھوڑ کر عزت اور بڑائی کا معیار جو قرآن نے پیش کیا ہے وہ اخلاقی معیار ہے۔ اب غور کرو کہ کیسی خوبصورت یہ عالمگیر اخوت کی عمارت ہے۔ جس کی بنیاد نسل انسانی کی یگانگت کی مضبوط چٹان پر ہے۔ جس کے سب حصے ایک دوسرے کی خوبصورتی کو نمایاں کرنے والے ہیں اور جس کی خوبصورتی وہ شے ہے جس پر کبھی زوال نہیں آسکتا۔ اور وہ مادی اشیاء نہیں جو ہر دم معرض تغیر میں ہیں۔ یہ وہ عالمگیر اخوت ہے جو اسلام نے دنیا میں قائم کی۔ اور اسلام کے جھنڈے کے تلے اس اخوت کا زندہ نمونہ نظر آتا ہے۔ اور گو مسلمانوں کی حالت بہت کچھ قرآن کو چھوڑ دینے سے گر گئی ہے مگر پھر بھی اس اخوت کا جو نظارہ اسلام میں پایا جاتا ہے کسی دوسرے مذہب میں اس کی کوئی مثال ہم نہیں دیکھتے۔

اور یہ کون شخص تھا جس نے ایسی عظیم الشان عمارت اخوت کی بنیاد ڈالی اور اس کو ہر پہلو سے اس طرح سے مکمل کیا۔ اور ہر ایک قسم کی تفریقات کو مٹا کر سب کو فرزندوں میں داخل کیا۔ اور نہ کسی کے لیئے ایسی تحقیر باقی رکھی کہ وہ خدا کی بادشاہت میں کتے سے تشبیہہ پائے۔ نہ کسی کو ان فوائد سے محروم رکھا جو اللہ تعالےٰ نے سب کے لیئے یکساں پیدا کیئے ہیں۔ یہ مہذب یورپ کا کوئی انیسویں یا بیسویں صدی کا فلاسفر نہیں۔ گو ان مہذب فلاسفروں نے تو نسل انسانی کی وحدت قائم کرنے کی بجائے اور بھی تفریقات قومی کو جن کو زمانہ مٹاتا چلا جا رہا تھا نمایاں کر دیا ہے۔ بلکہ یہ سارے مہذب ممالک سے کٹے ہوئے ایک ریگستانی ملک عرب کے ناخواندہ لوگوں میں سے ایک امی تھا۔ جو آج سے تیرہ سو سال پیشتر دنیا میں گذر چکا ہے۔ جب قومی تفریقات باعث فخر تھیں۔ جب یہودی غیر یہودی کو اور عیسائی غیر عیسائی کو مردود اور ملعون اور ہمیشہ کے جہنم کا وارث ٹھیراتا تھا۔ ہاں یہ اُنہی عربوں میں سے ایک عرب تھا۔ جو غیر عربوں کے عجم کے نام سے پکار کر اُن کی اس طرح تحقیر کرتے تھے کہ وہ گویا گونگے یا فصاحت سے عاری ہیں۔ بلکہ اُن کو حیوانات سے مشابہت دیتے تھے۔ عرب خود

سارے ممالک سے علیحدہ اور بے تعلق ایک کونہ میں پڑا ہوا اس ابتدائی جہالت کی حالت میں چلا آتا تھا۔ اور اس کے مشرق وشمال میں جو قومیں اس کی حد کے ساتھ ملی ہوئی رہتی تھیں اُن سے بھی اسے کوئی تعلق نہ تھا۔ دُوسروں کے تعلقات کو چھوڑو اس ملک کے اندر رہنے والے لوگ جو ایک ہی شخص کی اولاد اور ایک ہی زبان کے بولنے والے تھے۔ ان میں اتحاد اور یگانگت کی بو تک نہ تھی۔ بلکہ ایک دُوسرے کے دشمن۔ ہر وقت ایک دُوسرے کا گلا کاٹنے کے لیئے تیار شب وروز ایک دُوسرے کے ساتھ جنگ میں مصرُوف۔ اس ملک میں ان حالات کے اندر ایک عربوں کے اتحاد کو قائم کرنا بھی کسی انسان کے وہم وگمان میں نہ آسکتا تھا۔ چہ جائیکہ اس سرزمین میں ایک شخص انہی حالات کے اندر کھڑا ہو کر ساری کی ساری نسل انسانی کے اتحاد اور یگانگت کی بُنیاد رکھتا۔ کس قدر حوصلہ اور کس قدر ہمت ہے کہ منوانی تو ہے یہ بات کہ ساری قومیں ایک ہی ہیں اور سب عرب ہوں یا عجم۔ کوئی رنگ ہو کوئی مذہب ہو بھائی بھائی ہیں اور پہلے ان لوگوں سے منوانے کا بیڑہ اُٹھاتا ہے جو ایک ہی نسل اور قوم ہو کر دن رات آپس میں کٹ مر رہے ہیں۔ یہ وہ بات ہے جو بتاتی ہے کہ یہ عالمگیر اخوت کا پیغام جو ملک عرب میں دیا جاتا ہے وُہ ایک انسان کا کام نہیں تھا۔ بلکہ اس قادر مطلق نے جو عجائب سے عجائب کام اپنی قدرت سے کر دکھاتا ہے۔ یہ مقدر کر رکھا تھا۔ کہ یہ عجیب کام ایک اِس قسم کے انسان کے ہاتھ سے کر دکھائے۔ تا لوگ جان لیں کہ اس پیغام کا دینے والا ایک عاجز انسان نہیں بلکہ وہ قادر مطلق خدا ہے جس کے سامنے کوئی بات انہونی نہیں۔ اس سے بڑھ کر معجزہ کیا ہوتا ہے کہ وہ بات جو کسی کے وہم وگمان میں نہ آسکتی تھی ایک شخص کے دل میں ڈالی جاتی ہے۔ اور سب سے پہلے اتحاد نسل انسانی پر ان لوگوں کو قائم کیا جاتا ہے جن میں جب سے تاریخ اُن کے حالات کا کچھ تھوڑا بہت پتہ دیتی ہے۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کے خلاف ہمیشہ برسرپیکار رہا ہے۔ گویا یہ بتانا مقصُود تھا۔ کہ جب ایسے خطرناک حالات میں اتحاد کا بیج سرسبز ہو سکتا ہے۔ تو پھر بہتر حالات کے ماتحت اس کا سرسبز ہونا کیا مشکل ہے +

یہ عجیب بات ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات میں ابتدائے دعوائے نبوّت سے ہی کسی قسم کی تفریق عرب اور غیر عرب میں نظر نہیں آتی۔ بائبل میں یہ فقرہ بار بار دُہرایا

گیا ہے۔ خداوند بنی اسرائیل کا خدا۔ مگر قرآن میں یا حدیث میں یہ لفظ کبھی نہ پاؤ گے کہ بنی اسمٰعیل کا خدا یا عربوں کا خدا۔ بلکہ جہاں پاؤ گے رب العلمین یعنی ساری قوموں کا خدا ہی پاؤ گے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دعوٰے کی ابتدا کے ساتھ ہی نسل انسانی کی وحدت کی بنیاد بھی رکھی گئی۔ ایسا ہی جس قدر لوگ ابتدا میں مسلمان ہوئے اُن میں عرب وغیر عرب کی کوئی تفریق نہ تھی حبشی غلام اسی طرح اسلام میں داخل کیئے جاتے تھے جیسے بڑے بڑے عرب سردار اور اسلام میں داخل ہو کر سب امتیازات اٹھ جاتے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں سب یکساں تھے۔ خواہ کوئی عرب کے بڑے سرداروں میں سے ہو۔ اور خواہ ادنے سے ادنے حبشی غلام ہو۔ پس آپ کا پیغام لفظوں میں بھی اور عملاً بھی ابتدا سے ہی سب قوموں کی اصلاح کے لیئے اور قومی تفرقوں کے مٹانے کے لیئے تھا۔ اسی لیئے آپ ایک قوم کے لیئے رحمت بنکر نہیں آئے بلکہ رحمۃ للعالمین ہو کر آئے۔ یعنی ساری قوموں کے لیئے رحمت۔ اسی طرح پر آپ ایک قوم کو برائی کے نتیجہ سے ڈرانے والے نہ تھے۔ بلکہ ساری قوموں کو جیسا کہ فرمایا تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا۔ بابرکت ہے وہ جس نے فرقان کو اپنے بندہ پر اُتارا تاکہ وہ سارے جہانوں کو ڈرانے والا ہو۔ اسی طرح پر آپ ساری قوموں کے لیئے خوش خبری بھی لائے۔ کہ جو نیکی اختیار کرے گا وہ نیک نتیجہ پائے گا۔ وما ارسلناك الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا۔ اور ہم نے تجھ کو سب کے سب لوگوں کے لیئے بھیجا۔ تاکہ تو اُن کو خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا ہو۔ (اسبا۔ ۲۸)

اس طرح پر اس عالمگیر اخوت کی بنیاد رکھی گئی جو ایک دن موجودہ تفرقوں اور عداوتوں کو مٹا کر انشاء اللہ تعالےٰ کل قوموں کو اسی طرح بھائی بھائی بنا دے گی۔ جس طرح عرب کے پراگندہ قبیلوں کو کبھی ایک قوم بنا دیا تھا۔

کیا جنگ خدا تعالیٰ کی صفت رحم و محبت کے منافی ہے؟

جنگ نے مختلف دلوں میں مختلف قسموں کے خیالات پیدا کر رکھے ہیں۔ چونکہ یہ آگ ساری دُنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ اِس لیئے ساری دُنیا ہی اسکے متعلق کچھ نہ کچھ خیالات رکھتی اور اُن کا اظہار کرتی ہے۔ جن لوگوں کے طبائع کا میلان مذہب کی طرف زیادہ ہے وہ کہتے ہیں مادیت کا غلبہ ہے وہ اصل وجہ ہے جو اس ساری خونریزی۔ اس انقلاب عظیم اس مصیبت اس مال و دولت کی تضیع اور ایسے انسانوں کے ضائع ہونے کا موجب ہے جو اگر زندہ رہتے تو دنیا کے لیئے بڑے بڑے کام کر سکتے تھے۔ یونیورسٹیوں کے وہ نوجوان جن کی ذہانت اور محنت کے ساتھ بڑی بڑی امیدیں وابستہ تھیں میدان جنگ میں مارے گئے۔ اعلےٰ درجہ کے قابل اور ذہین آدمی اسکی نذر ہو چکے ہیں اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ جذبات روز بروز تیز ہوتے جا رہے ہیں انسان کو جو عقل اپنی بہتری کے سامانوں کے لیئے دی گئی تھی۔ اس کا استعمال بھی اس لیئے ہو رہا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا ہلاکت کا آلہ ایجاد کیا جائے۔ اس لیئے مذہبی آدمی تو یہ کہکر پیچھا چھڑا لیتا ہے کہ شیطان انسان کو گمراہ کر رہا ہے۔ لیکن بہت سے آدمی ہیں بالخصوص مسیحی مذہب کے دائرہ کے اندر جو یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا کوئی ایسی ہستی بھی موجود ہے جو سراسر محبت ہی محبت ہے۔ جیساکہ عیسائی مذہب کی تعلیم ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ یا تو خدا محبت نہیں اور یا وہ قادر نہیں۔ اگر وہ محبت بھی ہوتا اور قادر بھی۔ تو ضرور اس خونریزی کو کسی نہ کسی طرح روک دیتا۔ وہ شیطان کو سمندر میں غرق کر دیتا۔ تاکہ وہ پھر لوگوں کو گمراہ نہ کرے اور ایسی خونریزی دوبارہ نہ ہو۔ یورپ میں بہت لوگ ہیں جنھوں نے خدا کے رحم پر اعتراض کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ بوڑھے ماں باپ ہیں جن کا اکلوتا بیٹا گولی کی نذر ہو چکا ہے۔ وہ خدا کے رحم پر اعتراض کرتے ہیں۔ نوجوان لڑکیاں ہیں جن کے عاشق میدان جنگ میں کام آ چکے ہیں وہ خدا کے رحم پر اعتراض کرتی ہیں۔ وفادار بیبیاں ہیں جن کے خاوند اُن کو داغ مفارقت دے گئے ہیں اور چھوٹے چھوٹے بچّوں کے کنبے پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ وہ خدا کے رحم پر اعتراض کرتی ہیں۔

بلجیم۔ سرویا مانٹی نیگرو پولینڈ اور فرانس کے بعض اضلاع کے باشندے سخت مصائب کا شکار ہو رہے ہیں۔ بادشاہ اپنے تخت اور تاج کھو چکے ہیں۔ کروڑ پتی اپنے کروڑ ہا روپے برباد کر چکے ہیں۔ بڑے بڑے نوابوں کے ورثا باقی نہیں رہے۔ یہ سب خدا کے رحم پر اعتراض کرتے ہیں اس لیئے اس بات پر غور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آیا جنگ یا اسی قسم کی دوسری مصائب کا آنا واقعی خدا کی صفت رحم و محبت کی منافی ہے اور ان باتوں کو دیکھتے ہوئے ایک مہربان اور قادر خدا پر ایمان لانا محال ہو جاتا ہے۔ چونکہ اب لوگ اس بات کو تو مان نہیں سکتے۔ کہ خونریزی کے بھی کوئی دیوتا ہو سکتے ہیں۔ اور انسانوں کو دکھ پہنچانے والا بھی کوئی خدا ہو سکتا ہے۔ اس لیئے وہ خود خدا کی ہستی پر معترض ہو رہے ہیں۔ کیونکہ وہ ان حالات کے ہوتے ہوئے اپنی رائے میں خدا کا مہربان ہونا نہیں مان سکتے۔ یہ ایک دلیل ہے جو خدا کی ہستی کے خلاف پیش کی جاتی ہے۔ اور گو یہ دلیل کسی حقیقی نتیجہ پر نہیں پہنچاتی۔ بلکہ ایک عقیدہ کے اوپر بطور ایک اعتراض کے واقع ہوتی ہے۔ اس لیئے ہم اس پر اسی رنگ میں بحث کرنا چاہتے ہیں۔ آج خدا کے قائلوں اور علم الٰہیات کے ماہرین کے لیئے خدا کی ہستی کے سوال پر بحث کرنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ کیونکہ سائنس دانوں نے خود یہ اعتراف کر لیا ہے کہ اس عالم میں ایک ایسی چیز ہے جو غیر مخلوق ہے۔ غیر محدود ہے۔ ہمیشہ سے ہے اور کبھی نہ فنا ہونے والی ہے۔ اس سے پہلے متشککین اسی قدر دلیل خدا کے خلاف پیش کر دینا کافی سمجھا کرتے تھے: کہ خدا کو کس نے پیدا کیا۔ اب خود ان کے اوپر وہی سوال ہو سکتا ہے کہ مادہ کو کس نے پیدا کیا۔ خدا کی ذات کا واجب الوجود ہونا مادہ کے واجب الوجود ہونے کی نسبت زیادہ صاف امر ہے۔ جبکہ اس عالم کی پیدائش اور اس کے نظم کو دیکھا جائے تو اس کے لیئے ایک ایسی ہستی کا ماننا جس نے یہ سب کچھ پیدا کیا اور نظم کے سارے قوانین بنائے۔ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ یہ مانا جائے کہ مادہ نے خود بخود ہی یہ صورتیں اور یہ صفات حاصل کر لی ہیں +

اس مضمون میں صرف یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ موجودہ جنگ ہمیں مجبور نہیں کرتی۔ کہ ہم خدا کے رحم یا اس کی طاقت پر حرف رکھیں۔ مذہبی نقطۂ خیال سے موجودہ سوال کو حل کرنے کے لیئے دو باتوں کا سمجھنا ضروری ہے۔ اوّل خدا کی ذات اور صفات۔ دوسرے اس عالم کا نظم۔

خدا کی ذات اور صفات کے متعلق جس کو بدھ لوگ اعلےٰ طاقت کے نام سے جو میٹر ٹیلیسٹ غیر فانی مادہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ مختلف لوگوں کے مختلف خیالات ہیں۔ خدا کو اعلےٰ طاقت یا غیر فانی مادہ کہنا خدا کی ذات اور صفات کو بہت محدود اور تنگ دائرہ میں لانا ہے۔ جب ہم اس عالم کے رازدن پر غور کرتے ہیں تو ہم اس بات کو تسلیم کرنے کے لیئے مجبور ہوتے ہیں کہ طاقت اور مادہ دونو مل کر بھی اس عالم کو موجودہ شکل میں نہ لاسکتے تھے۔ جب تک کہ کوئی ذی عقل ہستی ان کو کام میں لانے والی نہ مانی جائے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس عالم کا نظام ایسے اعلےٰ درجہ کے قوانین اور ایسی ترتیب کے ساتھ کام کر رہا ہے کہ کوئی غیر ذی عقل ہستی خود بخود اس نظام اور ترتیب کو قائم نہیں کر سکتی صرف ایک آنکھ کی بناوٹ کو دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ علم بصارت کے نہایت ہی لطیف اور اعلےٰ قوانین پر اس کی ساخت ہے۔ اس کے مختلف حصص کچھ روشنی کی شعاعوں کو ایک مرکز پر لاکر ایک تصویر سامنے قائم کر دیتے ہیں۔ اور بعض حصص پھیلی ہوئی روشنی کو روک رکھتے ہیں اور جو روشنی قبول کی جاتی ہے اس کو ایک نظام کے ماتحت لاتے ہیں۔ یقیناً یہ آنکھ بلا کسی مجوز کے خود بخود ہی ایسی نہیں بن گئی۔ پھر زندہ مخلوقات میں جو ایک طاقت یعنی قوت ارادی ہے اور انسان کے اندر جو عقل ہے یا آنکھ کے ذریعہ دیکھنے کے بعد جو ایک احساس پیدا ہوتا ہے یہ غیر مدرکہ مادہ کی کیفیات نہیں ہو سکتیں۔ جب ایک دوربین یا عکس لینے کا آلہ ایک تصویر کو اپنے اندر لے لیتا ہے تو اُن کو احساس کوئی نہیں ہوتا۔ وہ دیکھتے نہیں۔ حالانکہ جب آنکھ سے ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں۔ تو فوراً ایک خاص کیفیت اس سے ہمارے اندر پیدا ہوتی ہے۔ اگر خود خالق عالم میں احساس اور قوت ارادی نہیں تو مادہ میں یہ احساس اور قوت ارادی کہاں سے پیدا ہو گئے۔ فطرت انسانی اس روشنی کے زمانہ میں کسی ایسی طاقت یا مادہ کے سامنے سر نہیں جھکا سکتی جو خود اس سے بھی نچلے درجہ کی ہے جس میں نہ ارادہ ہو نہ دیکھنے کی قوت نہ احساس کی طاقت۔ جب انسان عقل و دانش کے لحاظ سے بچپن کی حالت میں تھا تو اس وقت توہم پرستی کی طرف اس کا میلان زیادہ تھا۔ جو چیز عجیب یا طاقتور نظر آتی تھی۔ وہ اس کی قوت واہمہ پر خاص اثر ڈالتی تھی اور اُسے مرعوب کر دیتی تھی کون جانتا ہے کہ دوسرے حیوانات کی اب بھی یہی حالت ہو۔ کون جانتا ہے کہ وہ انسان کو بھی اس مخلوقات کا سردار نہ جانتے ہوں۔ کچھ وقت کے بعد انسان کو ان اشیاء کے متعلق جو اس کے

گرد و پیش تھیں۔ ان توہم پرستی کے خیالات سے نجات مل گئی۔ مگر جو چیزیں اس سے بہت بعد پر واقع تھیں ان کے متعلق اسی قسم کے خیالات باقی رہ گئے۔ اور اس طرح پر زمینی اشیاء کی پرستش سے قدم آگے بڑھا کر وہ ستارہ پرستی کے مرحلہ پر پہنچا۔ مگر اس اعتقاد نے بھی ایک زیادہ معقول عقیدہ کو جگہ دیدی ستارہ پرستی کا قطعی صفایا آخری مذہب اسلام نے کیا۔ جب ستاروں کی پرستش کی بجائے یہ تعلیم دی کہ یہ ستارے اور سورج اور چاند سب انسان کے لیئے مسخر کیئے گئے ہیں*۔ اس تعلیم کا اثر کہاں تک پہنچتا ہے۔ ابتک بھی دنیا نے اس کو پورے طور پر محسوس نہیں کیا۔

بڑے بڑے یوروپین پروفیسروں کو بھی ایک قسم کا صدمہ ہوتا ہے۔ جب وہ اسلام کی اس منادی کو سنتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ انسان اس مخلوقات میں ایک بے حقیقت ذرہ سے بڑھ کر کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ اس کی اپنی ہستی کا انحصار سورج کی گرمی پر ہے۔ پھر وہ سورج کا اپنا خدمت گذار کس طرح کہہ سکتا ہے۔ لیکن عقل انسانی اور سائینس کی تھوڑی سی اور ترقی کے ساتھ وہ اس آواز کا جو تیرہ سو سال ہوئے اسلام نے بلند کی تھی بہتر مفہوم سمجھنے لگیں گے۔ اب بھی ہم سورج سے

---

* قرآن کے یہ الفاظ اس قابل ہیں کہ آب زر سے لکھے جائیں۔ یہ مضمون قرآن کریم نے بہت مرتبہ بیان فرمایا ہے۔ ہم ناظرین کی ذیل کی آیات کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ اللہ الذی خلق السمٰوات والارض وانزل من السماء ماء فاخرج بہ من الثمرات رزقاً لکم وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہ وسخر لکم الانھر وسخر لکم الشمس والقمر دآئبین وسخر لکم الیل والنھار (ابراہیم ۳۲-۳۳) اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور بادل سے پانی اُتارا۔ پھر اُسکے ساتھ پھل نکالے۔ تمہارے لیئے رزق اور تمہارے لیئے کشتیوں کو مسخر کیا جو سمندر میں اس کے حکم کے ساتھ چلتی ہیں۔ اور تمہارے لیئے دریاؤں کو مسخر کیا۔ اور تمہارے لیئے سورج اور چاند کو مسخر کیا جو اپنے راہ چل رہے ہیں۔ اور تمہارے لیئے رات اور دن کو مسخر کیا۔ کیا لطیف ترتیب رکھی ہے۔ پہلے فرمایا کہ کشتیوں کو مسخر کیا۔ پھر دریاؤں کو پھر سورج چاند کو۔ پھر رات دن کو۔ اسمیں یہ سمجھایا ہے۔ کہ جس طرح کشتی کو اپنے کام میں لاتے ہو اسی طرح ان تمام چیزوں کو اپنے کام میں لا سکتے ہو۔ حتیٰ کہ آخر رات دن پر ختم کر کے یہ سمجھایا کہ مکان کیا زمانہ کو بھی تمہارے لیئے مسخر کیا +

یہ کام لیتے ہیں کہ وہ ہمارے لیئے لذیز پھل اور ہماری غذا کا سامان غلہ پیدا کرتا ہے۔ ایک ذہین ہندوستانی نے ایک چولہا ایجاد کیا ہے۔ جس میں وہ سورج کی گرمی سے اپنا کھانا پکاتا ہے جب ہم اپنے ہوائی جہازوں کو زیادہ کمال کی حالت پر پہنچا سکیں گے تو اگر ہم چاہیں تو ہر وقت سورج کے سامنے رہ سکیں گے۔ ہم بادلوں کے پردوں کو پھاڑ ڈالنے کے قابل ہو جائیں گے۔ ہم گویا سورج کو بھی اپنے اوپر اگر چاہیں تو غروب نہ ہونے دیں گے۔ جب ہم اس کو ایک جگہ غروب کی طرف مائل پائیں گے۔ تو ہم اس کرۂ کے کسی دوسرے ایسے مقام پر پہنچ جائیں گے۔ جہاں سورج چڑھ رہا ہوگا اس طرح سورج ہمیشہ ہم پر اپنی روشنی ڈال سکے گا۔ گویا ہم سورج سے زیادہ طاقتور ہیں۔ وہ قوت ارادی نہیں رکھتا۔ وہ ایک مقررہ راہ سے ادھر اُدھر نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن ہم اگر اس عقل کو جو خدا نے ہمیں دی ہے تکمیل کی حالت کو پہنچائیں تو ہم اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ پس ایسی حالت میں چاہیئے کہ سورج ہماری عبادت کرے نہ یہ کہ ہم اُس کی عبادت کریں۔ انسان میں جیسے جیسے عقل کی تدریجی ترقی ہوتی گئی۔ وہ اپنی طاقت کو محسوس کرنے لگا جب تجربہ نے اسے سکھایا کہ وہ دُنیا پر حکومت کر سکتا ہے۔ اور دوسری طرف اُس کو اس میں بھی شبہہ نہ رہا کہ وہ خود بالکل بیکس ہے کہ اُس نے اس دنیا کی کسی چیز کو کبھی پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اس کی عقل بھی جس کے ذریعہ وہ مخلوقات پر حکومت کر سکتا ہے اس کی اپنی نہیں۔ وہ ہوا جس سے وہ سانس لیتا ہے وہ خوراک جو وہ کھاتا ہے۔ وہ پانی جو وہ پیتا ہے یہ تمام چیزیں خود اُس نے اس عالم میں مہیّا نہیں کیں۔ بلکہ اُنکا مہیّا کرنے والا کوئی اور ہے۔ تو ایک طرف جب اُس نے ان بھوتوں اور دیوتاؤں کے تصرّف سے نجات حاصل کی جو اُس کے لیئے باعث خوف اور عزت کرنے کے قابل تھے۔ دوسری طرف اُس نے اپنا سر اس طاقتور ہستی کے سامنے جھکا دیا جو عقل کے مطابق اور قانون کے ذریعہ سے اس مخلوقات پر حاکم ہے۔ ہاں جو خود انسان پر بھی حاکم ہے۔

اب اس ہستی کی ذات اور صفات کے متعلق دوسرے مذاہب اور بالخصوص عیسائی مذہب نے اس قسم کے عقائد تجویز کیئے ہیں۔ جو نہ صرف خلاف عقل ہیں۔ بلکہ ایسے حالات میں جیسے مثلاً اب جنگ سے پیدا ہو گئے ہیں۔ طرح طرح کے شبہات خود ذات باری کی ہستی کے متعلق پیدا کرتے ہیں۔ یہودیوں کے ہاں گو اللہ تعالےٰ کی صفات حسنہ کا خیال اعلےٰ پایا جاتا ہے۔ لیکن وہ اپنے

خدا کو تو مع خدا سے بڑھ کر خیال نہیں کر سکتے۔ بلکہ اُن کے ذہن میں خدا صرف اسرائیل کا خدا ہی تھا عیسائی ایک انسان خدا کی عبادت کرتے ہیں وہ اس کی طرف جذبات منسوب کرتے ہیں اور انکا عقیدہ یہ ہے کہ اس کا ایک بیٹا بھی ہے۔ بعض لوگ دُنیا میں اس خیال کے بھی گذرے ہیں۔ جو کہتے تھے کہ خدا کی بیٹیاں بھی ہیں۔ پھر عیسائیوں کے نزدیک خدا "محبت" ہے وُہ اسکو باپ کے نام سے پکارتے ہیں۔ مگر وہ اسے ایسا باپ سمجھتے ہیں۔ کہ سوسائیٹی میں ان صفات کے باپ کو پسند نہیں کیا جاتا جو وہ "خدا باپ" کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اسے ایسا باپ سمجھتے ہیں جو اپنے بچوں کی ہر ایک خواہش کو بغیر کسی روک ٹوک کے پورا کرتا جائے۔ جب عیسائی خدا کو "محبت" کہتے ہیں تو ان کا منشاء یہ خیال ظاہر کرنے کا ہوتا ہے کہ وہ ایسا محبّت کرنیوالا ہے۔ کہ اُس کی محبت نے یہ تقاضا کیا کہ اپنے بیٹے کو قربان کردے مگر یہ پسند نہ کیا کہ انسان ان بدیوں کے بدنتائج کو پائیں جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں۔ اِس اعتقاد کی وجہ سے اُن کو یہ مصیبت پیش آتی ہے۔ کہ جب وُہ دیکھتے ہیں کہ ہزاروں آدمی ایک دُوسرے کو ذبح کر رہے ہیں۔ گھروں کے گھر اور ملکوں کے ملک ویران اور بے آباد ہوئے جا رہے ہیں تو وہ کہہ اُٹھتے ہیں کہ خدا محبّت کرنیوالا نہیں۔ اور یہ اعتراض جو اُن کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے ان کے عقاید کے رُو سے درست ہی کیونکہ جب اُن کا مذہب اُن کو یہ سکھاتا ہے کہ خدا ایسا محبّت کرنے والا ہے کہ اُس نے خود اپنی ذات پر دُکھ برداشت کرنے کو اس بات پر ترجیح دی کہ انسانوں کو کسی قسم کا دکھ پہنچے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ اب خدا اس محبّت کا اظہار کیوں نہیں کرتا۔ اب تو اس کو یہ ضرورت بھی نہیں۔ کہ اپنے اوپر کوئی دُکھ اور مصیبت لے۔ وُہ اپنی طاقت سے کام لے کر ساری خونریزی اور تباہی کا ایک آن میں فیصلہ کر سکتا ہے۔ پھر وُہ کیوں اپنی طاقت کو نہیں برتتا یا واقعی اُس میں محبّت نہیں اور یا اُسے طاقت نہیں کہ اِس خونریزی کا خاتمہ کرے۔

اس قسم کے تمام غلط خیالات کا ازالہ اسلام نے اس طرح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا صحیح نقشہ انسان کے سامنے پیش کیا ہے۔ اِس قسم کی تمام باتوں کو خدا کی ذات پاک کیطرف منسوب کرنے سے انکار کیا ہے جن سے خدا کی عظمت و جلال میں نقص نظر آئے۔ تکان کا محسوس کرنا یا آرام چاہنا۔ دُکھ کا برداشت کرنا وہ جذبات جو انسان کے سلسلہ توالد و تناسل میں کام

کرتے ہیں یعنی خدا کی طرف بیٹے یا بیٹی کا منسوب کرنا یا اور انسانی جذبات کا اس میں پایا جانا۔
ان سب باتوں کا انکار کیا ہے۔ خدا کی صفات کے متعلق اسلام کی تعلیم کا بنیادی پتھر لیس
کمثلہ شیٔ ہے۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ اس کی مثل جیسی بھی کوئی چیز نہیں گویا وہ تمام خیالات
اور جذبات انسانی سے اس قدر اعلےٰ اور ارفع ہستی ہے کہ دنیا کی کوئی چیز نہ صرف اس جیسی
ہی نہیں بلکہ اس کی مثل جیسی بھی نہیں۔ اس لیئے جب ہم کہتے ہیں کہ خدا سنتا ہے دیکھتا ہے
علم رکھتا ہے ارادہ رکھتا ہے۔ محبت کرتا ہے تو ہمارا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کے بھی ہماری
مثل حواس ہیں جن سے اُس کو یہ چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں کہ وہ حیّ یعنی زندہ
ہے تو ہمارا یہ مطلب نہیں ہوتا۔ کہ وہ ہماری طرح سانس لیتا ہے یا ہماری طرح ہوا کا محتاج ہے
یا کہ اُس کا کوئی دل ہے جو حرکت کرتا ہے یا اُس کے اندر دورانِ خون ہوتا ہے پس جب
کوئی شے اس کی مثل جیسی بھی نہیں تو تمام صفات جو ہم اس کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ
اپنا ایک خاص مفہوم رکھتی ہیں۔ اگر ہم اس کو باپ کہیں تو محض ان معنوں میں کہہ سکتے
ہیں کہ وہ ہمارا خالق ہے اُسی نے ہم کو وجود بخشا اور ہمیں ہستی میں لایا۔ لیکن ہمارا یہ مطلب
ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہم یا کوئی اور سچ مچ اس کا بیٹا ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ وہ محبت کرتا ہے
تو اس کے یہ معنے نہیں ہوتے۔ کہ وہ سچ مچ ہم پر فریفتہ ہو رہا ہے۔ یا کہ وہ ہماری خاطر اپنے
اوپر دُکھ اور تکلیف اٹھانے کے لیئے تیار ہے۔ اسلام میں خدا تعالےٰ کے اسمائے حسنےٰ
میں سے ایک صفاتی نام ایسا خوبصورت ہے کہ دوسری کسی زبان میں کوئی ایک لفظ اِس مفہوم
کو ادا کرنے والا موجود نہیں۔ اِس نام کا مفہوم "محبت" سے بہت بڑھ کر ہے۔ اسلام خدا
کو الرحمٰن کہتا ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ خدا کی محبت اور رحم اس قدر وسیع ہے کہ اُس نے
اپنی مخلوق کے لیئے قبل اس کے کہ وہ مخلوق عالم ہستی میں آئے۔ ہر قسم کی ضروریات کو پہلے سے
ہی مہیا کر دیا۔ اگر یہ ممکن ہوتا تو بہتر تھا۔ کہ اللہ تعالےٰ کے سارے نام امتیازی ہوتے جیسا
کہ عربی زبان میں دو نام اللہ اور رحمٰن ہیں کہ وہ کسی دُوسرے پر بولے نہیں جاتے۔
لیکن انسان کی قوت بیانی محدود ہے۔ اِس لیئے وہ مجبوراً وہی لفظ خدا کی صفات کے
اظہار کے لیئے بولتا ہے جن کا استعمال وہ اپنی صفات کے لیئے کرتا ہے۔ خدا کی ذات اور صفات

کے متعلق اسلام کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ بہتر سے بہتر اور اعلیٰ سے اعلیٰ صفات جو انسان قیاس میں لا سکتا ہے۔ وہ خدا میں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ اس خیال کا اظہار قرآن کریم میں ان الفاظ کیا گیا ہے۔ لہ الاسماء الحسنیٰ۔ یعنی اس کے وہ اسماء ہیں جن کے اندر اعلیٰ سے اعلیٰ حسن موجود ہے وہ رحیم یا رحم کرنے والا۔ ودود یا محبت کرنے والا۔ رؤف یا مہربانی کرنے والا بھی ہے۔ مگر وہ حکیم اور قدیر بھی ہے۔ اور وہ انصاف بھی فرماتا ہے۔ اس لیئے اگر ہم اس کی صفات کے تقاضا کی وجہ سے یہ چاہتے ہیں۔ کہ وہ ہمارے اوپر محبت کا اظہار کرے تو ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لیتے ہیں کہ صفت رحمیت کا اظہار کسی دوسری صفتِ الٰہی کو باطل کر کے نہیں ہو سکتا یا محبت اس کے انصاف اس کی حکمت اس کی طاقت کے خلاف نہیں ہوگی۔ اگر ہم اس کے قوانین پر عمل نہیں کرتے تو اس خلاف ورزی کی سزا بھی اس کے صفات کے تقاضا میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مسلمان جب دعاء کرتا ہے تو وہ یہ دعاء کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے یہ طاقت دے کہ وہ سیدھی راہ پر چلے۔ اور اس کو یہ سمجھ حاصل ہو کہ وہ غلط راہ سے بچ سکے۔ اس عالم میں جو چیز قانون کو توڑتی ہے وہ خلاف ورزی قانون کی سزا بھی ضرور پاتی ہے اور بسا اوقات وہ سزا اسی مالک کی پوری طاقت کے ساتھ انسان کے سر پر آ رہتی ہے۔ اس لیئے خدا کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ قہار ہے اور یہ بھی کہ وہ جبار ہے لیکن ان صفات کے متعلق یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ بعض صفات ایسی ہیں کہ انسان کے اندر جب ان کا ہونا بیان کیا جاتا ہے تو وہ اچھی معلوم نہیں ہوتیں۔ لیکن خدا میں انہی صفات کا بیان کیا جانا ایک خوبی رکھتا ہے۔ انسان ہو یا کوئی دوسری مخلوق۔ خدا کے رحم پر اس کا حق بطور دعوے قائم نہیں۔ ہم عالم ہستی میں آنے میں کسی قسم کا اختیار نہیں رکھتے۔ خدا نے ہر چیز اپنے ارادہ سے اپنی مرضی کے مطابق پیدا کی نہ ایک چیونٹی کو یہ حق ہے کہ وہ سوال کرے کہ اُسے ہاتھی کیوں نہیں بنایا گیا اور نہ ہی ایک معمولی بندر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یہ کہے کہ مجھے اس کمال کی صورت تک کیوں نہیں پہنچایا گیا۔ جہاں تک ڈارون کے خیال کے مطابق ایک دوسری قسم کا بندر پہنچ چکا ہے۔ یا خالق یا رب کا ارادہ ہے کہ ایک مخلوق اس کی بندر ہونے کی حالت تک پہنچی ہے اور دوسرے اُس کی ربوبیت کے ماتحت انسان کی حالت

تک پہنچی ہوئی ہے۔ اسی طرح پر جب ایک چیز اپنے مادی وجود کو کھو دیتی ہے یا بالفاظ دیگر جب موت اس پر وارد ہو جاتی ہے تو اس سے عدل کے رحم پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ جب ایک باغبان ان پودوں کو جو اُس نے خود لگائے تھے جڑ سے اکھیڑ پھینکتا ہے یا کاٹ ڈالتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اب ان کا کوئی فائدہ نہیں دیکھتا یا اُسے معلوم ہو جاتا ہے کہ جس غرض کے لیئے اس نے انھیں لگایا تھا اُس غرض کو اُنھوں نے پورا نہیں کیا۔ اس لیئے اِس عالم کا خالق اور بنانے والا خوب جانتا ہے کہ کون انسان یا کون قوم اس قابل ہے کہ اسے بڑھایا جائے اور اس کی تربیت کی جائے۔ اور کون اس لائق ہے کہ اُسے دنیا سے مٹایا جائے یا کم کیا جائے۔ جس شخص کو یا جن لوگوں کو دُنیا سے نابود کیا جاتا ہے اُن کا یہ حق نہیں کہ وہ شکایت کریں کہ ہماری زندگیوں کو لمبا کیوں نہیں کیا جاتا۔ ٹھیک جیسا کہ ان پودوں کو جن کو ایک باغبان کاٹ ڈالتا ہے۔ یہ حق حاصل نہیں کہ وہ شکایت کریں کہ انھیں کیوں کاٹا جاتا ہے۔ بعض وقت باغبان بعض پودوں کو اِس لیئے نکال دیتا ہے۔ تاکہ باغ کی حالت بحیثیت مجموعی بہتر ہو جائے۔ اِسی طرح پر خدا تعالےٰ بعض وقت ایک قوم کو اس لیئے تباہ کرتا ہے کہ تا عام دُنیا کی حالت بہتر ہو جائے۔ بظاہر یہ فعل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ظالمانہ خیال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن حقیقتاً وہ رحم اور محبت کا تقاضا ہوتا ہے۔

اب دوسرے سوال کو تو یعنی اس عالم مخلوقات کے نظم کو۔ سائنس دان اور علم الٰہیات کے ماہر دونوں یہ یقین رکھتے ہیں کہ یہ نظم مقررہ اصوُل پر ہے۔ خواہ وہ مختلف چیزیں جن کا وجود ہم دُنیا میں دیکھتے ہیں علیحدہ علیحدہ پیدا کی گئی ہیں اور خواہ وہ ایک ہی حالت سے ترقی کر کے مختلف مدارج کمال پر پہنچ کر مختلف ہو گئی ہیں۔ اس میں کسی کو شک نہیں کہ اس عالم کا نظم ان قوانین معینہ پر ہے جو ایک بال بھر بھی ادھر اُدھر نہیں ہو سکتے۔ ایک حکیم خالق اور موجد نے نہ صرف اس عالم کو اعلےٰ درجہ کے اصولوں کے مطابق ایجاد اور خلق کیا ہے۔ بلکہ وہ اس پر حکومت بھی حکمت اور قانون کے ساتھ کرتا ہے۔ ہم کو ہر صورت میں وہ قانون جو کام کر رہا ہے سمجھ آئے یا نہ آئے۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ تمام واقعات جن کا ظہور اس عالم میں ہو رہا ہے۔ کسی قانون سے وابستہ ہیں *

وہ کاریگر جو ایک ایسی کل بنائے جس کا آج ایک پرزہ درست کرنے کی ضرورت ہے تو کل دوسرا اسے کوئی کاریگر نہیں کہتا۔ پس بصیر و قدیر صانع عالم نے اس عالم کی خلق اور ایجاد میں اس قسم کے نقص باقی نہیں چھوڑے۔ کہ آئے دن اس کے پرزوں کو درست کرنے کی ضرورت پیش آتی رہے۔ جو کچھ طاقت اس عالم کے کسی جزو میں ہے۔ جو کچھ تدریجی ترقی اور کمال یہ حاصل کرسکتا ہے ان سب کو اس نے مدِ نظر رکھا ہے۔ پس سورج گردش کرتا ہے۔ چاند ایک خاص راہ پر چلتا ہے زمین گھومتی ہے۔ گرمی کے ذریعہ سے سبزیوں کی تقسیم اور اُن کا پیدا کرنا عمل میں لایا جاتا ہے۔ سبزیاں اور گھاس بھیڑوں کے لیئے چارہ مہیا کرتی ہیں۔ بھیڑ خود اِنسان کے جسم کو نشو و نما دینے میں کام آتی ہے۔ صناع عالم نے اس تمام نظم میں کوئی ایسا نقص باقی نہیں چھوڑا جو اس کو خود بھر بار بار مداخلت کی ضرورت پیش آتی رہے۔ کیونکہ اس کی قوت ایجاد و خلق نہایت درجہ کی کامل ہے۔ اِس لیئے وہ قوانین اور اصُول جن پر اس سارے عالم کا دارو مدار ہے خدا کو یہ ضرورت نہیں کہ موسموں کے تغیر و تبدل کا اِنتظام کرتا رہا کرے۔ اُس نے زمین کو سورج کے سامنے ایک خاص حالت میں رکھا ہے۔ جس سے ہمارے موسموں کا تغیر و تبدّل پیدا ہوتا رہتا ہے۔ ہر چیز ایک مقررہ قانون پر کام کرتی ہے۔ خدا کے سوا کوئی دوسری ہستی ان قوانین کو روک نہیں سکتی انسان بھی اسی طرح ان کے ماتحت ہے جس طرح دُوسری مخلوقات* +

---

* قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان قوانین کی طرف جن کے ماتحت نظام عالم کام کر رہا ہے بار بار توجہ دلائی ہے۔ اور سورہ مُلک کی ابتداء میں نہایت وضاحت سے اس بات کو بیان فرمایا ہے ماترٰی فی خلق الرحمٰن من تفٰوت فارجع البصر ھل ترٰی من فطور یعنی رحمٰن کی مخلوقات میں جو قوانین کام کر رہے ہیں ان میں کسی قسم کا فرق نہیں۔ جتنا زیادہ غور انسان کرے گا۔ اُسی قدر زیادہ صفائی سے اس بات کو دیکھ لے گا کہ اس کے قوانین میں کوئی نقص ایسا نہیں کہ ایک جگہ قانون کام کر رہا ہو۔ تفاوت کے نہ ہونے سے مطلب یہ ہے کہ ایک ہی رنگ کے قوانین کام میں لگے ہوئے ہیں۔ گویا درحقیقت ایک ہی قانون سارے عالم میں کام کر رہا ہے اور فطور کے نہ ہونے سے منشاء یہ ہے کہ قوانین کے عمل میں کوئی اِختلال واقع نہیں ہوتا۔ کہ بعض جگہ تو قانون عمل کر کے ایک نتیجہ پر پہنچا دے اور بعینہٖ انہی حالات کے ماتحت دوسری جگہ عمل کر کے اس نتیجہ پر نہ پہنچائے۔ اس لیئے یہاں بار بار زور دیا ہے کہ پھر دیکھو اور پھر غور کرو۔ کیونکہ قانون کے عمل کو دیکھنے کے لیئے بہت غور اور وسیع نظر کا رہے +

انسان اس وسیع مخلوقات کے اندر کیا حیثیت رکھتا ہے وہ ایک تل کے برابر ہے بلکہ اتنا بھی نہیں
پھر انسان کو کیا حق ہے کہ اگر کسی وقت دنیا اس کے منشاء کے مطابق نہ چل رہی ہو تو وہ شکایت
کرے۔ ڈریپر نے خوب کہا ہے۔

"مگر اس طرح اصولی قوانین تک پہنچ جانے میں اور اس عالم کے نظام میں ان کے لاتبدیل محیط
اور سب سے فائق ہونے کو مان لینے میں انسان کے ارادے فعل کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔ تمام
چیزوں کی ظاہری صورت کا اظہار اس نقطۂ خیال میں ہے۔ جس سے ہم ان کو دیکھتے ہیں۔ جو شخص
ایک کھچا کھچ بھرے ہوئے شہر کے اشتغال میں منہمک ہے۔ وہ سوائے انسانوں کی مخلوق کے اور
کچھ نہیں دیکھتا۔ اور اگر اس نے اپنے ہی تجربہ سے رائے لگائی ہو تو وہ اس نتیجہ پہنچے گا کہ وقعات
عالم کے رخ کا انحصار انسان کی مرضی پر ہے جو کبھی ایک پہلو بدلتی ہے اور کبھی دوسرا۔ لیکن
جو شخص ذرا بلندی کے مقام سے نظر ڈالے گا۔ روزمرہ کے جھگڑے اس کی آنکھوں کے سامنے
نہیں آئیں گے اور نہ انسانوں کی باہمی مباحثات اس کے کانوں تک پہنچیں گے وہ دیکھ لیگا
کہ جوں جوں وہ اوپر چڑھتا جاتا ہے اور اس طرح اس کی آنکھ کے نیچے کا منظر وسیع ہوتا جاتا ہے
ساتھ ہی انسان کے انفرادی کاموں کی وقعت کم ہوتی جاتی ہے۔ اور اگر وہ صحیح فلسفیانہ یعنی
عام نقطۂ خیال پر پہنچ جائے اور اپنے آپ کو سارے زمینی اثروں اور پیچیدگیوں سے الگ
کرے اور اس قدر بلند ہو جائے کہ اس سارے کرۂ زمینی پر بحیثیت مجموعی ایک نظر ڈال سکے
تو اس کی تیز سے تیز نگاہ بھی انسان اور اس کی آزادی خیال اور اس کے افعال کا اثر نہ دیکھ
سکے گی۔ زمین کی اس تیز رفتاری میں جسے کوئی چیز روک نہیں سکتی اس کی شب و روز کی تکلیف
بات کی باقاعدگی میں اس کے براعظموں اور سمندروں کی خوبصورتی میں جسے ہر نگہ پہچان سکتی ہے
اور جن میں اب کسی قسم کی تاریکی نہیں بلکہ روشن سیاروں کی طرح چمک رہے ہیں۔ وہ اپنے
آپ سے یہ سوال کرے گا کہ ان تمام تمناؤں امیدوں اور تفکرات کا۔ اور زندگی کی راحت و
غم کا کیا حشر ہوا؟ جیسا کہ وہ کام جن کا انحصار انسان کی مرضی پر ہے اس کی آنکھوں کے سامنے
سے غائب ہوتے جائیں گے اور وہ امور اس کی آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوتے جائینگے
جن پر انسان کا تصرف نہیں اور ہر لحظہ زیادہ روشنی پیدا ہوتی جائے گی۔ وہ خود اپنے ہی

تجربہ کی صحت پر شک کرنے لگے گا اور اس کے دل میں یہ سوال اُٹھے گا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے
کہ وُہ مقام جو اس قدر لازوال شان و شوکت کی جگہ ہے۔ وہیں اس قدر انسانی بے ثباتیاں
بھی موجود ہیں اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک حرکت کرنے والے عالم کے وسیع طاقتور اور
لاتبدیل طریق میں کچھ انسانی کمزوری اور ناتوانی بھی چھپی ہوئی اپنا کام کر رہی ہے۔ غور
کرو کہ صرف نقطۂ خیال تبدیل ہوا ہے۔ مگر اس سے کس قدر انقلاب ہمارے خیال میں پیدا
ہو گیا ہے۔ ایک ہندو فلاسفر نے سچ کہا ہے کہ جو شخص دریا کے کنارے کھڑا اس کے بہاؤ کے
منظر کو دیکھ رہا ہے وہ اس کی تمام لہروں کو یکے بعد دیگرے آگے گذرتے ہوئے دیکھتا ہے۔
لیکن جو شخص ایک مرتفع مکان سے اس نظارہ کو دیکھے گا اُسے وسیع میدانوں کے اندر صرف
ایک بے حرکت سفید چمکتا ہوا دھاگا نظر آئے گا۔ ایک کی نظر میں انسان کا وہ بڑھتا ہوا علم
اور تجربہ ہے جو کہ رفتار زمانہ سے پیدا ہو رہا ہے۔ دوسرے کی نظر میں خدا کا فوری اور اجتماعی
عِلم ہے"۔

اب جب ہم نے خدا کی ذات و صفات کا اور اس عالم میں واقعات کے کام کرنے کا کچھ علم
حاصل کر لیا ہے۔ تو ہم بہ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ کیا یہ جنگ یا اس قسم کے دُوسرے وسیع
مصائب انسانی سے خدا کی ہستی یا خدا کے رحم پر کوئی شبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں
کہ جس قسم کا خدا عیسائی مذہب پیش کرتا ہے۔ جس کو وہ باپ کہتے اور صرف محبت ہی محبت
بتاتے ہیں وہ عقیدہ واقعات کے رُو کے سامنے قائم نہیں رہ سکتا۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں۔
کہ انسان کو یہ کہنے کا کوئی حق حاصل نہیں کہ واقعات عالم کے اختیار صرف اسی کی بہتری کیلئے
ہونی چاہیئے یا اس کا انحصار اس کی مرضی پر ہونا چاہیئے۔ لیکن ساتھ ہی اس کے ہم یہ بھی دیکھتے
ہیں کہ خدا نے محض اپنے رحم سے انسان کو چن لیا کہ وہ اسے اشرف المخلوقات بنائے۔
یہاں تک کہ وُہ سورج جیسی عظیم الشان چیز کو بھی اپنے کام میں لا سکے اور اپنے مطلب کے
موافق اس سے کام لے سکے۔ ایک بہت ہی حقیر سی ہستی کو اُس نے محض اپنے رحم سے زمین
پر اپنا خلیفہ بنایا۔ یقیناً انسان کو اس مرتبہ تک پہنچنے میں خود کوئی اختیار نہ تھا۔ اور نہ اپنی
مرضی سے یہ مقام اُس کو حاصل ہوا۔ بلکہ محض خدا کے رحم نے اس کو اس مقام تک پہنچایا

جو دماغی اور ذہنی قوائے انسان کو دیئے گئے نہ وہ ہاتھی کو دیئے گئے اور نہ کسی دوسری بڑی سے بڑی زمینی مخلوق کو۔ یہ انسان کے جسم کا بنیادی چھوٹا سا قالب ہے جس میں اس قدر طاقت رکھ دی گئی ہے کہ وہ آہستہ اور باقاعدہ خاص اصُول کے اوپر چل کر ترقی کرتا کرتا ایک ایسے مکمل انسان کی صورت اختیار کرے جو بلند پروازی کرتا ہوُا آسمان تک بھی پُہنچ سکے۔ اسکے علاوہ اس دُنیا کے نظامِ حیات حیوانی میں ہم کیا دیکھتے ہیں۔ یہ کہ زندگی کے لیئے ایک مسلسل جدوجہد جاری ہے ایک مخلوق کی موت پر دوسرے کی زندگی کا انحصار ہے۔ جب ہم گوشت کھاتے ہیں یا گوبھی کھاتے ہیں ہم یقیناً ایک زندگی کو مٹاتے ہیں۔ کیا ایک بھیڑ جب ہم اسے اپنے کھانے کے لیئے ذبح کرتے ہیں۔ خدا کے رحم کے خلاف اعتراض نہیں کر سکتی کہ اُس نے ہمیں کیوں اس کے مارنے کی اجازت دی ہے؟ کیا ایک سبز گھاس کا پودہ اسی طرح پر اعتراض نہیں کر سکتا کہ کیوں اُس نے بھیڑ کو اسے کھا جانے کی اجازت دی ہے؟ اگر ایک بھیڑ یا ایک گھاس کا تنکا اعتراض نہیں کر سکتا تو ہم کیونکر اعتراض کر سکتے ہیں۔ اگر ہم میں سے ایک دوسرے کو مار ڈالتا ہے یا ایک ببر ہم کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا ہے +

میری رائے میں تو یہ اصول کہ ایک کی موت سے دوسرے کی زندگی بنتی ہے۔ ہمارے دل پر خدا کے رحم کا گہرا اثر ڈالتا ہے۔ یہ اس تمام مخلوقات کو جس میں زندگی ہے اور جس میں ہم بھی شامل ہیں یہ بتاتا ہے کہ ہماری زندگی نہ اپنی کوشش سے بلکہ محض خدا کے فضل سے ہے۔ انسان کی مثال کو لو۔ باوجود اپنے ذہنی قوائے کے باوجود اپنی طبی ایجادات کے وہ زمینی مخلوقات میں سے سب سے لمبی عمر والا نہیں ہے۔ پھر وہ ایک لمحہ کے لیئے بھی اپنی زندگی کا یقین کامل نہیں رکھ سکتا۔ ایران کی اس قابلِ عزت شاعر شیخ سعدیؒ نے کیا خوب کہا ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ جب وہ سانس لے خدا کا دو دفعہ شکر یہ ادا کرے۔ کیونکہ جب وہ اپنے سانس سے ہوا خارج کرتا ہے تو وہ ایک ایسی زہر باہر نکال پھینکتا ہے۔ جو اگر نہ نکالی جاتی تو اسے ہلاک کر دیتی اور جب وہ سانس کے ذریعہ سے ہوا اندر لیجاتا ہے۔ تو زندگی بخش آکسیجن لے جاتا ہے۔ غور کرو کہ کس طرح تمہاری زندگی کا ہر لمحہ ہلاکت کو پہنچانے والے واقعات کے امکان سے پُر ہے تو پھر تم کو سمجھ آئے گا۔ کہ ہم صرف خدا کے رحم سے ہی

زندگی بسر کر رہے ہیں +

اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک حد تک آزادی فعل بھی دی ہے۔ تم اپنی قسمت کو اچھا یا بُرا بنا سکتے ہو۔ خدا کی کتاب ارشاد الٰہی ہمیں یوں پہنچاتی ہے۔ وکل انسان الزمنٰہ طائرہ فی عنقہ ونخرج لہ یوم القیمۃ کتابا یلقاہ منشورا ○ اقرأ کتابک کفی بنفسک الیوم علیک حسیبا ○ من اھتدی فانما یھتدی لنفسہ ومن ضل فانما یضل علیھا ولا تزر وازرۃ وزر اخری وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا (بنی اسرائیل ۱۲-۱۵)

اور ہر ایک انسان کے عمل نامہ کو ہم نے اُس کی گردن کے ساتھ لگا دیا ہے۔ اور قیامت کے دن ہم اس کے لیئے ایک ایسی کتاب نکال لائیں گے جس کو وہ کھلی ہوئی پائے گا۔ اپنی کتاب کو پڑھو۔ آج تیرا اپنا نفس ہی تیرے محاسبہ کے لیئے کافی ہے۔ جو شخص سیدھی راہ پر چلتا ہے وہ اپنی جان کی بھلائی کے لیئے ہی سیدھی راہ پر چلتا ہے اور جو شخص گمراہی اختیار کرتا ہے اسکا وبال بھی اس کی اپنی جان پر ہی ہوگا۔ اور کوئی بوجھ اُٹھانے والا دُوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ اور ہم کبھی سزا نہیں دیتے جب تک کہ پہلے رسُول مبعوث نہ کرلیں +

اگر ہم ایک دوسرے کو مارنے کی ہی ٹھان لیں اور سرسبز ملکوں کو تباہ کرنے پر تُل جائیں تو اس کے لیئے خدا کو الزام کیوں دیا جائے۔ خدا نے یہ زمین اس قدر وسیع بنائی ہے کہ سب انسان آرام سے اس پر گذارہ کر سکتے ہیں۔ اگر اُن کا منشاء آرام سے رہنے کا ہو اور اگر انسان کے لالچ اور طمع کی کوئی حد بندی ہو۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو ہم اس کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور ضرور ہے کہ اس کی سزا پائیں۔ خدا تو اپنی سب مخلوق پر یکساں مہربان اور رحم کرنے والا ہے لیکن جو شخص دوسرے کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے وہ ضرور ہے کہ اُس کی سزا پائے۔ اس صُورت میں یہ سزا بھی خدا کے رحم کا نتیجہ ہوتی ہے۔ موجودہ جنگ جس نے ساری دنیا میں آگ لگا دی ہے وہ خود کسی بات کا نتیجہ ہے؟ انسانوں کے اپنے جذبات اور اعمال کا نہ کسی اور چیز کا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کوئی مصیبت انسان پر نہیں آتی۔ مگر کسی نہ کسی رنگ میں اس کے اپنے ہاتھ ہی اس کو پیدا کرتے ہیں۔ اسلئے خدا کے رحم اور محبت پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ وہ رحیم اور مہربان ہے۔ وہ

بدی کو پسند نہیں کرتا۔ بدی صرف ان طاقتوں اور قوتوں کے بُرے استعمال کا نام ہے جو ہکو دی گئی ہیں۔ خدا یہ چاہتا ہے کہ سب انسان بھائی بھائی بن کر رہیں۔ ایک دُوسرے کے خیر خواہ اور ہمدرد بنے رہیں۔ اس نے ہم کو قوائے عقلی اور ذہنی اس لیئے دیئے تھے کہ ان کو ہم ایکدوسرے کی ہمدردی کے لیئے کام میں لائیں۔ لیکن انسان انہی قوائے کو اپنے ہی بنی نوع کی بربادی کیلیئے استعمال کرتا ہے۔ اور اس طرح خود اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ وُہ یہ نہیں چاہتا کہ دُوسرے بھی آرام سے رہیں بلکہ اپنی طاقت کا سب کو وسیع کرنا چاہتا ہے۔ اس کشمکش میں اس جدوجہد میں ضروری ہے کہ انسانوں پر تباہی بھی آئے۔ یہ تباہی بھی اس لیئے نہیں کہ خدا تعالےٰ انتقام لینا چاہتا ہو بلکہ اس لیئے کہ بدی اور ظلم دُنیا سے مٹ جائیں ....

یقیناً اللہ قادر مطلق ہے۔ جب ہم اپنے لیئے آزادی فعل کے اختیارات چاہتے ہیں تو ہم یہ کس طرح انکار کر سکتے ہیں کہ خدا کو پوری قدرت حاصل ہے۔ وہ اگر چاہے تو اس مخلوقات کی ساری ہیئت کو بدل دے وہ اگر چاہے تو ایک لمحہ میں ساری تباہی اور بربادی کو جو اسوقت دُنیا پر ہو رہی ہے روک دے۔ لیکن وہ ایسا کیوں کرے۔ وُہ جانتا ہے کہ ہماری آزادی فعل پہلے بھی بہت سی حدبندیوں کے ماتحت کام کر رہی ہے۔ کیا پھر وُہ اسے بالکل ہی اڑا دے۔ کیا ہم اسے پسند کر سکتے ہیں۔ کیا ہم میں سے کوئی ہے جو یہ چاہتا ہے کہ اپنی طاقت اور قوت کو اچھی یا بُری جگہ لگانے کا جو اختیار حاصل ہے وہ اس سے چھین لیا جائے۔ کیا خدا کی اس سب سے بڑی نعمت کو ہم کھو دینا پسند کرتے ہیں۔ یہ ہماری آزادی فعل کا ہی نتیجہ ہے کہ ساری مخلوق پر ہم حکمرانی کر رہے ہیں اور سورج تک کو اپنے کام میں لا رہے ہیں۔ اس لیئے اگر ہم سے یہی چھین لی جائے تو کون کہے گا کہ یہ خدا کے رحم کا ظہور ہے۔ میں اپنے لیئے کہہ سکتا ہوں کہ میں اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ مجھے آزادی فعل حاصل رہے۔ خواہ کبھی کبھی اس کے غلط استعمال کے لیئے مجھے اس کی سزا بھی اُٹھانی پڑے بہ نسبت اس کے کہ مجھ سے یہ چھین لی جائے۔ اور مجھے یہ کہا جائے کہ اب تمکو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی سزا نہیں دیجائے گی۔ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا ہے کہ ہم کو جو سزا ملتی ہے وہ بھی خدا کے رحم کا ہی نتیجہ ہے۔ جب آپ بستر مرگ پر تھے تو آپ نے فرمایا۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلعم) کی جان ہے کسی مومن پر کوئی مصیبت یا

بیماری نہیں آتی۔ گرمیکہ اس سے اس کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جیسے خزاں میں درختوں کے پتے +

خود اس جنگ کے متعلق بھی ہم سمجھ سکتے ہیں کہ یہ نری مصیبت ہی مصیبت نہیں۔ ایک انگریز نے کہا ہے کہ اِن جزائر یعنی برطانیہ کلاں میں کوئی عورت یا مرد ایسا نہیں جو اس جنگ کی وجہ سے اپنے اندر ایک اچھی تبدیلی نہیں پاتا۔ اس کا خیال ہے کہ ساری آبادی اس آگ کی وجہ سے ہر قسم کی آلائش سے صاف ہو کر نکلے گی +

....

خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ اس ہولناک مصیبت کے بعد خدا کے رحم سے ایسا ہو کہ یورپ پہلے سے اچھی حالت میں نکلے اور دوسرے لوگ بھی اس سے سبق حاصل کریں۔ خدا کرے کہ آئیندہ تہذیب کی بنیاد مادیت پر نہ ہو بلکہ مذہبی اور اخلاقی اصول پر ہو تاکہ وہ مضبوط عہدنامے جو قوموں اور قوموں کے درمیان یا حاکم و محکوم کے درمیان ہوتے ہیں۔ آئیندہ اُن کی عزت کی جائے۔ ایسا ہو کہ آئیندہ کمزور قومیں محض اپنی کمزوری کی وجہ سے طاقتور قوموں کے پاؤں تلے نہ روندے جائیں۔ کہ ایک کی دولت اور زمین پر دوسرے کے دندان طمع تیز نہ ہوں .... کہ ایک عام اخوت ایک انسان اور دوسرے انسان میں۔ ایک قوم اور دوسری قوم میں قایم ہو جائے۔ جو اگر جنگ کو ہمیشہ کے لیئے ختم نہ کردے تو کم از کم آئیندہ اس میں اس قسم کے مظالم اور وحشیانہ پن پیدا نہ ہونے دے جیسا کہ موجودہ جنگ میں ہوا ہے یہ مہیب جنگ انسانوں کے اختیار سے بالکل باہر چلی گئی ہے۔ آؤ ہم سب دعا کریں۔ کہ اس سے ایک ایسی صلح پیدا ہو جو ہمیشہ کے لیئے رہے خواہ وہ ایک سال میں آئے یا دس سال میں۔ اور کہ خدا اپنے رحم سے ہماری زیادتیوں سے درگذر فرمائے۔ اور ہمیں صراط مستقیم پر چلائے تاکہ آئیندہ نسلوں کے لیئے ہم اپنے پیچھے اقبال اور اتفاق کو چھوڑیں۔

(قدوائی)

سب نبیوں کا موعود رسول

واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ

جیسا کہ قرآن کریم نے بار بار ذکر فرمایا ہے اللہ تعالےٰ نے ہر ایک قوم میں اور ہر ایک امت میں ایک رسول مبعوث کیا۔ یا بعض قوموں میں ایک سے زیادہ رسول بھی مبعوث کیے۔ لیکن اسمیں شک نہیں کہ یہ جس قدر رسول آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے آتے رہے۔ یہ سب خاص خاص قوموں کی طرف آتے رہے۔ کل دُنیا کی طرف مبعوث ہونا یہ صرف ایک ہی رسول کے لیئے مخصوص رکھا گیا۔ جو سب سے آخر اور سب کو ایک دین پر جمع کرنے کے لیئے آیا۔ تو چونکہ اس رسُول نے ساری قوموں کو ایک دین پر جمع کرنا تھا۔ اس لیئے اللہ تعالےٰ نے ساری قوموں سے بذریعہ اُن کے نبیوں کے یہ عہد لیا کہ جب وُہ رسول آجائے تو تم سب نے اس کے دین پر چلنا ہوگا۔ کیونکہ اصل غرض یہی تھی کہ نسل انسانی کے اندر سے قومیت کی تفریقوں کو مٹایا جائے اور سب کو بھائی بھائی بنایا جائے۔ مگر مختلف قوموں میں مختلف نبیوں کے آنے سے قومی امتیازات ایک حد تک مضبوط ہوتے چلے گئے۔ کیونکہ ہر قوم ہدایت کے لیئے اپنے ہی نبی کو دیکھتی تھی اور اسکو دُوسری قوم کے نبی کی تعلیم سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اور چونکہ تعلقات بین الاقوام بھی اس وقت نہ تھے۔ سب قومیں اپنے اپنے ملکوں میں علٰحدہ علٰحدہ پڑی ہوئی تھیں۔ اس لیئے ان حالات کا اقتضا بھی یہی تھا۔ کہ ہر قوم کے اندر جدا جدا نبی مبعوث ہو۔ مگر یہ علٰحدگی جو ملکوں اور قومیتوں کی حدبندی سے پیدا ہوئی ہمیشہ کے لیئے رہنے والی نہ تھی۔ اس لیئے یہ ضروری ہُوا کہ جب وہ وقت آجائے کہ تعلقات بین الاقوام کی راہیں کھل جائیں تو قومی رسُولوں کی بجائے ایک ہی رسول ساری دُنیا کی طرف مبعوث ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی رسول دُنیا میں ہُوا جس نے علی الاعلان بار بار کہا کہ میں کل عالمین کی طرف آیا ہوں۔ اور جس کے متعلق ارشاد ہُوا کہ ہمنے تم کو کافۃ للناس بھیجا ہے جس نے قومیتوں کی ساری تفریقوں کو مٹایا اور نسل انسانی کو وہ حکم خداوندی سُنایا جو ان کو بھائی بھائی بنانے والا تھا۔ یایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر وانثیٰ وجعلنٰکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔ اے لوگو۔ ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تم کو شاخیں اور قبیلے بنایا۔ تاکہ تم ایکدُوسرے کو پہچانو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے معزز وہ ہے جو سب سے متقی ہے۔ تو چونکہ اس رسول پر ایمان لانا اور اس کی نصرت کرنی ہوگی۔ اور یہ عہد ہر ایک قوم سے بذریعہ اُن کے نبی کے لیا گیا

یہی وہ مضمون ہے جس کو آیت مذکورۃ الصدر میں بیان فرمایا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو ایک حدیث میں آیا ہے انا اوّل النبیین خلقا و اٰخرھم بعثا۔ کیونکہ اگر آپ اوّل النبیین خلقا نہ ہوتے تو آپ کے متعلق ہر نبی سے وعدہ کس طرح لیا جاتا۔ اور بعثت میں آخری اس لیئے ہوئے۔ کہ تا کل نبیوں سے آپ کے متعلق عہد لیا جائے اور آپ بھی کل کی تصدیق کریں +

اس رسول کی سب سے بڑی علامت جو یہاں بتائی وہ یہ ہے کہ وہ مصدق لما معکم ہے یعنی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ جو پہلی قوموں کے پاس ہے۔ یہ ایک امتیازی نشان ہے جو رسول عربی فداہ امی وابی میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہی ایک رسول ہے جس نے اپنے سے پہلے دنیا کے تمام رسولوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔ چنانچہ اس کا ذکر قرآن کریم میں بار بار ہے۔ ابتدائے قرآن میں ہی فرمایا یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک جو کچھ تم سے پہلے نازل ہو چکا اس سب پر ایمان لاتے ہیں۔ اور پھر فرمایا قل اٰمنا باللّٰہ وما انزل علینا وما انزل علیٰ ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ و عیسیٰ والنبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو اتارا گیا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور قبیلوں پر اور اس پر جو دیا گیا موسےٰ اور عیسےٰ اور سب نبیوں کو اپنے رب کی طرف سے ہم ان میں سے کسی میں بھی تفرقہ نہیں کرتے۔ پس یہاں درحقیقت بتا دیا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دنیا کے کل نبیوں کی تصدیق فرماتے ہیں اور اس طرح پر قرآن نے خود ہی یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ رسول مصدق لما معکم سے کیا مراد ہے۔ کیونکہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی دنیا میں ایک رسول ہوا ہے۔ جس نے دنیا کے کل نبیوں کی تصدیق کی ہے۔ اور ان پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے +

حضرت مسیحؑ کے حواریوں نے بھی اس بات کی شہادت دی ہے۔ کہ وہ نبی مثل موسےٰ جسکی پیش گوئی استثناء ۱۸۔۱۵ و ۱۸ میں ہے۔ اس کے متعلق دنیا کے کل نبیوں نے شہادت دی ہے چنانچہ اعمال رسل باب ۳ آیت ۲۱ میں ہے "ضرور ہے کہ آسمان اسے لیئے رہے۔ اس وقت تک کہ سب چیزیں جن کا ذکر خدا نے اپنے سب پاک نبیوں کی زبانی شروع سے کیا اپنی حالت پر آویں۔ کیونکہ موسےٰ نے باپ دادوں سے کہا۔ کہ خداوند جو تمہارا خدا ہے تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لیئے ایک نبی میری مانند اٹھاوے گا۔ جو کچھ وہ تمہیں کہے اس کی سب سنو" اس سے صاف معلوم ہے کہ حضرت مسیحؑ کے بعد تک اس پیشگوئی کا انتظار تھا۔ اور دنیا میں ایک ہی شخص ہوا ہے جس نے یہ دعوےٰ کیا۔ کہ میں وہ نبی ہوں جس کی بابت کل نبیوں نے خبر دی تھی۔ اور جس طرح اس کی خبر سب نبیوں نے دی۔ اسی طرح اس نے سب نبیوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا +

دوائیوں کے تیل

مذکورۂ ذیل دوائیوں کے تیل۔ دوائیوں کے تیل کے دو تین
پاؤ آدھ سیر دوا کے فائدہ دیتے ہیں۔ اور کوٹنے پیسنے کی تکلیف سے بچتے ہیں۔
اور آسانی سے پی سکتے ہیں۔

(۱) روغن صندل۔ سوزاک کے لیئے نہایت درجہ مفید ہے قیمت فی شیشی ۶ ر
محصول ایک سے چار شیشی تک پانچ آنہ۔ ۵ ر

(۲) اجوائن کا تیل۔ قے اور بدہضمی کی ایک ہی دوا ہے قیمت فی شیشی ۶ ر محصول ۵ ر

(۳) روغن سونٹھ۔ یہ بھوک کو بڑھاتا ہے۔ اور ریاح کو خارج کرتا ہے قیمت فی شیشی ۵ ر
محصول ایک سے چار شیشی تک پانچ آنہ ۵ ر

(۴) روغن سونف۔ پیٹ پھولنا اور دست وغیرہ کے لئے مفید ثابت ہوا ہے فی شیشی ۴ محصول ۵ ر تا ۱۴

(۵) روغن دال چینی۔ یہ دال چینی کے ملائم چھلکوں سے بنا ہے۔ اور یہ چیز نہایت خوشبودار ہے
قیمت فی شیشی ۶ ر محصول ایک سے چار تک ۵ ر

(۶) روغن لونگ۔ متلی اور ریاح کو دفعہ کرتی ہے۔ اور درد شکم و بدہضمی کو مفید ہے قیمت فی شیشی ۱۴ ر محصول ۵

(۷) روغن لیمو۔ ہے گویا ابھی درخت سے ٹوٹے ہوئے لیمو کا خوشبو دیتا ہے قیمت فی شیشی ۸ ر محصول ۵ ر

(۸) روغن پیپرمنٹ۔ پیٹ کے درد بدہضمی اور ریاح کے خارج کرنے میں یہ ایک بہت
مشہور دوا ہے قیمت فی شیشی ۱۰ ر محصول ۵ ر

(۹) روغن الائچی۔ متلی اور ہچکی کو بند کرتی ہے۔ اور بھوک بڑھاتی ہے قیمت
فی شیشی ۶ ر محصول ۵ ر

ایک سلائی سے اندھی آنکھ روشن کرنے والا جواہر نور العین

مہینے روپے ماشہ والا خالص ہیرا بھی جواہر نور العین کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور ممیرہ اور دیگر اقسام کے سرمے کی تو اس کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں کیونکہ اس کی ایک سلائی سے دو منٹ میں دھند دور نظر و گئی شبکوری یعنی رتوندی زنع اور ایک ہفتہ میں روئے ہیئے لگر سے مناخنہ پڑبال پھولے موتیا بند ضعیف بصارت اور ہر قسم کا اندھا پن معدوم ہو کر نظر بحال ہو جاتی ہے اور آنکھ بنوانے اور عینک لگانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ قیمت فی ماشہ درجہ خاص عہ درجہ اعلےٰ للعہ درجہ اول

بے شمار سندات میں سے صرف چند کی مختصر نقل انکے اصلی الفاظ میں

موتیا بند اور پھولے کے دس نفر
اچھے کر دیئے دستخط سردار امیر محمد خان صاحب گورنر غزنی

۲۵ برس کی بند آنکھ کھل گئی
اور پڑبال دور ہو گئے۔ دستخط اللہ الدام صاحب تحصیلدار کابل

دس برس کے لگرے ہیئے رفع ہوئے
دور کر دیئے دستخط شہزادہ ضیاء الدین صاحب از شاہ پور

اپرشن ہو گئے دور نہ ہوئے تھے
جواہر نور العین نے اچھے کر دیئے دستخط عبدالرحیم سوداگر کالی ہے

دس سال کی شبکوری دور کر دی
دستخط خواجہ حمدالدین صاحب از راولپنڈی

۱۵ سالہ چیچک کا پھولا دور کر دیا
دستخط سردار سید محمد صاحب از کابل۔

شربت جانفزا

بھوک لگاتا کھانا ہضم کرتا اور سرخ اور نفیس خون پیدا کر کے تمام جسم کی پرورش کرتا اور دبلے پتلے کو فربہ اور تنہا و طاقتور بناتا اور دل و دماغ کو طاقت دے کر عقل ہوش و ہوس و حافظہ تیز کرتا ہے بحالت ضعف اور غشی اسکی ایک خوراک پینے سے ۵ منٹ میں بیہوش ہوش میں آکر بات چیت کرنے لگتا ہے۔ نادر نسخہ کے پینے جو ہمیشہ کمزور دبلے پتلے اور دستوں اور سعال اور سینہ کی امراض میں مبتلا رہتے ہیں اسکے استعمال سے جلد تر و تازہ ہو جاتے ہیں کھانسی اور سل کی امراض کیلئے تو یہ اکسیر بے نظیر ہے ایک مہینہ میں ۱۲ پونڈ وزن بڑھاتا ہے قیمت فی شیشی عہ روغن حسن افروز چہرہ کی چھائیاں اور سیاہ داغ دور کر کے سیاہ فام کو گلفام بناتا ہے قیمت عہ

پتہ:۔ ڈاکٹر غنی بخش سابق میڈیکل افسر افغانستان دہلی دروازہ لاہور

اشاعت اسلام بک ڈپو

مصنفہ خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری

(۱) براہین نیرہ حصہ اول المعروف بہ۔ قرآن ایک خاتم اور عالمگیر الہام ہے اردو۔ قیمت (۱۰/)

(۲) ام الالسنہ یعنی عربی مبین کل زبانوں کی ماں ہے۔ اردو قیمت دس آنے۔ ... (۱۰/)

(۳) اسوہ حسنہ۔ الموسوم بہ "زندہ اور کامل نبی" اردو (۴/)

(۴) احادیث نبوی کا اقتباس انگریزی قیمت۔ (۲/)

مسلم پریئر انگریزی قیمت چار آنے۔ .... (۴/)

صحیفہ آصفیہ تبلیغ بنام بحضور نظام حیدرآباد دکن اردو قیمت دو آنے ...... (۲/)

بنگال کی دلجوئی انگریزی و اردو فی کتاب قیمت (۱/)

مسلم مشنری کے ولائیتی لکچروں کا سلسلہ اردو قیمت (۱/) اور تین عدد انگریزی لیکچر قیمت تین آنے (۳/)

مسلم ایٹیچیوڈ ٹورڈ گورنمنٹ انگریزی۔ کرشن اوتار اردو۔ فی کتاب قیمت ایک آنہ ..... (۱/)

اسلامک ریویو و مسلم انڈیا کی جلدیں ۱۹۱۳-۱۹۱۴

انگریزی قیمت فی جلد سنہ ۱۹۱۳ء (عہ) جلد سنہ ۱۹۱۴ء (عہ)

رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ اسلامک ریویو کی سابقہ پرچے جولائی سنہ ۱۹۱۴ء لغایت دسمبر سنہ ۱۹۱۴ء قیمت (عہ)

دیگر مختلف تصنیفات

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ پارہ اول مرتبہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ اردو قیمت فی جلد.. (۶/)

نکات القرآن حصہ دوم ایضاً " .... (۶/)

" حصہ سوم " " .... (۸/)

عصمت انبیاء (۸/) غلامی " " .... (۴/)

ویسٹرن اویکنگ ٹو اسلام مصنفہ جناب لارڈ ہیڈلے صاحب بالقابہ انگریزی قیمت فی جلد بارہ آنے (۱۲/)

التوحید یعنی لا الہ الا اللہ کی مختصر تفسیر ہے مصنفہ جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب ایل۔ ایم۔ ایس قیمت (۱/)

Miracle of Mohd

مصنفہ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹرایٹ لا انگریزی قیمت فی جلد بارہ آنے..... (۱۲/)

اسلام اینڈ سوشیلزم ایضاً ... (۱۴/)

پیغام صلح انگریزی و اردو فی رسالہ قیمت (۱/)

النبوۃ فی الاسلام۔ نبوۃ کی اصل غرض و غایت مصنفہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے قیمت... (عہ)

حدوث مادہ " " " .... (۱۴/)

مکمل جلد اول سنہ ۱۹۱۵ء رسالہ اشاعت اسلام قیمت فی جلد تین روپے .... (عہ)

پتہ

منیجر خواجہ عبد الغنی۔ عزیز منزل۔ احمدیہ بلڈنگس۔ نولکھا۔ لاہور

نوٹ:۔ نمبر ۱-۲-۳-۴ ناظرین کرام ان کتب کو اپنے حلقہ اثر میں اور غیر مسلم احباب میں تقسیم فرما کر ثواب دارین حاصل کریں

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی - اے - ایل ایل - بی) و مولوی صدر الدین (بی - اے - بی - ٹی)

نمبر (۳)	بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۶ء	جلد (۳)

فہرست مضامین

ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ فروری سنہ ۱۹۱۶ء

قیمت سالانہ تین روپے

وی پی وصول کنندگان اصحاب امور ذیل پر توجہ فرمائیں

بعض وقت ہم کو وہ کوپن زر وصول شدہ وی۔پی کے ساتھ ڈاک خانہ سے محفوظ حالت میں نہیں ملتا۔ کہ جس پر وصول کنندہ کا نام اور پتہ ہوتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روپیہ تو ہمیں وصول ہو جاتا ہے لیکن کوپن کے مذکورہ بالا نقص کے باعث ہمیں خریدار کا پتہ نہیں چلتا اور دفتر سے آئندہ رسالہ جاری نہیں ہو سکتا۔ ایسی شکایات کثرت سے آتی ہیں۔ اسمیں ہمارا قصور نہیں۔ اس نقص کا دفعیہ یوں ہو سکتا ہے۔ کہ جس وقت کوئی صاحب وی۔پی وصول کریں۔ یا تو اسی وقت ایک کارڈ سے ہمیں اطلاع بخشیں کہ انھوں نے وی۔پی وصول کر لیا۔ اور اپنا پتہ اور اسم گرامی خوش خط لکھدیں۔ یا جس وقت دوسرے ماہ رسالہ نہ پہنچے۔ تو فی الفور ہمیں اطلاع دیں۔ کہ وہ قیمت تو دے چکے ہیں لیکن رسالہ نہیں پہنچا۔ عین عنایت ہوگی +

منیجر

اشاعت اسلام (عزیز منزل) احمدیہ بلڈنگس نولکھا۔ لاہور

تصاویرات نومسلمانان لندن

ہم نے متعدد تصویریں نومسلموں کی ووکنگ آفس لندن سے منگوائی ہیں۔ قیمت فی تصویر صرف ایک آنہ (۱ر) ہے

نوٹ:۔ محصول ڈاک وخرچہ وی۔پی بذمہ خریدار + درجن کے خریدار کو دو آنے (۲ر) رعائت

منیجر اشاعت اسلام لاہور

MR. SHAMS-UD-DIN SIMS,

who is represented by this photograph, relates a very interesting story in connection with his acceptance of Islam. He used to look upon the mosque as a heathen temple in which he thought queer things and idols were adored, and the chief object of worship, he understood, was the Sun. He often thought of coming to the mosque to satisfy his curiosity. But his information, like that of most of the Britishers, was so fantastic that he was afraid to come. At last his curiosity got the upper hand and led him "to venture," as he described afterwards, "into these fantastic premises." He found, to his astonishment, that the Muslim church was clear of all kinds of images, and that the Imam urged in his sermon that our worship should be confined to the Only One God. He was thus able to see how he was labouring, in common with others, under a false conception of the Islamic Faith, which is pre-eminently characterized by the doctrine of the Unity of the Common Creator of all the nations. It was not long before he joined Islam and received a Muslim name (Shams-ud-Din—the Sun of the Faith) that alludes to what brought him into the fold.

He is one of the most enthusiastic Muslims. His natural linguistic aptitude has helped him to learn how to read the Quran in Arabic and also to write Arabic characters. A beautifully written formula of the faith, done in an attractive floral style by our brother, decorates the mantelpiece of the house of the Imam. He cries the call to prayers as often as he happens to be at the mosque, and endeavours to show the truth to others. We hope Allah will bless him more and more.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو و مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۲) بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۶ء نمبر (۳)

شذرات

جنوری کا مہینہ انگلستان میں سخت سردی کا مہینہ ہے۔ اور باہر چلنا پھرنا یا زیادہ میل ملاقات بھی نہیں ہوسکتی۔ مولوی صدرالدین صاحب امام مسجد ووکنگ کی طبیعت بھی اس ماہ میں زیادہ علیل رہی۔ بایں ایک نئی روح اسلام میں داخل ہوئی۔ جس کی رپورٹ حسب ذیل مولوی صاحب کے ۱۹۔جنوری کے خط میں ہے :-

"مس مبری کو چند ماہ سے اسلام سے دل چسپی تھی۔ اس عرصہ میں وہ نہ صرف اسلامک ریویو اور دیگر رسالہ جات کا مطالعہ کرتی رہیں۔ بلکہ دو دفعہ لنڈن سے سفر کرکے ووکنگ تشریف لائیں۔ تاکہ مزید حالات سے آگاہی حاصل کریں۔ آخرش اللہ تعالیٰ نے اس سعید روح کو اسلام جیسی نعمت عظمیٰ نصیب کی اور اُنھوں نے لنڈن میں نماز جمعہ کے وقت اسلامی مجمع میں اسلام اختیار کیا۔ خدا تعالیٰ اس خاتون پر اپنی برکات نازل فرمائے۔ اس کو صراط مستقیم دکھانے میں ہماری ایک بہن امینہ نے جو ان کی ہمسائی ہیں بڑی سعی کی۔ اور اس کا بڑا ثواب انہی کے حصہ میں لکھا جائے گا۔ اُنھوں نے اس نومسلمہ کی بڑی تعریف کی ہے۔ اور اس کی پاکیزگی کی خصوصیت سے مداح ہیں۔ اُن کا نام عفیفہ رکھا گیا

جو ان کے انگریزی نام مریم کا ترجمہ بھی ہے ؎

عسےٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم۔ موجودہ جنگ نے ہر قسم کے کاروبار کو بہت سا نقصان بھی پہنچایا ہے۔ مگر ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ اس کا نتیجہ بابرکت ہی کریگا۔ اور اس میں بہت ملکوں اور قوموں کی بہتری ہوگی۔ سردست ہماری اسلامی مشن کے کام کی مزید توسیع میں بھی کسی قدر رکاوٹ ہی واقع ہوگئی۔ اور ہماری گورنمنٹ اور اس کے حلیفوں کی پوری طاقت بھی اس وقت جنگ میں فتح حاصل کرنے پر ہی صرف ہو رہی ہے۔ اس لیئے ضرور ہے کہ انگریزی پبلک کی توجہ بھی زیادہ تر اسی طرف ہو۔ لیکن ہم یقین رکھتے ہیں کہ جو بیج اس وقت اندہی اندر بویا جا رہا ہے یہ ضایع نہیں جائے گا۔ اور وقت پر اللہ تعالےٰ اس کو بارآور کرے گا +

مولوی صدر الدین صاحب ولایت سے اطلاع دیتے ہیں کہ ترجمۃ القرآن انگریزی (جو درحقیقت ترجمہ نہیں بلکہ تفسیر ہے) کا مسودہ مطبع میں چلا گیا ہے۔ پروفوں کی صحت اور بلاکوں کی تیاری میں غالباً چھ ماہ کا عرصہ اور لگ جائے گا۔ کاغذ کی قیمت جنگ کی وجہ سے بہت بڑھ گئی ہے۔ جس سے خرچ پر بہت اثر پڑے گا۔ اور غالباً جلد بندی کی قیمت میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔ کتاب کا حجم بھی جس قدر پہلے خیال کیا گیا تھا۔ اس سے زیادہ ہو جائے گا۔ اندریں حالات قیمت پہلے اندازہ سے بہت بڑھ جائے گی۔ جس کا صحیح اندازہ اب طبع پر ہی ہو سکے گا۔ جو صاحب خریدنا چاہیں وہ صرف اپنے ناموں کا اندراج کرادیں۔ اور یہ بھی اطلاع دیدیں کہ معمولی ایڈیشن خریدیں گے یا لائبریری ایڈیشن +

علقمہ کی موت کی کیفیت

"جنّت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے"

ایک دفعہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے درمیان تشریف رکھتے تھے تو علقمہ کا ذکر چل پڑا جو اُس وقت سخت بیمار تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا کہ علقمہ کا کیا حال ہے۔ عرض کیا گیا کہ حالت خراب ہے اس پر آپ نے اُن کی حالت دریافت کرنے کے لیئے ایک آدمی روانہ کیا۔ کچھ دیر کے بعد وُہ واپس آیا اور عرض کی کہ علقمہ کی حالت تو نہائیت زار ہے۔ اور ایسی نزرع کی حالت میں نہ تو وہ دُعا کرنے کے قابل ہے نہ خدا کی طرف توجہ کر سکتا ہے۔ اس امر کے سننے سے آپ کو نہایت تاسف ہوُا۔ اور دریافت فرمایا کہ کیا علقمہ کی ماں زندہ ہے۔ عرض کیا گیا کہ زندہ ہے۔ آپ نے ایک خادم کو بلایا اور فرمایا کہ جاؤ اور علقمہ کی ماں سے کہو کہ محمد (صلعم) نے تم کو سلام کہا ہے اور بلایا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر بہت بوڑھی اور ضعیف ہوں تو پھر میں خود اُن کے پاس جاؤں گا +

جب رسول اللہ صلّعم کا یہ پیغام اس ضعیفہ کے پاس پہنچا تو وہ کہنے لگیں کہ بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ خدا کا رسول بُلائے اور میں نہ جاؤں۔ میں فوراً حاضر ہوتی ہوں۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نہایت مہربانی سے پیش آئے اور بیٹھنے اور کچھ دیر دم لینے کے لئے فرمایا۔ جب وہ کچھ دیر دم لے چکیں تو آپ نے اُن سے دریافت کیا کہ تمہارے لڑکے کا کیا حال ہے۔ عرض کی کہ بہت بیمار ہے موت کے دروازہ پر ہے مگر موت آ نہیں چکتی۔ اور نزرع کی ایسی سخت تکلیف ہے کہ سنگ دل دشمن بھی اس کی اس حالت کو دیکھ کر آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ نہ زبان سے دُعا و استغفار نکل سکتی ہے نہ خدا کی طرف دھیان لگا سکتا ہے +

اس پر آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ تمہارے لڑکے سے ایسا کونسا خطرناک جرم سرزد ہوُا ہے جسکی وجہ سے وہ خدا کے رحم سے اس طرح مہجور پڑا ہوُا ہے۔ حالانکہ خدا کا رحم تو ماں کے رحم سے بھی بہت بڑھ کر ہے۔ اور اُسکی شفقت و محبت اس ماں کی محبت و شفقت سے جس نے تم کو جنا ہے۔ بدرجہا

بڑھ چڑھ کر ہے *

بڑی بی بولیں کہ میرا لڑکا نہایت نیک پرہیزگار متقی پارسا راستباز اور دیانتدار ہے۔ پانچ وقت نماز پڑھتا ہے۔ رات کا زیادہ حصہ اپنے خالق کے آستانہ پر کھڑا رہتا اور اُس کے قدموں پر نہایت عاجزی سے سر کو رگڑتا اور دُعائیں کرتا ہے۔ رمضان کے پُورے روزے رکھتا۔ اس کے علاوہ نفس کشی کے لیئے دوسرے مہینوں میں بھی روزے رکھتا ہے۔ جب روپیہ پاس ہوتا ہے تو سخاوت سے کام لیتا ہے۔ غریبوں کو دیتا محتاجوں کی مدد کرتا۔ مسافروں کی مہمان نوازی کرتا یتیموں کو پالتا ہے۔ نہایت متواضع حلیم اور منکسر المزاج ہے۔ تکبر شیخی و نمود پاس تک نہیں پھٹکیں۔ ہمسایہ کے مال پر کبھی طمع نہیں کی۔ بلکہ ہمسایوں کے ساتھ مہربانی اور محبت سے پیش آتا ہے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ میرا لڑکا قرآن کریم کے تمام احکام کا پورا پورا فرمانبردار ہے۔"

تب آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ پھر اُس نے اپنی ماں کو ناراض کیا ہے جس کی وجہ سے وہ باوجود اپنے تمام اعمال صالحہ اور نیکیوں کے خدا کی رحمت سے مہجور ہو رہا ہے۔

اس پر علقمہ کی ماں نے عرض کیا کہ ہاں یہ سچ ہے میرا لڑکا اپنی بی بی کو خوش کرنے کے لیئے اکثر میری مخالفت کرتا اور میری ناراضگی کی پروا نہ کرتا تھا۔"

یہ سُن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کو حکم دیا کہ لکڑیاں جمع کر کے ایک بڑا الاؤ لگاؤ۔ جب یہ ہو چکا تو آپ نے فرمایا کہ علقمہ کو لاؤ اور اس الاؤ پر رکھ کر اسے آگ لگا دو جب علقمہ کی ماں نے یہ سُنا تو وہ رونے اور چلانے لگی اور کہنے لگی حضور میرے لڑکے نے آپ کا ایسا کونسا قصور کیا ہے جو آپ اسکو زندہ جلانے لگے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ نیک بخت تیری نافرمانی کر کے تیرا لڑکا سزا کا مستوجب ہو چکا ہے۔ اور وہ جہنم کی آگ میں جھونکا جائے گا۔ دُنیا کی یہ ناچیز آگ جہنم کی آگ کے مقابلہ میں کوئی شئے نہیں۔ پس میرا مطلب یہ ہے کہ اگر تو اس کا قصور معاف نہ کرے گی تو جو سزا اُس کو مرنے کے بعد ملنی ہے۔ تو اُس کا کچھ حصہ دُنیا میں دیکھ لے اور سمجھ لے۔ کیونکہ خدا کی رحمت اس لڑکے پر کبھی نازل نہیں ہوتی جو اپنی ماں کو ناراض کرتا اور اُس کے دل کو دکھاتا ہے *

علقمہ کی ماں بولی کہ میں اپنے لڑکے کے قصور کو معاف کرتی ہوں اور خدا کے حضور بھی التجا کرتی ہوں۔ کہ وہ بھی اس کے قصور کو معاف کرے اور اُس پر رحم فرماوے *

جب علقمہ کی ماں اپنے بیٹے کا قصور معاف کر چکی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بمعہ صحابہ کے علقمہ کو دیکھنے کو تشریف لے گئے اور اُس کو بالکل آرام و سکون میں پایا۔ علقمہ نے اپنی ماں سے معافی مانگی اور خدا کے حضور دُعائیں کرتا ہوں وفات پا گیا۔ علقمہ کی تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ خود آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہ نے کیا۔ اس کو دفن کر چکنے کے بعد حضور علیہ السلام نے ماؤں کی ناراضگی سے لوگوں کو ڈرایا اور فرمایا کہ دُنیا میں ماں سے بڑھ کر کوئی تم پر حق نہیں رکھتا۔ اُس نے تمھیں پیٹ میں رکھا۔ پالا پوسا۔ بڑا کیا۔ تربیت کی اور تمہارے لیئے اپنے تئیں فراموش کر دیا۔ پس جب تم بڑے ہو تو سب سے پہلے تمھیں اپنی ماں کا خیال رکھنا چاہیئے۔ علقمہ کی حالت تمہارے لیئے مقام عبرت ہے۔ کیا وہ متقی صالح فیاض اور حلیم نہ تھا۔ لیکن ماں کے ساتھ بدسلوکی کرنے کا جرم تمام نیکیوں کے مقابلہ میں وزندار ثابت ہوُا۔ اور اگر اس کی ماں اسے معاف نہ کر دیتی تو وہ آخرت میں سزا کا متوجب ہو چکا تھا۔ پس میرے عزیزو اس کو یاد رکھو اور اپنے بچوں کو سکھاؤ کہ وہ اپنے ماں باپ کے بڑھاپے میں ان کی پرورش کریں۔ ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آویں اور کبھی اُن سے سخت کلامی نہ کریں۔ اگر ایسا کرو گے تو تمہارا کوئی نیک عمل خدا کی درگاہ میں مقبول نہ ہوگا۔ کیونکہ جنت تمہاری ماں کے قدموں کے تلے ہے۔ (راقمہ مسز خدیو جنگ صاحبہ۔ حیدر آباد دکن۔ ہندوستان)

ما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین

(اور ہم نے تمکو نہیں بھیجا۔ مگر سارے جہان کیلیئے رحمت)

(از قدوائی)

سنہ ۱۹۱۰ء میں جب مجھے پہلی مرتبہ مقام خلافت کی زیارت کا اتفاق ہوُا تو میرے ہم مذہب بھائیوں نے دلی جوش کے ساتھ میرا خیر مقدم کیا۔ اور سلطنت کے اعلےٰ سے اعلےٰ ارکان نے مجھے بار شرف یابی بخشا۔ چنانچہ شیخ الاسلام اور قاضی عسکر کی خدمت میں بھی حاضر ہوُا پھر کسلنسی

محمود آفندی اُس وقت قاضی عسکر تھے۔ اب یہی سنتا ہوں کہ وہ وفات پاگئے ہیں۔ وہ ایک بڑے فاضل شخص تھے۔ اور گو میں نے ان کو ایک طرف سے کھلے لباس میں اور سر پر عمامہ رکھے ہوئے پایا۔ مگر وہ آج کی یورپ کی دُنیا سے بخوبی واقف تھے۔ اور نپولین تک کے بعض جنگی اصُول پر تنقید کرنے کے لیئے تیار رہتے۔ گو آپ عمر رسیدہ تھے۔ مگر بناوٹ میں مضبوط اور تندرست اور توانا نظر آتے تھے۔ اور تمام بڑے بڑے اسلامی مذہبی پیشواؤں اور فاضلوں کی طرح ایک سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اور اُن کا مکان بہت ہی صاف تھا۔ اور ایسا ہی اُن کی نشست گاہ۔ مگر اُن کا سامان حد درجہ کا سادہ تھا۔ ایک پھُوس کی صاف چٹائی پر دو پلنگ بچھے تھے۔ دیواروں پر کسی قسم کی آرائش نہ تھی صرف ایک تصویر کی چوکھٹ تھی۔ اور اُس اکیلی چوکھٹ میں جو کہ سارے کمرے بلکہ سارے مکان کی زینت کا باعث ہو رہی تھی کیا تھا۔ وہی قرآن کی آئیت جس کو میں نے عنوان میں نقل کیا ہے۔ وما ارسلناك الا رحمة للعلمین +

کیا ایک بشر کے لیئے اس سے بڑھ کر کوئی عزت کا خطاب ہو سکتا ہے۔ کیا اس سے بڑا اور اعلےٰ مقصد کوئی انسان اپنے آگے رکھ سکتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو سارے جہانوں کے لیئے رحمت ثابت کر کے دکھائے۔ ہاں اُس خدا نے جو انسانوں کی فطرتوں اور ان کی استعدادوں سے واقف ہے۔ وہ جو مخلوق کے لیئے سراپا رحمت اور محبت ہے۔ اسی نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اس خطاب کا مستحق سمجھا۔ اُسی نے آنحضرتؐ کے سامنے یہ مقصد عالی رکھا۔ کہ وہ اپنے آپ کو نہ صرف اس جہان کے لیئے بلکہ کل جہانوں کے لیئے رحمت ثابت کریں +

وہ محبت جو مسلمانوں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ جن کو وہ خدا کا محبُوب اور نبیوں کا خاتم یقین کرنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ آپ کو اس دُنیا میں ظاہر ہوئے تیرہ صدیاں گذر چکیں۔ دُنیا نے بے شمار تغیرات اور انقلابات دیکھے۔ اور اس کے وقت سے بہت آدمی ہاں بہت بڑے بڑے انسان دُنیا میں ہوئے اور گذر گئے۔ جیسا کہ اس وقت سے پہلے بھی ہوئے اور گذر گئے۔ اس کے وہ مخلص اور وفادار صحابہ بھی جنھوں نے اس کے لیئے اپنی جائیدادوں کو چھوڑ دیا ایسے وقت میں جبکہ ہر طرف مصایب اور تکالیف اس کو پہنچائی جا رہی تھیں۔ جنھوں نے اُس کی حفاظت کے لیئے اپنی جانوں کو قربان کر دیا۔ جو اپنے بچوں اور اپنے

وطن سے بڑھ کر آپ سے محبت کرتے تھے وہ بھی سب گذر گئے۔ حضرت موسےؑ کے پیروؤں نے حضرت موسیٰؑ کو کہا کہ تم خود ہی جا کر جنگ کرو۔ حضرت عیسےؑ کے پیروؤں نے خود حضرت عیسےؑ کو پکڑوا دیا۔ اور چند روپیوں کے عوض اپنے آقا کو بیچ ڈالا۔ مگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ وہ مقدس انسان تھے جنھوں نے پہلے دن سے جب وہ آپ پر ایمان لائے آخر دن تک صدق اور وفاداری کا وہ کامل نمونہ دکھایا جس کی نظیر ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ وہ ہجرت کا واقعہ جو دُنیا کی تاریخ میں ہمیشہ یادرہے گا۔ جہاں سے اسلامی سنہ شروع ہوتا ہے۔ اس میں صرف ایک رفیق ابوبکرؓ آپ کے ساتھ تھا۔ اور اس ایک رفیق کے ساتھ آپ مکہ سے نکلے جبکہ کل کے کل لوگ آپ کے قتل کرنے کا فیصلہ کر چکے ہوئے تھے اور اپنے کارندے اس غرض کے لیئے متعیّن کر چکے ہوئے تھے۔ اور جب ایک رفیق نے اس تنہائی کی خطرناک گھڑی میں آپ کا ساتھ دیا تو آپ کا ایک دوسرا رفیق علیؓ آپ کے بستر میں لیٹ گیا۔ اور آنحضرت کی چادر کو اپنے اوپر اوڑھ لیا۔ تاکہ قاتلوں کی وہ تیز اور خونخوار تلواریں جو انھوں نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لیئے تیار کی تھیں اس کے جسم پر اپنا کام کریں +

اب نہ علیؓ ہے اور نہ ابوبکرؓ اور وہ سیکڑوں اور ہزاروں وفادار صحابہ جنھوں نے علیؓ اور ابوبکرؓ کی طرح اپنے آپ کو دشمنوں کے تیروں اور تلواروں کے سامنے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیئے ڈھال بنا دیا وہ بھی سب گذر گئے۔ اب اسلام عرب کے بیابان تک محدود نہیں۔ نسل انسانی کی قریباً ایک چوتھائی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی نام لیوا ہے۔ دُنیا نے بھی اس وقت سے بہت ترقی کی ہے اور بہت بڑھ گئی ہے پرانی دُنیا کے ساتھ ایک نئی دُنیا اور نمودار ہو گئی ہے سائینس کی ترقیات اس زمانے سے لے کر آج کہیں کی کہیں پہنچ گئیں ہیں۔ ہمارے زندگی کے سامان ترقی کر گئے ہیں۔ اور خیالات نے بھی بہت ترقی کی ہے۔ مگر ایک بھی مسلمان ایسا نہیں جس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہی محبت نہ ہو جو اُن مسلمانوں کو تھی جنھوں نے اس مقدس انسان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا یا جو اُس کے زمانے کے بعد آئے۔ چین میں تلاش کرو یا اسٹریلیا میں یورپ میں یا ایشیا میں۔ نئی دنیا میں یا پرانی میں۔ ایسے مسلمان کا وجود نہ پاؤ گے لارڈ ہیڈلے اسی طرح اس سے محبت کرتا ہے جس طرح ہارون رشید کرتا تھا۔ ہارون رشید اسی طرح

ایسے ہی محبّت کرتا تھا جیسے آپ کے وفادار صحابی۔ زمانہ اس محبت میں جو کہ مسلمانوں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے کسی طرح کم نہیں کر سکا۔ ملکی حدبندیاں بھی اس محبت کو کم نہیں کرتیں۔ عیسےٰ اور موسےٰ کی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی مشرق کے رہنے والے تھے۔ اور خیال کیا جاتا ہے کہ مشرق اور مغرب مل نہیں سکتے۔ لیکن نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت میں جیسے مغرب کا مسلمان ویسے ہی مشرق کا مسلمان۔ اس لاتبدیل وفاداری اور محبت اس بے نظیر اخلاص کی جس پر نہ ملکوں کی حدبندیوں کا اثر ہے نہ زمانہ اپنا کوئی اثر دکھاتا ہے۔ کیا وجہ ہے۔ صرف یہی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو کل جہان کے لیئے رحمت ثابت کر دکھایا۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ قریباً سب کے سب نبیوں اور بڑے آدمیوں کی عزت اُن کے ہمعصروں میں کم ہوئی ہے۔ اور بعد کی آنے والی نسلوں میں زیادہ حضرت مسیح کی زندگی کے مطالعہ سے اسکا خوب ثبوت ملتا ہے۔ جتنے جتنے لوگ اس کے زمانہ کے قریب تھے اسی قدر کم اُنھوں نے اسکی عزت کی۔ اسی لیئے انھیں خود بھی یہ شکائیت کرنی پڑی کہ نبی کی عزت اپنے وطن اور اپنے گھر میں نہیں ہوتی۔ آخر تک وہ اپنی قوم کی ایذاؤں کا شکار رہا۔ اوروں کو چھوڑو اس کے اپنے حواری جو سب سے بہتر اس کے حالات سے واقف تھے اور گھر بار بھی چھوڑ چکے تھے وہ بھی اسکی خاطر نہ صرف تکلیف اُٹھانے سے ہی گریز کرتے نظر آتے ہیں۔ بلکہ اُنھیں میں سے ایک کا کام تھا کہ اُسے دشمن کے ہاتھ پکڑوا دیا۔ خود پطرس نے اُس کا انکار کیا۔ حضرت مسیح کی وفات پر ایک لمبا عرصہ گذر گیا۔ جب اس کی سادہ اور نیک زندگی کے اردگرد کہانیاں جمع کر کے اُسے ایک راز کی صورت بنا دیا گیا۔ جب مشرکوں کے اعتقادات لے کر یسوع کے نام کے ساتھ اُن کو وابستہ کر دیا گیا تو انسان مسیح جو لوگوں میں کسی بڑی محبت کا جذبہ پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہُوا تھا۔ اور مسیح نبی اللہ جو اپنے مقصد کی تکمیل نہ کر سکا۔ اور جسے کہنا پڑا کہ تسلی دھندہ نسل انسانی کی ہدائیت کے لیئے اور خدا کی بادشاہت میں داخل کرنے کے لیئے آئے گا۔ اُس انسان اور نبی کی بجائے ایک فرضی خدا کا بیٹا بنایا گیا۔

مسیح موسےٰ کی طرح ایک اسرائیلی نبی تھے۔ اور ان کے مشن کا دائرہ بھی اسی طرح محدود تھا مگر ان سب تغیرات کے ساتھ اُس کے مشن کو بھی عمومیت کا رنگ دیا گیا۔ لیکن ایک عام مذہب

ہونے کے لیئے عیسائیت کس قدر ناموزون تھی۔ اس کی شہادت تاریخ سے ملتی ہے۔ جبتک لوگ صرف اس انسان کے بنائے ہوئے مذہب کی پیروی کو ضروری سمجھتے رہے۔ اُس وقت تک وہ کسی اعلےٰ حالت پر نہیں پہنچ سکے۔ بلکہ اخلاق میں تمدن میں۔ ملکی رنگ میں اور علمی رنگ میں ایک گری ہوئی حالت میں رہے۔ خود ان کے مذہب کی بنیاد ایک غیر معقول بات پر تھی وہ یقین کرتے تھے۔ کہ گناہ کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ کہ عورت سخت مجرم ہے۔ کہ تین ایک ہیں اور ایک تین ہے۔ کہ خدا کے ماں بھی بیٹا ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا اس قسم کی بہت سی غیر معقول باتوں پر اُن کے مذہب کی بنیاد تھی۔ ایسا ہی مذہب کی تمدنی بنیاد بھی کسی عمدہ اصول پر نہ تھی۔ مجردانہ زندگی کو اچھا سمجھا جاتا تھا۔ اور اس طرح پر ماں اور باپ کا مرتبہ نظروں میں گرایا گیا۔ ذہانت کند ہوگئی۔ علمی تحقیق کے محرکات کم کیئے گئے۔ توہم پرستیاں پھیلائی گئیں مسیح کی نبوت کی بنیاد ایسی کہانیوں پر رکھی گئی۔ جن میں عجوبہ باتوں اور معجزات کا ذکر ہو۔ جب تک عیسائی لوگ کلیسیا کی حکومت کے ماتحت رہے وہ ایک تاریکی کی حالت میں رہے اور تہذیب کے ادنے مقام سے آگے نہیں بڑھ سکے عقل وفکر سے کام لینے کے زمانہ کی ابتدا اس وقت سے ہوتی ہے جب کلیسیا کا ستارہ غروب ہوگیا۔ آج یورپ اور عیسائیت اپنی تہذیب پر فخر کرتے ہیں لیکن مشرقی نکتہ خیال سے وہ مقام انسان کے نفس کی تہذیب اور تکمیل انسانی کا اعلےٰ مقام نہیں اور آج اس جنگ میں جو بعض خطرناک امور کا اظہار بعض عیسائی اقوام سے ہوا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس تہذیب کا اثر حقیقت میں یورپ کے دلوں پر کچھ نہ تھا۔ مگر وہ ترقی کی حالت جس پر موجودہ تہذیب کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ یہ بھی کلیسیا کے ساتھ خطرناک جھگڑوں کے بعد حاصل ہوئی ہے اور آج عیسائی مذہب کے بنیادی سربستہ راز پر ایمان رکھنے والے لوگوں میں سے فہیم لوگ کثرت سے نکل گئے ہیں۔ یورپ آج اپنی ترقی پر فخر کرسکتا ہے۔ وہ یہ فخر کرسکتا ہے کہ اس کی حکومت بہت سے بڑا عظموں پر ہے۔ لیکن ان باتوں کے لیئے وہ عیسائیت یا کلیسیا کا ممنون احسان نہیں

اب تاریخ اسلام پر نظر دوڑاؤ تو معلوم ہوگا۔ کہ جتنے جتنے مسلمان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے نزدیک تھے۔ اور جس قدر زیادہ انھوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی اُسی قدر زیادہ اُنھوں نے ہر پہلو سے ترقی کی یعنی اخلاقی پہلو تمدنی پہلو ملکی پہلو

اور عملی پہلو کے لحاظ سے ان کا تنزل شروع نہیں ہوا۔ جب تک کہ وہ اسلام سے دور نہیں جا پڑے۔ ایک وقت وہ دُنیا کی سب سے زیادہ مہذب تعلیم یافتہ قوم تھے۔ درمیانی زمانوں میں صرف وہی اکیلے علم کی مشعل کو روشن کرنے والے تھے۔ جب یورپ پر ایک سخت ظلمت محیط تھی۔ جسقدر زیادہ اُنھوں نے اسلام سے محبّت کی اسی قدر تہذیب میں بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دنوں میں عرب کی آبادی گویا کامل انسانوں کا ہی مجموعہ تھی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی الواقع خدا کی سلطنت کو زمین پر لائے۔ اس طرح پر کہ آپ نے ایک ایسا نمونہ قایم کیا۔ جو بہترین اور کامل ترین نمونہ اپنے وقت کے لوگوں کے لیئے اور ان لوگوں کے لیئے ہوا جو اُن کے پیچھے آنے والے تھے مسلمانوں کی کامیابی کا حقیقی راز جبتک کہ وہ مسلمان رہے سوائے اسکے کچھ نہیں تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کامل سے کامل اور اعلےٰ سے اعلےٰ نمونہ تھے۔ اسکے بالمقابل یورپ کے دانا ہمیشہ چلاتے رہے ہیں۔ اور ابتک چلاتے رہے ہیں کہ اس دُنیا کی ترقی اُن زنجیروں اور رُوکوں کو کاٹ دینے پر منحصر ہے جو عیسائیت نے قوائے عقلی کے نشوونما پر ڈال رکھی ہیں۔ مگر اسلام کے دانشمند فرزند آج بھی اپنے ہم مذہبوں کو یہی تعلیم دیتے ہیں کہ وہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے لیئے بہترین نمونہ سمجھیں اور ایسی ہی زندگی کو اختیار کریں۔ جیساکہ زمانۂ نبوت میں مسلمانوں کی تھی۔ کیوں اس لیئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو دُنیا کے لیئے رحمت ثابت کیا۔

نہ زمانہ ماضی میں دنیا میں کوئی ایسا شخص ہوا اور نہ آج دُنیا میں موجود ہے۔ جس کی زندگی کے اندرونی اور خانگی پہلوؤں کی نہایت باریک تفصیلات پبلک کے سامنے کھول کر رکھی گئی ہیں اور نہ صرف اپنے ہمعصروں اور ہموطنوں کے سامنے بلکہ ہر زمانے ہر ملک کے کروڑ در کروڑ انسانوں کے سامنے اور جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح نسل انسانی کے لیئے نمونہ بننے کے قابل ثابت ہوا ہو۔ وہ روایات جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے تھیں ہم کو پہنچی ہیں۔ وُہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اندرونی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اور اُن میں سے ایک ایک اور وہ سب کی سب اس انسان۔ ہاں فخر نوع انسان کی عزّت کو ہمارے دلوں میں بڑھاتی ہیں۔ پس وہی لفظ کے حقیقی معنے کی رُو سے جہانوں کے لیئے رحمت ثابت ہوا +

قریباً تمام مذاہب حتیٰ کہ بدھ اور یسوعؑ کے پیروؤں نے اپنے نبیوں کو خدا بنا دیا۔ لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ یہی کہا انما انا بشر مثلکم۔ میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں بایں کوئی شخص ایسا نہیں جس کی محبت انسانوں کے دلوں میں اس خالص بشر سے بڑھ کر ہو کیوں اس لیئے کہ یہ بشر جہانوں کے لئے رحمت ثابت ہوا۔

پھر تمام نبیوں نے اپنے نبوت کے دعوے کی بُنیاد مُعجزات پر رکھی اور حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بہت بڑھ کر تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے پیروؤں نے بھی روحانی طاقت کے بڑے بڑے معجزات دکھلائے ہیں۔ لیکن آپ نے اعلان یہی کیا کہ میرا دعوٰے نبوت کی بنا میری تعلیم کا کمال ہے۔ نہ معجزات کا دکھانا۔ لیکن جن لوگوں کے بڑے بڑے معجزات مشہور کیئے جاتے ہیں ان میں سے کون ہے جس نے نسل انسانی کے دلوں میں اتنی محبت پیدا کی ہو جتنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے۔ کیوں؟ اس لیئے کہ آپ کی تعلیم اپنے اندر کمال رکھتی تھی۔ اور آپ کا وجود واقعی جہانوں کے لیئے رحمت تھا۔

لوگ آج اُن باتوں پر ہنستے ہیں جن کو مختلف قوموں نے مُعجزات کے نام سے موسوم کر رکھا ہے۔ یہاں تک کہ موسےؑ اور مسیح کے معجزات کو بھی کہانیاں کہا جاتا ہے۔ لیکن وُہ معجزہ جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دکھایا۔ کہ سارے جزیرہ نمائے عرب کی کایا ایک قلیل عرصہ میں پلٹ دی اور ذلیل سے ذلیل حالت سے نکال کر اعلےٰ سے اعلے حالت پر پہنچا دیا۔ اس کا آج کوئی متشکک بھی انکار نہیں کرسکتا۔ ایک مشہور متعصب عیسائی مصنّف سر ولیم میور نے اس انقلاب کا اقرار جو درحقیقت دُنیا کے اعظم ترین معجزات میں سے ہے۔ ان الفاظ میں کیا ہے۔

"ایک ایسے وقت سے جس کا پتہ تاریخ بھی نہیں دیتی۔ مکہ اور سارا جزیرہ نما رُوحانی موت کی حالت میں پڑا ہوُا تھا۔ یہودی عیسائی یا فلسفیانہ تحقیقات کے چھوٹے چھوٹے اور عارضی اثرات عرب کے دلوں پر ایسے ہی تھے جیسا کہ ایک جھیل کے ساکن پانی کی سطح پر کوئی ہلکی سی لہر نمودار ہو جائے۔ نیچے سب سکون اور بے حرکتی کی حالت میں رہے۔ لوگ توہم پرستی میں ظلم اور بدکاری میں ڈوبے ہوئے تھے۔ یہ ایک عام رواج تھا کہ سب سے بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیواؤں کو اپنی زوجیت میں لے لیتا جو باقی جائیداد کے ساتھ مال کی طرح بطور ورثہ اُس کو پہنچ جاتی۔ تکبر اور

افلاس نے اُن کے درمیان دختر کُشی کی رسم کو جاری کر دیا تھا۔ جیسا کہ ہندوؤں میں کر دیا اُنکا مذہب ایک بڑی موٹی بت پرستی تھی اور اُن کا ایمان بعض نہ دیکھی ہوئی ہستیوں کا توہم آمیز خوف تھا۔ جن ہستیوں کی خوشی کو وہ حاصل کرنا چاہتے اور جن کی ناراضگی کو دُور کرنا چاہتے تھے اور ایک حاکم کل باری تعالےٰ کی ہستی پر فی الواقع اُن کا کوئی ایمان نہیں تھا۔

زندگی بعد الموت اور نیک اور بد کی جزا، اعتقادات افعال کے محرکات ہونے کے رنگ میں عملاً مفقود تھے۔ تیرہ سال ہجری سے پہلے مکّہ اس ذلت کی حالت میں مردہ پڑا ہوُا تھا۔ مگر ان تیرہ سالوں نے کیسا زندگی کا انقلاب پیدا کیا۔ کئی سو انسانوں کا ایک گروہ ایسا تھا۔ کہ اُس نے بُت پرستی کو ترک کر دیا۔ اس کی جگہ ایک خدا کی عبادت اختیار کی اور اس ہدایت کے لیئے اپنے آپ کو کامل طور پر فرمانبردار بنادیا۔ جس کو وہ خدا کی طرف سے وحی یقین کرتے تھے۔ وہ بار بار اور جوش کے ساتھ قادر مطلق سے دعائیں کرتے تھے۔ معافی کے لیئے اسی کے رحم کیطرف نظر اُٹھاتے اور یہ کوشش کرتے کہ نیک اعمال کے ساتھ ساتھ سخاوت پرہیزگاری اور انصاف کی پیروی اختیار کریں۔ وہ اب خدا تعالےٰ کی کامل طاقت اور اپنے چھوٹے سے چھوٹے کاموں میں اسی کی ربوبیت کے احساس کے نیچے زندگی بسر کرتے تھے۔ قدرت کے تمام عطیات میں زندگی کے تمام رشتوں میں اپنے انفرادی اور قومی کاموں کے ہر ایک پہلو میں وہ خدا کے ہاتھ کو کام کرتا ہوُا دیکھتے اور سب سے بڑھ کر یہ نئی زندگی جس میں وہ خوش تھے اُسے وہ خاص فضل کا نشان سمجھتے تھے اور اپنے اندھے ہموطنوں کے کفر کو خدا کی طرف سے سخت دلی کی مہر یقین کرتے تھے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو اس زندگی کے پہنچانے والے تھے۔ اور خدا کے نیچے اُن کی امیدوں کا سرچشمہ تھے۔ اور آپ کے سامنے وہ بلا عذر سر تسلیم خم کرتے تھے۔"

صرف عرب ہی نہیں بلکہ ساری دُنیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور نمونہ کے اثر کے نیچے آئی ہے۔ آپ نے ایک ہمیشہ تک رہنے والا اثر نسل انسانی کے ہر ایک ملک کے لوگوں کی زندگی پر اور اُن کی زندگی کے ہر پہلو پر چھوڑا ہے۔ آپ نے عورتوں کو وہ حقوق دیئے جو کبھی پہلے انکو حاصل نہ ہوئے تھے۔ اور آج تک بھی یوروپین اور عیسائی ممالک میں حاصل نہیں ہوئے آپنے اُن کو اس الزام سے بری ٹھیرایا۔ کہ وہی نسل انسانی کی گناہ کا موجب ہیں۔ آپ نے والدین کیلئے

ادب کی تعلیم دی۔ آپ نے غلاموں اور مزدوروں کی حیثیت کو وہاں تک پہنچایا۔ کہ آج یورپ کے جمہوری ممالک میں بھی وہاں تک نہیں پہنچے۔ آپ نے ساری نسل انسانی کو ہرایک قوم اور رنگ اور خیالات کے پردوں اور عورتوں کو خواہ وہ دُنیا کے کسی حصے میں ہوں ایک ہی زنجیر میں منسلک کیا۔ اُس زنجیر میں جس کو حبل اللہ کہکر آپ نے یہ بتادیا۔ کہ آپ سارے انسانوں کے لیئے ایک ہی سلسلۂ اخوت قایم کرنا چاہتے ہیں۔ جہاں آج امریکہ جیسے جمہوری خیالات کے عیسائی ملک میں کالی قوموں کے لیئے ایک مارپیٹ کا قانون بھی موجود ہے۔ جہاں آج یورپ کی تہذیب میں یورپین اور غیر یورپین کے لیئے علٰحدہ علٰحدہ حقوق تجویز کئے جاتے ہیں۔ اور اُسکی تعلیمی درس گاہوں میں بھی رنگ کا سوال اُٹھایا جاتا ہے۔ جہاں سارے عیسائی ممالک کی نجات کا انحصار صرف ایک مسیح کے خون پر رکھتے ہیں اور اعمال ہیچ ہیں۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے آج سے تیرہ صدیاں بیشتر نہ صرف ہر ایک قوم اور ملک سفید و سیاہ کو یکسان ملکی اور تمدنی حقوق عطا فرمائے۔ بلکہ نجات کے دایرہ کو بھی وسیع کر کے ہمیشگی کے جہنم سے آخر سب ہی قوموں کو باہر نکالا۔ اور کسی کے نیک اعمال کو محض ردی کی طرح نہیں ٹھیرایا۔ بلکہ ہر ایک نیک کام کا نیک پھل بتایا۔ خدا کی بے شمار برکتیں اور رحمتیں اس فخر نوع انسان پر نازل ہوں جو تمام دُنیا کے لئے رحمت ثابت ہوا۔ اور جس کے لیئے خدا نے فرمایا۔ "وما ارسلناك الا رحمة للعلمين"۔

اسلامی دستور العمل

از لارڈ ہیڈلے

حمد باری تعالیٰ۔ شکر گذاری۔ دُعائے استقامت و ہدایت۔ اسلامی عبادت کے لب لباب اور جزو اعظم سمجھے جاتے ہیں۔ یہاں ظاہری رسم و رواج کا نام تک نہیں ہوتا۔ اور میرے نزدیک مذہب کی سچائی کی سب سے بہترین شہادت مساجد کی بیحد سادگی میں پائی جاتی ہے۔ جہاں کوئی شئے خیالات کو قطعاً پراگندہ نہیں کر سکتی۔ اور اُس خالق حقیقی کے قرب

حاصل کرنے کے لیئے کسی بیرونی امداد کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ نماز کے بارہ ارکان سے جس قدر عجز و انکسار اور اطاعت اللہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اس سے باطنی اور روحانی فضل کا کھلا کھلا اور آشکارا نشان ہویدا ہوتا ہے۔ اور اسی فضل کی برکت سے ہم میں یہ تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ کہ اس زندگی کے ہر شعبہ۔ ہر موقع اور ہر حالت میں ہم اُس مالک حقیقی کی حمد و شکر گذاری کریں۔ اور اُس سے امداد کے خواہاں ہوں۔

ہاں اگر ہمارے دل میں خدا تعالےٰ کی سچی محبت اور تڑپ ہے تو ہم خواہ کسی حالت میں ہوں۔ لیٹے۔ کھڑے۔ بیٹھے۔ رکوع یا سجود میں ہماری دُعائیں ضرور سُنی جائیں گی۔ اور ہم قبولیت کے درجہ کو بلاشبہ حاصل کرلیں گے۔

میرے خیال میں مساجد کی پنجوقتہ نماز کے علاوہ گھروں میں بھی عبادت اور دعاؤں کی بُنیاد ڈالنی چاہیئے۔ جہاں کہ دن میں دو مرتبہ اہل خانہ اکٹھا ہو کر عبادت میں شریک ہو سکیں۔ اس طرح ذاتی طور سے حمد و صلوٰۃ کا سلسلہ ضرور جاری ہونا چاہیئے۔ اور یہ فعل از خود تہِ دل سے سرزد ہونا چاہیئے۔ اور اس میں کسی قسم کے جبر یا ارادہ کا دخل نہو۔ ہر ایک انسان کی رُوحانی زندگی کا یہ خاصہ ہونا چاہیئے۔ کہ صبح اُٹھتے ہی اُس کے مُونھ سے الحمدللہ کی صدایئں لخت نکل پڑے۔ اور پھر ان الفاظ کا سرور تمام دن باقی رہے۔

میرے خیال میں خانگی عبادت اس طرح شروع کرنی چاہیئے۔ کہ اوّل قرآن مجید کی کوئی سورت یا چند آیات تلاوت کی جائیں۔ بعدہٗ مشہور و معروف اسلامی دُعا پڑھی جائے۔ الحمد للہ رب العلمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین ایاک نعبد و ایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ اس کے بعد اور دعائیں کی جائیں اور اختتامی دُعاء کے قبل شکریہ اور استقلال و استقامت کی دُعا کیجاوے جو اس طرح ہو "اے میرے پیارے خدا تو بہت ہی قریب اور نزدیک تر ہے۔ تو ہر جگہ تاریک رات اور چمکتے ہوئے دن میں صراط مستقیم پر چلانے اور رہنمائی کے لیئے موجود ہے" بعد ازاں سب سے آخری اور اختتامی دُعا یوں ہوسکتی ہے۔ کہ "اے خدا وند خدا چونکہ بغیر تیرے ہم تجھے خوش کرنے کے

قابل نہیں ہو سکتے۔ اس لیئے اپنے فضل و کرم سے یہ بخش کہ تیری روح القدس ہر امر میں ہمارے دلوں پر حکومت اور ہماری رہنمائی کرے"۔

مؤخر الذکر دُعاء عیسائی مذہب کی دُعاء ہے جس کا خاتمہ اس طرح ہوتا ہے کہ "ہمارے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے" اصل دُعا نہایت اچھی دُعاء ہے اور ایک مسلمان بھی مانگ سکتا ہے اسکا خاتمہ مورد اعتراض نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ بالکل غیر ضروری اور بے فائدہ ہے۔ ہم اپنی التجا اپنے خالق اور اپنے مالک کے حضور پیش کرتے ہیں۔ جو کہ سب سے اعلےٰ اور سب سے اوّل ہے۔ جب ہم اس کی حمد و ثناء کرتے ہیں اور اسی سے مدد طلب کرتے ہیں تو اسکی کیا ضرورت ہے کہ کسی اور کا نام اس کے درمیان لیا جاوے۔ جب ہم اپنے خالق کے پاس جاتے ہیں۔ اور اُس کا قرب تلاش کرتے ہیں تو ہم کسی مخلوق کا نام کیوں لیں۔ ہاں جب کبھی برگزیدہ نبیوں کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ یعنی حضرت موسےٰ۔ جناب مسیحؑ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کا نام آتا ہے تو ہم ان کی نہایت تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمارا ایمان ہے کہ یہ بزرگ خدا تعالےٰ کی طرف سے مقدس پیغام اور ہدایات لے کر نازل ہوئے۔ اس جگہ اسلام ہی کا منور چہرہ چمکتا ہے۔ کیونکہ اسلام یہ بتلاتا ہے کہ ایک بندہ یا مخلوق اپنے خالق کا قرب بغیر کسی دُنیوی شفاعت یا دستگیری کے حاصل کر سکتا ہے جس وقت ہم اپنے مقدس نبی کا نام لیتے ہیں تو بے ساختہ درود پڑھتے ہیں۔ اِسی طرح ہم حضرت مسیحؑ اور دیگر انبیاء سابقین کو عزت اور تعظیم و تکریم سے یاد کرتے ہیں۔ اسلام انسانی کمزوریوں اور الہام الٰہی کی ضرورت کو اس قدر سمجھتا اور پہچانتا ہے۔ کہ وہ اُن میں بالکل امتیاز یا علیحدگی نہیں کر سکتا۔ ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلعم سب سے آخری اور جلیل القدر نبی ہیں اور آپؐ کی ستودہ عملی زندگی اور حمید خصائل کے ذریعہ سے خدا تعالےٰ کی مرضی زمین پر ظاہر ہوئی اور ہمارا یہ بھی اعتقاد ہے کہ اگر ہم اُن اعلےٰ اور ارفع نمونوں پر چلنے کی کوشش کریں جو آنحضرت صلعم نے ہمارے لیئے چھوڑے ہیں۔ تو ہم بالضرور خدائے مطلق کی مرضی پوری کریں گے۔ ہمیں اپنی دعاؤں کے اخیر میں یہ کبھی کہنے کا وہم بھی نہیں گذرتا کہ "ہمارے خداوند محمدؐ کے وسیلے سے" کیونکہ ہم بخوبی جانتے ہیں۔ کہ جس وقت کوئی شخص خدا تعالےٰ کے حضور عرض گذرانتا ہے۔ خدا اُس کی سُنتا ہے۔ یہ بات کس قدر تعجب کی

کہ قادر مطلق کا قرب صرف ایک شفیع یا درمیانی کے ہی ذریعہ سے حاصل ہو سکتا ہے حضرت موسےٰ علیہ السلام۔ جناب مسیح ناصری اور آنحضرت صلعم نے اپنا اپنا پیغام پہنچا دیا۔ لیکن خدا تعالےٰ ہی اپنے بندوں کی سُنتا اور اُن کو تسلی بخشتا ہے +

اسلامی نماز کا فِلسفہ

نمبر (۲)

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ نماز کے مقررہ اوقات بذات خود اپنے اندر ایک خاص فلسفہ رکھتے ہیں۔ یہ اوقات معینہ نماز کے لیئے نہایت ہی موزون اور مناسب ہیں۔ اور انسان کی سرشتِ عبودیت کے لیئے ایک قسم کا معیار اور محک ہیں۔ علاوہ بریں انسان کی اپنی چال چلن درست کرنے میں پوری امداد کرتے اور اس امر کی تعلیم دیتے ہیں۔ کہ ہر موقع اور ہر آن صبح اور شام دن اور رات انسان اپنے فرائیض کو مدّ نظر رکھے۔ اپنے وقت کا موازنہ کرے۔ اور اپنے ہر ایک کام میں پابندی وقت کو ملحوظ خاطر رکھے۔ اور اپنے فریضہ کی ادائیگی کے لیئے ہر وقت چُست و ہوشیار رہے +

ایک مسلم کتنا ہی دلچسپ اور خوش گوار کام میں مشغول ہو۔ لیکن جب نماز کا وقت آتا ہے۔ اور بخلاف گرجے کے گھنٹے کی بے معنی اور کرخت آواز یا صدائے ناقوس کے مؤذّن کی بلند اور دلکش اذان کی آواز اللہ عزّ وجل کی حمد و ستائیش کرتی ہوئی گونجتی ہے اور ایک سچے مسلم کو حی علی الصلواۃ اور حی علی الفلاح یاد دلاتی ہے۔ اس وقت سب کے سب اپنا فرض منصبی سمجھ کر نماز کے لیئے چل کھڑے ہوتے ہیں۔ اور نماز کو تمام مشاغل اور دلچسپیوں پر ترجیح دیتے ہیں اور مؤذّن اذان دیتے وقت اپنے کانوں کو اس لیئے بند کر لیتا ہے کہ اپنے بھائیوں کو نماز کی طرف بلاتے وقت کوئی دوسری آواز مثلاً ریل گاڑی کی کھڑ کھڑاہٹ یا ہوائی جہاز کی سنسناہٹ اُس کے اس کار منصبی میں خلل انداز

اور باعث انتشار نہ ہو۔ اور جب وہ موذن کی پکار اور اس فریضہ کی آواز سنتے ہیں جو اُن کو قادر مطلق خدا کون و مکان کے فرمانروا۔ یوم حساب کے مصنف اعلےٰ بادشاہوں کے شاہنشاہ۔ قدوس اور پاک جل شانہٗ کے آگے سر تسلیم خم کرنے کو پکارتی ہے۔ تو کیا انکو زیبا ہے کہ اُس معبود حقیقی کے رُوبرو میلے اور گندے ہاتھ مُنہ لیکر حاضر ہوں۔ حالانکہ جب وہ دنیا کے ایک معمولی افسر یا حاکم کے سامنے جاتے ہیں تو اپنے جسم اور لباس کی صفائی کا بہت ہی خیال رکھتے ہیں۔ شارع اسلام علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ جسمانی طہارت قدرتاً روحانی پاکیزگی کا ایک جزو لاینفک ہے۔ دیگر مذہبی معلموں نے بھی طہارت کا درجہ خدا پرستی کے بعد رکھا ہے۔ لیکن اُنھوں نے اور اصولوں کی طرح اس کو بھی صرف چند ہدایات پر اکتفا کر دیا اور ان کو عملی صورت میں لانے کا کوئی طریقہ قطعًا اختیار نہیں کیا لیکن آنحضرت صلعم نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیئے جس طرح قواعد مرتب کیئے ہیں اُسی طرح اُن کو عملی صورت میں بھی برت کر ہمارے لیئے نمونہ پیش کیا ہے۔ مُسلمانوں کے نزدیک طہارت جسمانی اور روحانی مذہبی فریضہ میں داخل ہے۔ چنانچہ غسل کے لیئے بھی خاص ارکان مقرر کر دیئے ہیں۔ اور ایک ٹب میں محض غوطہ لگا لینے سے کوئی شخص پاک نہیں ہوتا۔ بلکہ دیگر ارکان کو بھی خاص طور پر مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ تاکہ جسم واقعی پاک اور صاف رہے۔ غسل کے ساتھ لباس کی پاکیزگی اور تندرستی اور سائنس کے رُو سے بھی صفائی کا معقول لحاظ رکھا گیا ہے

الغرض جب مُسلمان نماز کے واسطے جاتے ہیں تو پہلے وضو کر لیتے ہے۔ یعنی جسم کے وہ جو حصے کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ اچھی طرح دھوئے جاتے ہیں۔ بند اور گندے پانی میں نہیں بلکہ صاف و شفاف اور بہتے ہوئے پانی میں۔

اس طرح مسلمان پاک صاف دل تازہ اور مطہر جسم کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں جب مسجد میں جانے اور نماز پڑھنے یا قرآن پاک کو چھونے کے لیئے جسمانی طہارت لازمی ہے تو ایک مسلمان اپنے دل میں فطرتاً یہہ محسوس کرتا ہے کہ اُس خالق حقیقی کے حضور میں حاضر ہونے کے لیئے صفائی قلب اور پاکیزگی دل کی کس قدر ضرورت ہے۔ مسلمان اس بات کا پختہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہ سوائے خدا تعالےٰ کے کسی اور سے مدد نہیں طلب کر سکتے۔ پس ہر حالت میں خواہ وہ

پاک ہوں یا نہ ہوں۔ اُسی ایک معبود کے آگے سر جھکانا ہے۔ یعنی اُن کے دل میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے۔ کہ اُس کے سامنے جسمانی طہارت کے ساتھ حاضر ہونا چاہیئے۔ اور اپنے دلی خیالات کا اظہار صفائی کی حالت میں کرنا چاہیئے۔ الغرض وضو سے جس طرح ظاہری صفائی ملحوظ ہے۔ اُسی طرح اس کے اندر ایک باطنی پاکیزگی بھی منصور ہے۔ مسلمان جب وضو کے وقت اپنا ہاتھ دھوتا ہے تو اُس سے صرف یہ مراد نہیں کہ وہ ہاتھوں کے گرد یا آلائش سے پاک کرتا ہے۔ بلکہ اُن ناپاک امور سے جن کا اُس نے ارتکاب کیا ہو اپنے ہاتھوں کو پاک صاف کرتا ہے۔ اور جب وہ اپنا چہرہ۔ ناک۔ کان۔ ہاتھ۔ پاؤں دھوتا ہے۔ تو اس سے یہ مراد ہے کہ وہ ان اعضاء کو جو کسی افعال شنیعہ کے مرتکب ہوئے ہوں پاک کرتا ہے۔

مثلاً اگر کسی نے اپنی زبان کو غیبت کر کے پلید کر لیا ہو یا اُس کے کان دوسری کی بدگوئی سن کر ناپاک ہو گئے ہوں تو اُسے چاہیئے کہ ان اعضاء کو اس قسم کی نجاست سے پاک کرنے کے بعد خدا تعالیٰ کے حضور نماز میں کھڑا ہو۔ اور پھر جب وضو کے وقت اپنی تر انگلیوں سے سر پہ مسح کرتا ہے تو اس سے اس کی یہ مراد ہوتی ہے۔ کہ اس کا دماغ ہر قسم کے بُرے خیالات سے منزہ اور صاف ہو جائے۔ قبل ازیں کہ وہ اپنے خالق حقیقی سے باتیں شروع کرے۔

الغرض ارکان وضو سے صرف جسمانی ہی طہارت مراد نہیں ہے۔ بلکہ دماغی اور روحانی پاکیزگی بھی مقصود ہے۔ وضو کرنے کا یہ مقصد ہے کہ ہر ایک مسلمان کے دل میں یہ بات ڈالی جاتی ہے کہ جسمانی صفائی اور روحانی پاکیزگی ایک دُوسرے کے ہم پہلو ہیں اور رُوح اُسی حالت میں اپنے خالق کے ساتھ ہمنوا ہو سکتی ہے۔ جبکہ جسم نہایت پاک اور مطہر ہو۔ چنانچہ اسلامی جماعت میں قواعد وضو یا طہارت کی وجہ سے بہت سی ناپاکیوں میں کمی واقع ہو گئی ہے۔ اور ایسے لوگوں کا اضافہ ہو گیا ہے۔ جو نماز میں پاک و صاف دل کے ساتھ شامل ہوتے ہیں اور خدائے حیّ قیوم سمیع و علیم کے حضور اپنی غلطیوں اور گناہوں سے سچی توبہ کر کے اور بھی زیادہ پاکی کے طالب اور جویاں ہوتے ہیں۔ پس وہ ظاہری اور باطنی معنوں میں فی الحقیقت پاک و صاف ہو کر نماز ادا کرتے ہیں۔ نماز کے قبل وضو کرنے سے نماز کی اہمیت اور پاکیزگی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اور مرد و عورت اپنے فریضہ کو اُس خالق رب العالمین حیّ و قیوم خدا کے حضور نہایت خلوص کیساتھ

ادا کرتے ہیں۔ پس جس طرح اسلام کے اندر اور بھی ارکان و قواعد و ضوابط موجود ہیں۔ اسی طرح نماز کے قبل وضو بھی ضروری اور لابدی شئے ہے۔ اس کے متعلق قرآن شریف فرماتا ہے یا یہا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا بروٗسکم و ارجلکم الی الکعبین وان کنتم جنبا فاطھروا ..... ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھرکم ولیتم نعمتہ علیکم ولعلکم تشکرون .... یا یہا الذین امنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون (المائدہ ۶-۸)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب نماز کے لیئے تیار ہو تو اپنے مونہوں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو اور سروں پر مسح کرلو اور پاؤں کو ٹخنوں تک دھولو اور اگر حالت جنب میں ہو تو غسل کر لیا کرو.... اللہ تعالےٰ تم پر کسی قسم کی تنگی کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کرے تاکہ تم شکر کرو.... اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ خدا کے لیئے کھڑے ہو جانے والے انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو جاؤ۔ اور کسی قوم کی دشمنی تمکو اس بات کا مجرم نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو یہ تقوےٰ سے بہت قریب ہے۔ اور اللہ کا تقوےٰ کرو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس کو جانتا ہے۔ یہ بات بھی غور کے قابل ہے کہ صرف ظاہری صفائی یا پاکی کمتفی نہیں ہوسکتی۔ جیساکہ متذکرہ بالا آخری آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ بیرونی صفائی حفظان صحت کے لحاظ سے تو ایک اچھی چیز ہے لیکن تقوےٰ اور انصاف انسان کو راستبازی کو قریب لاتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ دلوں کے راز سے بخوبی واقف ہے۔ پس اگر ہم دو ہزار مرتبہ وضو کریں اور اس کے حضور ناپاک دل اور نجاست آلود خیالات لیکر حاضر ہوں تو ہماری نماز کبھی قبول نہ ہوگی اور ہماری دعائیں ہرگز سنی نہ جائیں گی۔ اس لیئے ہم کو چاہیئے کہ اُس قدوس خدا کے دربار میں عجز و انکسار اور خلوص اور صفائی قلب کے ساتھ حاضر ہوں۔

حضرت نبی کریم صلعم نے مسلمانوں کو صفائی قلب اور دل کو نخوت و تکبر اور منافقت سے پاک کرنے کے واسطے بہت زور دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ اپنے دلوں کو ہر کسی قسم کی گندہ الاتشول اور کمزوریوں سے منزہ کرو۔ اور اپنے دماغ کو ہر قسم کے حاسدانہ خیالات سے جو خدا کی طرف سے

توجہ کو پھیرنے والے ہوں پاک کرو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جسمانی طہارت نہایت ضروری ہے۔ لیکن دماغی اور روحانی طہارت اس سے کہیں زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ قرآن شریف کا مقصد صرف تمہارا تزکیہ نفس ہے +

رشتہ داروں کے حقوق ایک مسلم پر

ہدیتہ الزوجین

(ایک ہندوستانی فرمانروا کی قلم سے۔)

ہدیتہ الزوجین یعنی پہلا حصہ اس کتاب کا جس میں مسلمانوں کے اس حصہ زندگی پر بحث ہوگی جو خانہ داری کے نام سے موسوم ہے ہز ہائینس بیگم صاحبہ بھوپال کی قلم سے نکلا ہے۔ ذیشان اور عالی مرتبہ مصنفہ کے نام سے ہندوستان کا ہر فرد بشر واقف ہے۔ یہ ایک نہائت ہی دلچسپ کتاب ہے اور موجودہ زمانہ کی ایک بڑی بھاری ضرورت کو پورا کرنے والی ہے۔ اس میں مفصل ہدایات میاں بیوی کے باہمی حقوق اور ذمہ واریوں کے متعلق دی گئی ہیں۔ اور یہ نہایت ہی خوشی کا مقام ہے کہ ہز ہائینس باوجود ان کثیر اور اہم ذمہ داریوں کے جو ہندوستان کی ایک بڑی ریاست کے بار انتظام نے اُن کے ذمہ ڈالی ہوئی ہے۔ اور جن کو وہ احسن طریق پر پورا فرما رہی ہیں۔ اپنی علمی قابلیت سے بھی مخلوق کو فائدہ پہنچاتی رہتی ہیں۔ اور اس طرح پر آپ کی توجہ نہ صرف اپنی رعایا کی بہبودی پر ہی منعطف ہے۔ بلکہ اہل اسلام کے ہر ایک قسم کے فوائد آپ کے مدنظر ہیں۔ اور وقتاً فوقتاً آپ کی علمی فضیلت سے ہندوستان کا لٹریچر فائدہ اُٹھاتا رہتا ہے۔ مگر آپ کی موجودہ تصنیف ان سب میں بڑھ کر قیمتی تحفہ ہے۔ ہر ایک شخص جو مسلمانوں کی خانگی زندگی کے حالات سے واقفیت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اِس کتاب سے صحیح علم حاصل کر سکتا ہے۔ اصل کتاب اُردو میں ہے۔ لیکن اس کا انگریزی ترجمہ ہز ہائینس کے ان بہنوں کے لیئے جنھوں نے مغرب میں اسلام کو قبول کیا ہے۔ بہت مفید اور بابرکت ہوگا۔

ہم مندرجہ ذیل ہدایات اس کتاب کے آخری باب سے نقل کرتے ہیں جس میں ان ذمہ داریوں کا ذکر ہے جو اسلام کے ماتحت ایک شخص کے ذمہ اپنے رشتہ داروں کے لیئے عائد ہوتی ہیں۔ اور ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارے رسالہ کے ناظرین کے لیئے ان سے بہت سی باتوں پر نئی روشنی پڑیگی وہ حالت جو ہم بعض دوسرے ممالک میں دیکھتے ہیں کہ مائیں افلاس کی حالت میں زندگی بسر کر رہی ہیں اور بیٹے اپنے تعیشات میں منہمک ہیں۔ اسلام میں ہرگز نہیں پائی جاتیں۔ بلکہ خانہ داری کا جو مغربی مفہوم ہے اس کے لحاظ سے وہ ذمہ داریاں جو ایک مسلم پر عاید ہوتی ہیں بہت وسیع ہیں۔ اور باوجود اُن کی وسعت کے وہ صرف لفظی یا نام کی ذمہ داریاں ہی نہیں۔ بلکہ عملاً اپنی آسائش کو قربان کرکے دوسروں کی آسائش کو مدنظر رکھنا اسلام کی اصلی تعلیم ہے۔ عالی مرتبہ مصنفہ نے اس مضمون کو ایسی صفائی سے لکھا ہے۔ کہ ہم آپ کے اصل الفاظ پر کچھ بڑھانا نہیں چاہتے +

ذوی القربےٰ

گھر کے تمام تعلقات صرف میاں بیوی سے ہی وابستہ نہیں ہیں۔ بلکہ ان تعلقات کے سلسلہ میں وہ اقربا اور اعزا بھی شامل ہیں۔ جن کی خدمت اور خبرگیری مرد یا عورت کے ذمہ عائد ہوتی ہے۔

اولاد بالعموم دونوں کی متاع مشترکہ ہے۔ جس کی قدرتی محبت دونوں کے دلمیں ہوتی ہے اور اس کے متعلق والدین کے جو فرائض ہیں وہ اس قدر صاف ہیں۔ کہ محتاج بیان نہیں لیکن بعض خاندانوں میں سوتیلی اولاد سے بھی سابقہ پڑتا ہے۔ اگر ایسی اولاد پہلی بی بی سے ہے تو موجودہ بی بی کو اگرچہ اس کے ساتھ قدرتاً الفت نہیں ہوسکتی۔ لیکن اس کا فرض ہے کہ وہ حقوق العباد اور خاوند کی خوشی کے خیال سے اُس کے ساتھ محبّت کرے۔ کیونکہ خداوند کریم نے اس کو باپ کی دولت وثروت میں حصہ دار اور مستحق بنایا ہے۔ اسی طرح اگر عورت کے پہلے خاوند سے کوئی اولاد ہے اور وہ قابل پرورش ہے۔ تو اگرچہ وہ موجودہ خاوند کی دولت و آمدنی میں کوئی استحقاق نہیں رکھتی۔ لیکن عورت کی خوشی اور احسان کے خیال سے اس کی پرورش کرنی چاہیئے۔ اِس کے علاوہ عورت کو حق حاصل ہے۔ کہ وہ اپنے مہر اور نان ونفقہ

سے ایسی اولاد کی پرورش کرے +

اسلام میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم اور صحابہ کرام نے اسی محبت و شفقت کے ساتھ جو اپنی صلبی اولاد کے ساتھ ہوتی ہے۔ ایسی اولاد کی پرورش کی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ہر فعل مسلمانوں کے لیئے ایک سُنّت اور صحابہ کرام کا ہر ایک کام ایک نمونۂ عمل ہے +

اب ذرا غور سے دیکھو کہ مندرجۂ بالا قسم کی اولاد کے ساتھ عورت و مرد کی نعمتیں گھر میں کس قسم کی مسرت پیدا کرتی ہیں۔ اور زوجین میں کس طرح محبت بڑھنے کا باعث ہوتی ہیں +

تعلقات عزیزداری میں والدین اور ذوی القربے کا خیال رکھنا۔ ان کی خبرگیری کرنا اور ان کی خدمت بجالانا بھی فرائض میں داخل ہے۔ والدین جو ہزاروں تکلیفیں اُٹھا کر اولاد کی پرورش کرتے ہیں۔ اس بات کا حق رکھتے ہیں۔ کہ اولاد اُن کی خدمت بجالائے۔ اور جب وُہ اپنی دولت اور کمائی کا بڑا حصّہ اولاد کی پرورش میں صرف کرتے ہیں۔ تو ان کا استحقاق ہے۔ کہ وہ اولاد کی کمائی اور دولت سے بھی فائدہ اُٹھائیں :۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَجُلاً اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ لِي مَالاً وَاِنَّ وَالِدِيْ يَحْتَاجُ اِلٰى مَالِيْ قَالَ اَنْتَ وَمَا لُكَ لِوَالِدِكَ اِنَّ اَوْلَادَكُمْ مِنْ اَطْيَبِ كَسْبِكُمْ كُلُوْا مِنْ كَسْبِ اَوْلَادِكُمْ (ابو داؤد وابن ماجة)

عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ کہ میرے پاس مال ہے اور میرا باپ میرے مال کا حاجتمند ہے؛ فرمایا تو اور تیرا مال دونوں تیرے باپ کی ملک ہیں۔ (ازاں بعد حاضرین کی طرف روئے سخن کر کے فرمایا) کہ تمہاری اولاد تمہاری پاک اور حلال کمائی ہے (تو) تم اپنی اولاد کی کمائی میں سے بے دغدغہ کھاؤ۔

والدین کی اطاعت۔ فرمانبرداری اور خدمت جس درجہ اولاد پر فرض ہے اور اعزا و اقربا کے ساتھ جیسے حسن سلوک اور مودّت و محبت کی ترغیب و تاکید کی گئی ہے۔ اس کا اندازہ قرآن حکیم اور احادیث نبوی سے بخوبی ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ امر بھی غور کرنے کے قابل ہے۔ کہ خداوند کریم کے نزدیک والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اس درجہ وسیع ہے۔ کہ جہاں اُس نے اپنی عبادت کرنے شرک و فسق سے بچنے اور نماز و زکوٰۃ کے ادا کرنے کا حکم دیا ہے وہیں والدین کے ساتھ احسان کرنے کی بھی ہدایت فرمائی ہے:۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ○	اور اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اور اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھیراؤ اور ماں باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور قرابت والے پڑوسیوں اجنبی پڑوسیوں اور پاس کے بیٹھنے والوں اور مسافروں اور جو لونڈی غلام تمہارے قبضہ میں ہیں ان سب کے ساتھ سلوک کرتے رہو۔ اللہ ان لوگوں کو دوست نہیں رکھتا۔ جو اترائیں اور بڑائی مارتے پھریں “
وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ	اور ہمنے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنیکا حکم دیا اور (یہ بھی سمجھادیا) کہ اگر ماں باپ تیرے درپے ہوں کہ تو کسی کو ہمارا شریک ٹھیرائے جس (کے شریک خدا ہونے) کی تیرے پاس کوئی معقول دلیل ہے ہی نہیں تو (اس بات میں) ان کا کہا نہ ماننا “
وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ○	اور اپنے والدین کے خدمت گذار (بھی) تھے اور سخت گیر (اور) خودسر نہ تھے “
وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ○ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ○	اور مجھکو حکم دیا کہ جب تک زندہ رہوں نماز پڑھوں اور زکوٰۃ دوں اور نیز مجھکو اپنی ماں کا خدمتگذار بنایا اور مجھ کو سخت گیر اور بدراہ نہیں کیا “

یہی نہیں کہ احسان کی ہدایت کی گئی ہو۔ بلکہ ادب اور نرمی سے بات کرنے کی بھی تاکید کی گئی ہے:۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝

اور (اے پیغمبر) تمھارے پروردگار نے حکم قطعی دیدیا ہے کہ (لوگو!) اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا (اے مخاطب) اگر والدین میں کا ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں تو ان کے آگے ہوں بھی نہ کرنا اور نہ اُنکو جھڑکنا۔ اور اُن سے (کچھ) کہنا (سننا ہو تو) ادب کے ساتھ کہنا (سننا)“

ان کے ساتھ خاکساری کرنے۔ اور اُن کے لیئے دُعائے مغفرت اور رحمت کے مانگنے کی ان الفاظ میں ہدایت کی گئی ہے :-

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝

اور (اے شخص) محبت سے خاکساری کا پہلوان کے (یعنی ماں باپ کے) آگے جھکائے رکھنا اور (انکے حق میں) دُعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار جسطرح اُنھوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا ہے (اور میرے حال پر رحم کرتے رہے ہیں) اسطرح تو بھی ان پر (اپنا) رحم کیجیو“

والدین کے بعد زیادہ تر جو قریبی عزیز ہوتے ہیں ان کی تفصیل کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ ان کی نسبت صرف ذیل کی ایک ہی حدیث کو پڑھ لینا چاہیئے ”حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ اس بات کا حقدار کون ہے۔ کہ جس کے ساتھ میں سلوک کروں فرمایا تیری ماں۔ عرض کیا۔ پھر کون فرمایا تری ماں۔ عرض کیا پھر کون فرمایا تیری ماں۔ اُس نے عرض کیا پھر کون۔ فرمایا تیرا باپ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیری ماں (یعنی اپنی ماں سے سلوک کر) پھر تیری ماں۔ پھر تیری ماں۔ پھر تیرا باپ۔ پھر جو تجھ سے زیادہ قریب کا رشتہ رکھتا ہو“

اسی طرح ایک اور حدیث بھی ترمذی شریف میں ہے۔ کہ آنحضرت نے تین دفعہ ماں کے ساتھ۔ اور پھر باپ کے ساتھ سلوک کرنے کے بعد۔ پھر جو زیادہ قریب ہو اُس کے ساتھ سلوک کرنے کی ہدایت فرمائی ہے +

ترمذی شریف میں ایک حدیث حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ میں ایک بڑے گناہ کا مرتکب ہوگیا ہوں تو کیا میرے لیئے توبہ ہے۔ فرمایا کیا تیری ماں زندہ ہے۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا تیری خالہ موجود ہے۔ کہا ہاں۔ فرمایا "اس کے ساتھ سلوک کر"

اب اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہیئے کہ خالہ کے ساتھ سلوک کرنے کی اس لیئے ہدایت کی گئی کہ وہ خوش ہوکر گناہ کے بخشے جانے کی خدا سے دعا کرے اور اس کے ساتھ جو ماں کی طرح ہے صلہ رحمی کرنا کفارۂ گناہ کا موجب ہوگا۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کی تمام خوبیاں ایک ایک کرکے رخصت ہوتی جاتی ہیں۔ اور انکی جگہ خرابیاں آتی جاتی ہیں۔ یہی حالت رشتہ داری کے تعلقات کی بھی ہے۔ اگر ایک بھائی دولتمند یا آسودہ حال ہے۔ اور دوسرے بھائی غریب ہیں۔ یا کسی کے والدین غیر مستطیع ہیں۔ تو اول تو خود اس آسودہ حال شخص کو ہی ان کی پروا نہیں ہوتی۔ پھر اگر بیوی بھی بدمزاج یا سسرال والوں سے متنفر ہو تو ان لوگوں کی زندگی جن کے حفظ حقوق کے متعلق اس طرح کے احکام ہیں جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ نہایت بے کسی اور ذلت کی زندگی ہوجاتی ہے۔ مگر یہ دونوں یعنی شوہر اور بیوی نہ دنیا کا لحاظ کرتے ہیں نہ آخرت کے اُس عذاب سے ڈرتے ہیں جو ان اعمال کے باعث اس عالم میں ان پر نازل ہوگا +

والدین اور اعزہ کے ساتھ حسن سلوک اور مودت ومحبت وہ حقوق ہیں جو خداوند کریم نے اولاد پر اور دوسرے اعزہ پر مقرر کیئے ہیں۔ ان حقوق کے ادا نہ کرنے کی بابت خواہ دُنیاوی قوانین میں کوئی چارہ کار نہ ہو۔ لیکن جو لوگ حشر ونشر پر ایمان اور روز محشر کی باز پرس پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ ضرور سمجھتے ہیں کہ اس کا اس دنیا میں نہ سہی اس دنیا میں چارہ کار ہے اگر بیوی کے اثر سے اس کا خاوند ان حقوق کو ادا کرنے سے مجبور ہو تو آخرت میں اس کا بار ان دونوں پر پڑے گا۔ البتہ اگر بیوی اپنی ملک وجائداد میں سے اپنے اعزہ کے حقوق ادا کرنے چاہیئے اور خاوند مانع ہو تو چونکہ خاوند کی اطاعت سب پر مقدم ہے۔ اس لیئے عورت تو گنہگار نہ ہوگی۔ مگر خاوند معصیت میں مبتلا ہوجائے گا۔ پس اس معاشرتی زندگی

میں گھر کی مسرت و برکت اور خداوند کریم کی رحمت کا بہت بڑا انحصار والدین اور اعزہ کے ساتھ حسن سلوک پر مبنی ہے +

عموماً ساسیں جب اپنے بیٹے کا گھر بار کرتی ہیں تو وہ اس بات کو فراموش کر جاتی ہیں کہ وہ بھی کبھی "بہو" تھیں اور بہوئیں کبھی اس بات کو خیال میں نہیں لاتیں کہ ایک دن وہ بھی ساس بنیں گی۔ پس یہی فراموشی اور بے خیالی ساس بہوؤں کے فساد کی جڑ ہوتی ہے۔ جو عورتیں عقلمند ہوتی ہیں وہ سمدھیانے سسرال اور میکے کے جھگڑوں کو پاس نہیں آنے دیتیں اور کوئی بات ایسی نہیں کرتیں۔ کہ نزاع برپا ہو۔ نزاعات کے برپا نہ ہونے اور انسداد کا سب سے بہتر ذریعہ یہی ہے۔ کہ گھر کے ہر شخص کو ایک دوسرے کے مرتبہ اور حق کا خیال رکھنا چاہیئے اور اُن حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیئے جو خداوند کریم نے مقرر کیئے ہیں۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○

"یہ اللہ کی (باندھی ہوئی) حدیں ہیں تو اُن سے آگے مت بڑھو اور جو اللہ کی باندھی ہوئی حدوں سے آگے بڑھ جائیں تو یہی لوگ برسرناحق ہیں"۔

عربوں کا احسان تہذیب پر

(از ایس۔ ایچ۔ لیڈر مصنف ویزرٹ گیٹوے۔ ویلڈ مسٹریز آف ایجپٹ وغیرہ)

اورینٹ لٹریری سرکل میں اس مضمون پر کہ عربوں کا تہذیب پر کیا احسان ہے۔ بولنے کی جرأت کرتے ہوئے۔ مجھے اس وجہ سے کچھ دقت ہے کہ میں جانتا ہوں کہ میرے سامعین کچھ مشرقی دُنیا کے رہنے والے ہیں اور کچھ مغربی دُنیا کے۔ میری دونوں سے درخواست ہے کہ میرا مضمون سُننے میں وہ وسعت حوصلہ کو کام میں لائیں۔ بعض تاریخی امور کو بیان کرنے میں میں ڈرتا ہوں۔ کہ مشرقی طالب علموں کے نزدیک میں واضح باتوں کو دھرانے والا ہونگا میں جانتا ہوں کہ مشرقی لوگوں کو تاریخ سے کس قدر محبت ہے۔ بالخصوص جبکہ اس کا تعلق اسلام سے ہو۔ اور اس لیئے مجھے یقین ہے۔ کہ جو کچھ میں کہوں گا اُس میں اسلام کے پیروؤں

کے لیئے بہت نئی باتیں نہ ہونگی۔ لیکن اس گہری دلچسپی اور ہمدردی کی وجہ سے جو مجھے اپنے مشرقی دوستوں کی آرزوؤں سے ہے بالخصوص جو شمالی افریقہ اور مصر کے رہنے والے ہیں میں صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ ایک مغربی دل پر کیا خیالات اس امر کے متعلق پیدا ہوتے ہیں کہ کس طرح ایک قوم کا گذرا ہؤا شان وشوکت کا زمانہ ان کی موجودہ تمناؤں پر اثر ڈال سکتا ہے۔ اس کے بالمقابل بعض اپنے انگریز سامعین کے لیئے میں ان خیالات کی دوبارہ تحریک کرنے والا ہونگا۔ جو وہ بھول چکے ہیں اور اُن تاریخی واقعات کی کسی قدر ناخوش آئیند یاد دہانی کرنے والا ہونگا۔ جن کو مغربی لوگوں کی دلجمعی نے ایک طرف پھینک دیا ہے۔

میں ڈرتا ہوں کہ میں بعض لوگوں کی خود پسندی کو یہ کہکر کچھ صدمہ ہی پہنچاؤں گا کہ مغرب بھی ان لوگوں کا ممنون احسان ہے جن کا کچھ دھندلا سا علم ہمیں صرف اسی قدر ہے کہ وہ عربوں کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ لیکن با ایں ہمہ میں اُن کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ میری طبیعت کا ناجائز میلان نہ ایک طرف ہے اور نہ دوسری طرف۔ مشرق اور مغرب دونوں تاریخی صداقت کے محتاج ہیں۔ اور وہ دونوں اس بات کے بھی محتاج ہیں کہ ایکدوسرے سے جو کچھ کوئی حاصل کر سکتا ہے کرے۔ وہ باہمی سمجھوتا جسکے ہم سب اس قدر خواہشمند ہیں اس وقت شروع ہوگا۔ جب مغرب اس بات کے ماننے کے لیئے تیار ہو کہ مشرق کے پاس وہ خزانے ہیں جو اس کے اپنے خزانوں سے کسی طرح کم نہیں اور جو نسل انسانی کی عامہ بہبودی میں کام دے سکتے ہیں +

آج رات میں آپ کو وہ زمانہ یاد دلانا چاہتا ہوں۔ جب مشرق نے تہذیب کی مشعل کو بلند کر رکھا تھا۔ حالانکہ مغرب اُس وقت تاریکی کے زمانوں میں ٹامک ٹوئیے مار رہا تھا۔ مصر کے اُن طالب علموں کے لیئے خواہ وہ مسلمان ہوں یا قبطی جو آج یہاں ہیں۔ یہ کہانی بالخصوص مسرت پیدا کرنے والی ہے۔ کیونکہ اگر عرب دُنیا میں نئے جوش اور ولولے لائے اور اُن کے ساتھ مفتوحہ ملکوں کو زندگی کی حرکت دی تو یہ بھی اُن کے کمالات میں سے تھا۔ کہ جہاں کہیں اُنھوں نے تعلیم اور فنون اور دستکاریوں کو پایا۔ ان کو تباہ نہیں کیا۔ بلکہ ان کو ترقی دی۔ ایران میں بالخصوص یہ حالت تھی۔ مصر میں ہم بہت سے آثار قدیمی قبطی لوگوں کی محنت کے پاتے ہیں۔ جو تہذیب کی

اُس شاندار ترقی میں معاون ہوئے۔ جس نے مضبوط عرب حکومت کے ماتحت پرورش پائی۔ اگر میں ہندوستان کا ذکر نہیں کرتا تو یہ اس لیئے کہ مجھے ابھی تک کوئی ذاتی علم اس دلچسپ ملک کا نہیں ہے +

آپ میں سے بُہت سے لوگ ابتدائی عرب کی تاریخ سے ایسے اچھے واقف ہیں۔ کہ مجھے آپکو زیادہ تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔ صرف چلتے چلتے اس طاقت کے حیرت انگیز نشوونما کا ذکر کروں گا جس نے حضرت محمدؐ کے ظہور سے ایک سو سال کے اندر اندر اپنے آپ کو مشرق میں دلی سے لے کر ہسپانیہ میں غرناطہ تک کا مالک بنا دیا۔ جس نے ایک سلطنت اس سے بُہت زیادہ طاقتور بنائی۔ جس کو رومیوں نے آٹھ سو سال میں بنایا تھا +

میں آپ کو مختصر طور پر ایک انگریز کے نکتہ خیال سے وہ حالات بتانا چاہتا ہوں۔ جن کے ماتحت تہذیب کی اس مشعل نے جو عربوں نے یونانیوں کے کمزور ہاتھوں سے لے لی۔ یورپ پر اسکے تاریکی کے زمانہ میں اپنی روشنی ڈالی۔ ہمارے آقا یسوعؑ کی زندگی میں جس کا نام ہم سب خواہ مسلمان ہوں یا عیسائی بڑی عزت کے ساتھ لیتے ہیں۔ ایک بڑی روشنی دنیا پر نمودار ہوئی بدقسمتی سے جیسے زمانہ گذرتا گیا عقائد اور عملیات کے فروعی امور پر احمقانہ جھگڑے پیدا ہو کر وہ روشنی دن بدن تاریک ہوتی چلی گئی خدا کی توحید جس کے متعلق جوش و خروش سے جھگڑے ہو رہے تھے۔ بالکل بھلا دی گئی۔ وہ لوگ یسوعؑ کے متعلق ہر ایک سوال پر غور کرتے سوائے ان امور کے جو ان کو اس کے اسوۂ حسنہ کی تقلید کی طرف لیجانے والے ہوں۔ اس کمزوری اور فساد کی حالت میں عرب کے بیابان سے ایک توانا قوم ایک مرتبہ اُٹھ نکلی۔ وہ لوگ جو اب تک گمنامی کی حالت میں رہے تھے۔ غیر معمولی طاقت کی وجہ ایسے اُٹھائے گیئے۔ کہ ایک مرتبہ ہی وہ ایک عظمت کے مقام پر پُہنچ گئے۔ ان کی تلوار کی فتوحات کا جیسا کہ میں نے کہدیا ہے مجھے بُہت تھوڑا ذکر کرنا ہے۔ سوائے اس کے کہ میں کہوں کہ یہ تہلکہ ڈالنے والا انقلاب مغرب میں بعض لوگوں کو ایسا معلوم ہؤا۔ کہ علم کو نابود کر دیگا۔ اور دنیا میں وحشیانہ حالت کو عروج دیگا۔ اور میں اس بات کے تسلیم کرنے پر بھی مجبور ہوں۔ کہ جہالت اور غلط بیانی کی وجہ سے مغرب کے بُہت سے لوگ اب بھی ان فتوحات کو اسی رنگ میں سمجھتے ہیں۔ یہ

ناانصافی ہے۔ اور جہالت مشرق میں ہو یا مغرب ہیں۔ جہاں ہو انصاف سے روکتی ہے۔

جن باتوں کا میں اختصار کے ساتھ ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ علمی اور اخلاقی فوائد ہیں جس کا ایک دیرپا اور مستقل اثر کل عالم پر ہو اور جن کے لیئے بلاشبہ تہذیب عربوں کے غلبہ کے زیر احسان ہے فتح کے پہلے حملے ہیں اس نئی طاقت نے ایران سے مجوسی۔ آتش پرستی کو نابود کردیا جو اگر نہ رُک جاتی تو سارے مشرق میں پھیل جاتی۔

اس کے بعد اُس نے مصر اور ہندوستان کے بعض حصوں میں جوگ کی توہم پرستیوں کو دور کیا اور رومیوں کے مناظرانہ علم الٰہی کو جو صرف نام کے عیسائی تھے۔ حالانکہ عملی رنگ میں بت پرستوں سے بدتر تھے۔ مٹا دیا۔ اور بعدہٗ عربوں کی اس طاقتور ترقی میں قسطنطنیہ کے دربار کا کمزور انتظام گرے ہوئے اخلاق اور ذلیل انتظام سلطنت فنا ہو گیا۔

ان کے مخالف بھی اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ عرب کے ان جفاکش جوشیلوں کی جنگی طاقت کے ساتھ ایسی صفات ملی ہوئی تھیں جنھوں نے دُنیا کو ازسرنو زندگی بخشی۔ بعض وہ نیکیاں جن کو وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ ان قوموں کے درمیان جن کو انھوں نے فتح کیا متروک یا نابود ہو گئیں۔ ہمارے لیئے منشیات سے پرہیز کفایت شعاری اور زندگی کی وہ سادگی قابل غور ہے جو ابتدائی زمانہ کے بلند مرتبہ خلفائے اسلام نے دکھائیں۔ اور جن کو نہ دولت اور نہ عزّت کا خیال کبھی کم کر سکا۔ وہ استقامت قابل غور ہے۔ جس کو کسی قسم کی مشکلات نہ دبا سکیں اور نہ کم کر سکیں۔ وہ فیاضی قابل غور ہے۔ جس کو آجکل کے لوگ اس سے دُور پڑے ہوئے ہونے کی وجہ سے باور بھی نہیں کر سکتے۔ وہ تقوا یہ قابل غور ہے کہ جس کے اندر سچّا جوش نظر آتا ہے اور عملی زندگی کی وہ سعی قابل غور ہے جو ایک ایسا نہ رکھنے والا اثر دل پر ڈالتی ہے۔ کہ اُنکی فتوحات اپنی سرعت اور کثرت کی وجہ سے معجزانہ رنگ رکھتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ جب عرب تنہائی کے ایک بالکل تاریک کونے سے باہر نکلے تو وہ سب صفات ان کے اندر موجود معلوم ہوتی تھیں۔ جن کی ضرورت اس وقت دنیا کے جگانے اور دُنیا کی ترقی کے لیئے تھی۔ اگر دُنیا کی نجات کو نہ بھی مانا جائے۔

ایک لمحہ کے لیئے ہم ان اصُولوں پر غور کرتے ہیں۔ جنھوں نے ان لوگوں کو اٹھایا ہوگا۔ جبکہ

ایک قوم کو فتح کرنے کے بعد وہ اس کے انتظام اور ترقی دینے میں مشغول ہوئے ہمارے لیئے صرف قرآن اور حضرت محمد کے چند اقوال کو دیکھنا کافی ہے۔ قرآن میں ہے۔ ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔ جس شخص کو دانائی اور حکمت دیگئی اس نے خیر کثیر کو پالیا۔ اور حضرت محمدؐ فرماتے ہیں عزت دولت سے نہیں بلکہ علم سے ہے۔ ایک اور حدیث کا یہ مفہوم ہے کہ عالم کی سیاہی شہید کے خون کی طرح قیمتی ہے۔

ایسا ہی پیغمبر نے فرمایا۔ کہ ایک عالم ہزار جاہل ماننے والوں سے شیطان پر زیادہ بھاری ہے یہ بھی آپ کا خیال پایا جاتا ہے کہ عبادت کی نسبت علم مرتبہ کو زیادہ بڑھاتا ہے۔ ایک عالم عابد پر ایسی فضیلت رکھتا ہے۔ جیسا کہ پورا چاند ستاروں پر اور آپ نے فرمایا۔ کہ علم کی تلاش میں لگجاؤ خواہ وہ چین میں ملے۔ ہمارے یہاں مغرب میں ایک ضرب المثل ہے۔ کہ قلم تلوار سے بڑھکر طاقتور ہے۔ اس کی صداقت جیسی صفائی سے عرب کی تاریخ میں ملتی ہے اور کہیں نہیں ملتی۔ اور مسلمانوں کی موجودہ حالت اس پر شاہد ہے۔ گو مسلمانوں کی ملکی طاقت کم ہوگئی ہے مگر کوئی چیز دنیا کو اُن کے علمی خزانوں کے فوائد سے محرُوم نہیں کرسکتی۔

پہلے علم ادب کو لو۔ علم ادب جو ابتداء میں مشرق سے ہی یورپ میں آیا۔ دوسری مرتبہ پھر عربوں کی ذہانت ہی اُسے یورپ میں لانے والی ہوئی جو درحقیقت پرانے اور نئے علم ادب میں ایک زنجیر کا کام دیتے ہیں۔ مغرب میں علم ادب بالکل نابود ہوچکا تھا اور جاہلانہ وحشیانہ رنگ کا دور تھا۔ جب عربوں کی سلطنت عروج کی حالت پر تھی۔ لاطینی۔ کلیسیا ہر ایک قسم کے اچھے علوم سے محض ناآشنا تھی۔ جو کچھ استعداد بعد میں لاطینی مصنفوں نے حاصل کی۔ فلسفہ میں یا طب میں یا علم ہندسہ میں وہ اس کے بعد تھی۔ جب عربوں کی محنت نے اُن کی جہالت کو متنبہ کیا اور انہی کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ وہ کسی یونانی مصنف کی تصنیف کے ماہر نہ تھے۔ اور جس قدر لاطینی میں علوم آئے وہ اُنھوں نے عربی سے ہی لیئے یہ عربی کے ذریعہ سے ہی تھا۔ کہ ہم ایک لاطینی ترجمہ کے ذریعہ سے ٹالمی کی تحریروں تک پہنچ سکے اور اقلیدس علم ہندسہ میں اس قدر لمبے عرصہ سے ہمارا معلم ہے اس تک بھی ہم عربوں کے ذریعہ سے ہی پہنچے ہیں۔ بڑے بڑے فاضلوں کا یہ خیال ہے۔ کہ بہت سی یونانی تصنیفات

اب تک عربی ترجموں میں مل سکتی ہیں۔ جن کے اصل مدت سے گم ہو چکے ہیں۔

علم کی دو شاخوں یعنی نظم اور قصہ نویسی پر عربوں کا خاص احسان ہے۔ مشرقی لوگوں کا نظم کا شوق اسلام سے بہت مدت پہلے کا ہے۔ اور یہ دعوے سے کہا جا سکتا ہے۔ کہ قصہ نویسی کی طرز عرب میں ہی پیدا ہوئی اور عربوں کے ذریعہ سے یورپ میں پہنچی۔ دسویں صدی عیسوی سے پہلے کا قصہ کا نمونہ صرف ایک ہی ہے۔ جو عنترہ کے قصے کے نام سے مشہور ہے جو ایک عربی قصہ ہے جس میں قصہ نویسی کی تمام ضروریات موجود ہیں۔ اور جس سے پہلے یورپ کا کوئی قصہ اس طرز کا موجود نہیں۔ چاسر سے لے کر ملٹن تک انگریزی علم ادب میں۔ تمام شاعروں اور مصنفوں کے کلام میں عربوں کا اثر برابر موجود پایا جاتا ہے۔

اب ہم سائنس اور فلسفہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جب یورپ اُس وحشیانہ پن اور جہالت سے نکلا جو عربوں کے علمی زمانہ کے مقابل پڑا ہوا ہے۔ تو علمی دولت کی تین قیمتی کانیں اُس کے لیئے کھل گئیں۔ بالخصوص عربی تحصیل علم کے میدان میں۔ ان میں سے ایک کان فلسفہ کی تھی۔ جس نے دل کی اس زندگی کو تازہ کر دیا۔ جس کا یونانی لغویت نے اس قدر برا استعمال کیا تھا اور جس کو رومیوں کی خراب عادتوں نے تباہ کر رکھا تھا۔ دُوسرے مضموُن علم ہندسہ اور علوم استقرائی تھے۔ جن کی یونانیوں اور رومیوں نے کبھی زیادہ قدر نہ کی اور نہ ان کا تتبع کیا۔

مشرقی ممالک میں بُہت سے طالب علم اُس فاضل انگریز لارڈ بیکن کی تصنیفات کے متعلق بُہت کچھ جانتے ہیں جس کی نیچرل فلاسفی کی تحقیقاتوں نے مغرب میں علوم کے ذرائع کو بُہت بڑھایا ہے۔ مجھے ہمیشہ یہ بات معلوم کر کے خوشی ہوئی ہے کہ مصر کے نوجوان لارڈ بیکن کی قدر کرتے ہیں۔ مجھے اس سے کچھ تعجب نہیں ہوُا۔ کیونکہ بُہت سے ان سرچشموں کا پتہ لگانے کے لیئے جن سے لارڈ بیکن نے اپنے خیالات کو لیا اور ان کو بڑھایا ہمیں تیرھویں صدی تک واپس جانا پڑتا ہے۔ راجر بیکن جو ۱۲۱۴ء میں پیدا ہوُا مشرقی زبانوں میں خوب ماہر تھا۔ ہسپانیہ کے موروں کی یونیورسٹیوں میں اُس نے فضیلت حاصل کی اور اُس زمانہ کے عرب مصنفوں سے ایسا ہی واقف تھا۔ جیسا یونانی اور

لاطینی تصانیف سے لارڈ بیکن نے جو سترھویں صدی میں ہوا اسی فاضل سے اپنے خیالات کو لیا اور اپنے مشہور استقرائی نظام کے پہلے اصولوں کو اسی سے لیا۔ اور یہ ایک ایسا امر ہے جو اس بات کو یقین تک پہنچا دیتا ہے کہ بیکن کے فلسفہ کا اصلی سرچشمہ عربوں کے علوم ہی تھے۔ عرب کے فلاسفر ایک بے نظیر طبعی ذہانت کے ساتھ جفاکشی اور محنت کو بھی جمع رکھتے تھے۔ اور محنت سے جس قدر علوم حاصل ہو سکتے تھے اُن سب کو حاصل کرتے تھے جس چیز کا وہ علم حاصل کرتے اس پر ہر ایک پہلو سے غور کرتے اور ان کے دلائل میں ایسی صفائی اور باریک بینی ہے کہ جس مضمون کو وہ ہاتھ ڈالتے اس کو کامل طور پر روشن کر کے چھوڑتے ان کے کام نے یورپ کے قوائے ذہنی کو بہت بلند کر دیا۔ وہ بڑی قومی ترقی جو بارھویں صدی عیسوی کے بعد انگلستان میں نمودار ہونی شروع ہوئی۔ وہ انہیں باتوں کا اثر تھا +

سائنس کے معاملہ میں بھی انصاف چاہتا ہے کہ ہم اس بات کا اعتراف کریں کہ جب دسویں صدی میں یورپ علمی جہالت میں سویا ہوا تھا تو عرب بڑے شوق کے ساتھ ان سائنس کے مسائل کی تحقیقات میں لگے ہوئے تھے جنھوں نے مغربی دنیا میں علم اور زندگی کی ایک نئی رُوح پیدا کرنی تھی۔ مُوروں کے ان مدرسوں میں جو کہ ہسپانیہ میں تھے۔ یورپ کے طلباء کا سلسلہ لگا تار جا رہا تھا۔ انگلستان سے فرانس سے جرمنی سے اطالیہ سے۔ تاکہ ان علمی خزانوں سے بہرہ ور ہوں جو عربوں کے قبضہ میں تھے اور تا یورپ بھی ان خزانوں میں سے حصہ لے۔ ہسپانیہ کی عربی یونیورسٹیاں علوم کے سرچشمے تھے۔ جہاں عیسائی جہالت اپنی ابتدائی تعلیم کے لیئے جاتی تھی عربی استادوں کے مشہور مغربی شاگردوں میں پیٹر و نریبل اور پوپ سلوسٹر ثانی بھی تھے۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ پندرھویں صدی کے آخر تک انگلستان۔ فرانس اور اطالیہ کے سکولوں میں مشکل سے کوئی مشہور یا فاضل آدمی ایسا ہوگا جس کی سوانح اس احسان کا اعتراف نہ کرتی ہو جو بلاواسطہ یا بالواسطہ عربی علوم نے نسل انسانی پر کیا +

علم کیمیا میں عربوں کا مرتبہ بلا شبہہ موجدوں کا ہے۔ یہ مشہور سائنس جو تجربہ کے فلسفے کا پہلا سرچشمہ ہے۔ عربی ذہانت کی ہی حقیقی ایجاد تھا۔ یہ بڑا زبردست ثبوت

اس بات کا ہے کہ اُس زمانہ کی علمی جد وجہد کس قدر طاقتور تھی۔ مشرق کا تیز متخیلہ پہلے اُن کو ایسی باتوں کی تلاش کی طرف لے گیا جو زیادہ تر قصہ گوئی کا رنگ رکھتی تھیں۔ مثلاً وہ آب حیات یا فلاسفر کا پتھر جو موت کو ٹال دے اور الکیمیا یعنی دوسری دھاتوں کو سونے میں تبدیل کرنے کا شوق۔ مگر ان کے علوم کے تجربہ نے ان کو جلدی اس دھوکہ سے باہر نکال دیا اور ان کی تحقیقاتوں کے عملی رنگ نے ان کی قوت متخیلہ کی غلطیوں کو جلدی درست کر دیا۔ اُنھوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ حیوانی نباتاتی اور معدنی و نباتوں کے اجزا کا مطالعہ کیا۔ ہوا آگ مٹی اور پانی پر تجربے کیئے الکحل اور ایسڈ کی ملتی جلتی اور متقابل خصوصیات کو تحقیق کیا۔ بہت سی ایجادات کیں۔ کافور صفت تیلوں کو دریافت کیا۔ پارہ کی طبی خاصیات معلوم کیں اور بعض زہریلی دھاتوں کا صحت بخش ادویہ میں تبدیل کیا جانے کا پتہ لگایا مغرب نے ان تمام تحقیقاتوں کو ایشیا اور ہسپانیہ کے عربوں سے لیا۔ اور اپنی ٹھہری ہوئی طبائع کے ساتھ اُن کو وہ مقررہ اصول اور قوانین کے ماتحت لائے اور اُس کو ایک سائنس کے مرتبہ پر پہنچایا۔ اس کے بعد کی کیمیا کی تاریخ موجودہ یورپ کی ساری علمی ترقیات کے ساتھ وابستہ ہے +

کیمیا کی ان ابتدائی تحقیقاتوں کی بنا پر علم طب اور علم دوا سازی میں بڑی بڑی ترقیاں ہوئیں بڑے سے بڑے طبی فضلاء اس بات کے اعتراف میں متفق ہیں کہ عربوں کا احسان یورپ پر علم طب کے دوبارہ حاصل کرنے اور اس کی ترقیات پر بہت بھاری ہے۔ ان مشرقیوں نے حد درجہ کی محنت اور جفاکشی کے ساتھ اپنے آپ کو علم طب کے مطالعہ میں لگایا۔ اور ان سب باتوں کو حاصل کیا جو یونانیوں کو معلوم تھیں۔ اس میدان میں ان کو علم کیمیا نے اس قابل بنایا۔ کہ وہ اپنے تمام پہلے پیش روؤں سے بہت آگے نکل گئے۔ دوا سازی کے علم میں انھوں نے بیماریوں کے علاج کی فہرست کو بڑی بھاری وسعت دی اور بہت سی نئی مفرد ادویہ کو بڑھایا۔ اُنھوں نے پہلے پہل شکر کو بنایا۔ اور اس طرح پر انسان کی خوراک میں ایک لذیذ جزو کا اضافہ کیا جس سے اس سے پہلے عموماً لوگ ناواقف تھے۔ کیونکہ شہد جو صرف ایک ہی معلوم شیرینی تھی۔ بہت کمیاب اور بہت قیمتی چیز تھی۔ انھیں باتوں سے طبابت کا بڑا کمال پیدا ہوا۔ عربوں نے بالخصوص مرض کی علامتوں کی تشخیص کو مطالعہ میں لانے کی کوشش کی۔ اور اسمیں کامیابی حاصل کی

اپنے شوق اور باریک بینی کی وجہ سے بہت سے تاریک مسائل کو انھوں نے حل کر دکھایا اور بہت سی امراض کے اثرات سے ان کی وجوہات کا پتہ لگایا اور مؤثر علاج تجویز کیئے جلدی علاج کے امراض میں وہ بالخصوص کامیاب ہوئے چیچک کے مہلک مرض کی تحقیق کا سہرا الخصوص شرقی طبیبوں کے سر پہ ہی ہے۔ خسرا کی کیفیت کا پتہ لگانے میں بھی وہ سب سے اول ہیں۔ کئی قسم کے پھوڑے بالخصوص وہ جن کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ گلے کی کئی قسم کی بیماریاں عرب کے طبی ہُنر کی وجہ سے ہی معلوم ہوئیں۔ جیسا کہ آج طب کے طالب علم تسلیم کرتے ہیں۔ سکریمول جو ایک مشترق بھی تھا اور طبیب بھی تھا۔ چند سال ہوئے۔ جب اُس نے اس مضمون کا مطالعہ کیا تو اس نے اس بات کا اعتراف کیا۔ کہ علم طب اپنی موجودہ ترقی یافتہ صورت میں بھی پرانے عرب مصنفوں کی تحقیقاتوں سے ابھی بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتا ہے"۔

جب یورپ نے تاریکی سے باہر نکلنا شروع کیا تو افریقہ ہسپانیہ اور سسلی کے طبی مدرسوں نے ان مدرسوں کو جو نئے بنائے گئے اپنی روشنی سے منور کیا۔ گبن کہتا ہے کہ پہلا طبی مدرسہ جو یورپ کی تاریکی میں نمودار ہوا سلرنون کا مدرسہ تھا۔ وہ شخص جس کی ذہانت نے یورپی علوم کا یہ نیا مرکز قایم کیا وہ ایک راہب قسطنطین نام تھا۔ اس نے اپنی عمر کے ۳۹ سال مشرق میں ایک علمی سفر پر خرچ کئے اور بغداد سے واپس آیا۔ بعد کی طبی ترقیات اسی شخص کی تصنیفات اور تعلیمات کا نتیجہ ہیں۔ نہ صرف وہ جو سلرنو کے مدرسے میں ہوئیں۔ بلکہ اُن تمام مدرسوں میں جو کیتھولک یورپ کے مختلف ممالک میں اس کی شاخوں کے طور پر قایم ہو گئے۔ فن علاج کا لازمی نتیجہ یہ ہوا۔ کہ بیماروں کے لئے ہسپتال اور پاگلوں کے لیئے پاگل خانے قائم ہو گئے۔ ایک یہودی ربی بنیامین ٹولیڈا کا رہنے والا بغداد کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے :-

"خلیفہ ایک دیندار اور فیاض آدمی ہے۔ اور اس نے دریا کے دوسری جانب عمارات بنائی ہیں۔ ان عمارات میں بہت سے بڑے بڑے مکانات بانار اور غریب بیماروں کے علاج کے رہائش کے مکانات ہیں۔ جو کہ وہاں علاج کرانے کے لیئے آتے ہیں۔ یہاں قریباً ساٹھ طبی گودام ہیں۔ جن میں ہر قسم کی ادویہ اور دیگر ضروریات خلیفہ کے سرکاری گودام سے آتی ہیں۔ اور ہر ایک بیمار جو مدد کے لیئے درخواست کرتا ہے۔ اُس کو سرکاری خرچ رکھا

جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وُہ بالکل شفایاب ہو جاتا ہے۔ ان کے علاوہ ایک بڑی عمارت ہے جو پاگلوں کی رہائش کی جگہ کہلاتی ہے۔"

۱۳۰۴ء میں ایک بڑی بھاری پاگل خانے کی بنیاد قاہرہ میں رکھی گئی اور جب تک اس کے ایک صدی سے بھی زیادہ عرصہ نہیں گذر گیا۔ اُس وقت تک یورپ میں اس قسم کے کسی رواج یعنی پاگل خانوں کے علیحدہ بنایا جانے کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ تب بھی یہ چیزیں ہسپانیہ سے نکلکر یورپ میں پھیلیں۔ (باقی آئندہ)

ایک پُرانے انگریز بادشاہ کا توحید الٰہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار

(مرقومہ پروفیسر ھارون مصطفےٰ لیون ایم۔ اے)

برٹش میوزیم کے تمغوں اور سکوں کی شاخ میں ایک عجیب وغریب اور دلچسپ سونے کا سکہ محفوظ ہے جس کو بنے ہوئے بارہ۱۲ سو تیس سال سے زیادہ گذر چکے ہیں۔ اور جس پر عربی حروف میں صاف الفاظ میں یہ اقرار موجود ہے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ۔ محمد رسول اللہ اور اس کے حاشیہ کے اردگرد ذیل کا اقرار ہے محمد رسول اللہ ارسلہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔

جن الفاظ کے یہ معنے ہیں کہ کوئی معبُود نہیں سوائے اللہ کے وہ ایک ہے اُسکا کوئی ہمسر نہیں۔ محمدؐ اللہ کا رسول ہے۔ اللہ نے ان کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تا کہ سارے دینوں پر غالب کرے۔ یہ سکہ آفا شاہِ مرسیا نے کندہ کرایا اور اُسی نے اس کو مضروب اور مروج کیا۔ مرسیا انگلستان کے درمیانی حصہ میں ایک قدیم اینگلو سیکسن بادشاہت تھی جو دریائے کینٹ کے دونوں طرف نارتھ سی سے لے کر ویلز تک پھیلی ہوئی

تھی۔ اور شاہ آفا کا زمانہ ۷۵۷ء سے لے کر ۷۹۶ء تک ہے۔ مرسیا کی سلطنت ابتدا میں ایک چھوٹے سے حصے پر محدود تھی اور اس لفظ کا اصلی مفہوم ایک سرحد کا ہے جس کو مخالف ہمسایوں کے ہاتھ سے بچایا جاتا تھا۔ یہ مخالفین ویلز کے باشندے یا قدیم برطانوی لوگ تھے۔ جو صدیوں تک اینگلو سیکسن حملہ آور کے ساتھ اس حصہ ملک میں غلبہ کے لیئے لڑتے رہے۔ کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں آہستہ آہستہ مرسیا میں ملتی چلی گئیں اور سب سے پہلے غالباً چھٹی صدی عیسوی کے آخری نصف حصے میں اس کی بنا پڑی۔ مگر یہ سلطنت پینڈا کی تخت نشینی تک جو ۶۲۶ء میں واقع ہوئی بہت کمزور حالت میں رہی۔ اور اس بادشاہ کے زمانہ میں اسکی محکم تدبیر اور منصفانہ حکومت کی وجہ سے دوسری سلطنتوں پر اس کو فوقیت حاصل ہوگئی بالخصوص ۶۳۳ء میں ایڈون بادشاہ پر فتح حاصل کرنے کے بعد۔ مگر ۶۵۵ء میں پینڈا کو آلون شاہ نارتھمبریا نے شکست دے کر قتل کر دیا اور مرسیا کی سلطنت کا غلبہ ایک وقت کے لیئے جاتا رہا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انگلستان سات سلطنتوں میں تقسیم شدہ تھا۔ یعنے مرسیا۔ کینٹ ایسٹ انگلیا نارتھمبریا۔ وسیکس سسکس۔ ایسکس۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اُن میں سے صرف پہلی پانچ سلطنتیں سکے مضروب کرتی تھیں۔ وولف ہیر پینڈا کے بھتیجے نے جو ۶۵۶ء سے لیکر ۶۷۵ء تک حکمران رہا۔ نارتھمبریا والوں کو پیچھے دھکیلا۔ اور جنوب کی طرف دریائے ٹیمز تک اپنی سلطنت کے حدود کو پھیلایا۔ وولف ہیر اس سلطنت کا پہلا بادشاہ تھا۔ جس نے بُت پرستی کو چھوڑ کر عیسائی مذہب کو اختیار کیا۔ اس کے جانشینوں میں سے ایک اتھل بالڈ نے جو ۷۱۶ء سے ۷۵۷ء تک حکمران رہا۔ مرسیا کے حدود کو اور وسعت دی۔ اور قریب قریب کے ممالک کی بڑے بڑے حصے اپنی سلطنت میں شامل کر لیئے۔ لیکن مرسیا کے سب سے زبردست بادشاہ آفا ۷۵۷ء سے ۷۹۶ء تک اور سین وولف ۷۹۶ء سے ۸۱۹ء تک تھے۔ ان میں سے موخر الذکر بادشاہ کی وفات کے بعد یہ سلطنت بڑی سرعت کے ساتھ زوال پذیر ہوگئی اور ۸۲۹ء میں اگبیرٹ شاہ وسکس کی سلطنت میں شامل ہوگئی +

سامنے کے صفحہ پر اس سکہ کا اصل فوٹو اور جو عبارت اس پر کندہ ہے اسکا عکس دیا جاتا ہے۔ تاکہ اس عجیب و غریب سکہ کا ناظرین خود معائنہ کر لیں۔ اگر اصل فوٹو ولایت سے آگیا تو بعد میں شائع کر دیا جائیگا
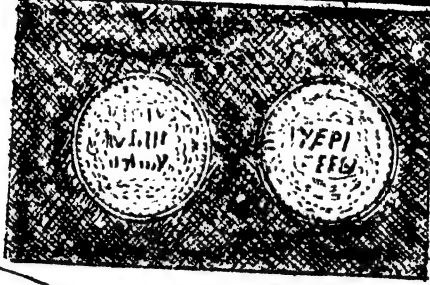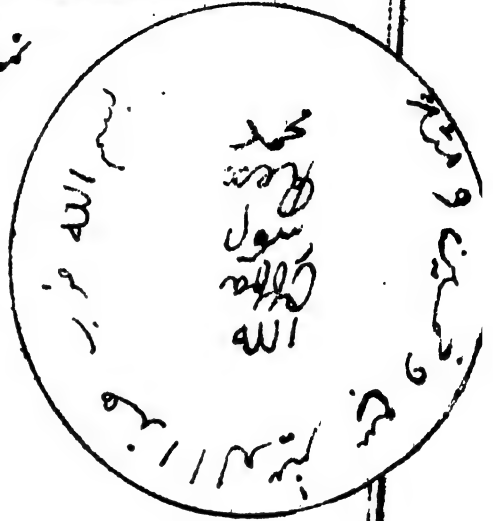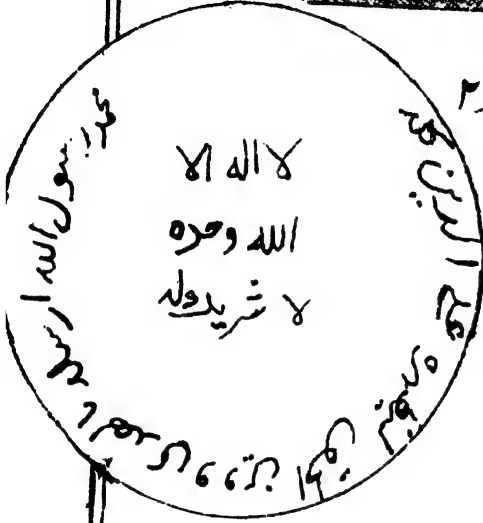
نمبر ۱۔ پہلی تصویر میں اصل سکہ کا فوٹو ہے۔ مگر حروف باریک ہونے کی وجہ سے ٹھیک پڑھے نہیں جا سکتے +

نمبر ۲۔ دوسری تصویر میں حروف کو بڑے کرکے دکھایا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سکے کے دونوں طرف کیا عبارت ہے +

سامنے کی طرف درمیان میں یہ الفاظ ہیں:۔ لا اله الا الله وحده لا شريك له
نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے۔ ایک ہے کوئی اسکا شریک نہیں

اور حاشیہ پر یہ الفاظ ہیں:۔ محمد رسول الله ارسله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله
محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ انکو بھیجا اللہ نے ہدایت کیساتھ اور دین حق کیساتھ تاکہ اسے کل دینوں پر

پشت کیطرف درمیان میں یہ الفاظ ہیں:۔ محمد رسول الله —— آفا۔ بادشاہ
محمدؐ اللہ کا رسول ہے ——

اور حاشیہ پر دلیل کے الفاظ ہیں۔ { بسم الله ضرب هذا الدينار سبع وخمسين ومئة
اللہ کے نام سے یہ دینار مضروب ہوا۔ ایک سو ستاون ۱۵۷ھ میں

شاہ آفا جس کے دوران حکومت میں یہ دلچسپ سکہ مضروب ہوا جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں ۷۵۷ء میں مرسیا کے تخت پر بیٹھا اور وہ پنیڈا کے باپ وبا سے شروع کرکے اس سلطنت کا نواں بادشاہ تھا۔ اُس نے سلطنت کو بہت کمزور حالت میں پایا اور غالباً اس کی سلطنت کے ابتدائی سال اپنے ملک کے اندر رہی حکومت اور انتظام کرنے پر صرف ہوئے ۷۷۱ء سے اس کی فتوحات کا دور شروع ہوتا ہے۔ ۷۷۵ء میں اس نے شاہ کینٹ کی فوجوں کو شکست دی اور ۷۷۹ء میں مغربی سکیسنوں اور ویلس والوں کے خلاف کامیابی سے جنگ کی ان مؤخر الذکر لٹیروں سے حفاظت کے لیئے اس نے ایک بڑی مٹی کی دیوار بنائی جو انگلستان اور ویلز کی ساری سرحد کے اوپر پھیلی ہوئی تھی۔ فلنٹ شائر کے شمالی ساحل سے لیکر جو سمندر کی اس شاخ پر ہے جو ڈی کے نام سے مشہور ہے۔ ڈین بگ منٹگمری سلوپ۔ رد نور۔ ہیرفورڈ میں سے ہوتی ہوئی گلوسٹر شائر تک یہ پہنچتی تھی۔ جہاں اس کا آخری جنوبی حصہ دریائے وائی کے دہانے کے قریب ہے۔ اس عظیم الشان دیوار کے بعض حصص ابتک خاصے بلند نظر آتے ہیں۔ گو اس کا بڑا حصہ زمانہ اور باد و باران اور انسانی ہاتھوں کی غارتگریوں سے نیست و نابود ہوچکا ہے۔ اس کام کی تکمیل پر بے انداز محنت خرچ ہوئی ہوگی۔ قریباً اس کے متوازی مگر کوئی دو میل مشرق کی طرف ہٹ کر ایک اور چھوٹی دیوار ہے۔ جس کا نام واٹس ڈائک ہے۔ یہ بھی آفا نے ہی بنائی اور ۷۸۵ء میں اس کی تکمیل کی یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان دونوں بندوں کی درمیانی جگہ تجارتی اغراض کے لیئے غیر جانب دار قطعہ زمین کا کام دیتی ہوگی +

آفا کے تعلقات رومن کیتھولک مرکز کے ساتھ دوستانہ تھے۔ پوپ کے دو وکیل جو مرسیا میں آئے ۷۸۶ء میں بادشاہ نے ان کو ایک دربار میں شرف باریابی دیا۔ ان دو وکیلوں نے جو رپورٹ شاہ آفا کے متعلق پوپ ایڈرین اوّل کو بھیجی۔ اس میں شاہ آفا کی طرف سے غربا کے لیئے کچھ رقم بطور سخاوت اور گرجا کی روشنی کے انتظام کے لیئے دیئے جانے کا ذکر بھی ہے +

مرسیا کی سلطنت کی سکہ سازی انگلستان کی ان سات بادشاہتوں میں سب سے بڑی معلوم ہوتی ہے۔ سب سے پہلے مرسیا کے سکے عموماً چاندی کے پائے جاتے ہیں۔ جن کا وزن عموماً آٹھ سے لیکر بیس گرین تک ہے۔ ان ابتدائی مرسیا کے سکوں پر پنیڈا اور اتھلرڈ کے نام ہیں۔ ان میں سے

اوّل الذکر سکے بالکل رومن طرز کے ہیں۔ لیکن موخر الذکر سکوں میں رومن طرز کے علاوہ کچھ دیسی نقشہ بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعد کے بنے ہوئے ہیں۔ پنیڈا کے سکوں پر جو حروف کندہ ہیں وہ رومن اور رُونک حروف ہیں۔ مگر اتھلرڈ کے سکوں میں صرف رونک حروف ہیں جو بت پرست شمالی لوگوں کی الف با ہے۔ بادشاہ کا نام ہر حالت میں سکے کے دُوسری طرف ہے اتھلرڈ کی وفات سے لیکر جو ۷۵۷ء میں ہوئی۔ آفا کی حکومت تک جو ۷۵۷ء میں شروع ہوئی نصف صدی سے کچھ زیادہ کا عرصہ ایسا ہے کہ اس کے اندر مرسیا کے سکوں کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

آفا نے کوئی قدیم طرز کے سکے مضروب نہیں کیئے۔ اور اس کے سکے زیادہ تر پینی یعنے اکنی کی قیمت کے ہیں۔ یہ چاندی کے سکے ہیں۔ اور اٹھارہ سے لے کر بیس گرین تک ان کا وزن ہوتا تھا۔ یہ یقین کیا جاتا ہے کہ آفا پہلا بادشاہ تھا۔ جس نے پینی کو انگلستان میں رواج دیا۔ سکے کی یہ طرز۔ مگر اس کا نقشہ نہیں۔ شارل مین کے دینیر سے لیا گیا تھا۔ آفا کے ان سکوں میں جو پینی کے قسم کے ہیں۔ نقشے میں اور بناوٹ میں ایسا کاریگری کا کمال پایا جاتا ہے۔ کہ اس بارہ میں اُس سے پیچھے آنے والے بادشاہوں کے سکے بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ نہ صرف سکوں کی طرزیں ہی تعداد میں زیادہ ہیں۔ بلکہ اُن میں نقشوں کا بھی بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ موٹے طور پر دو حصّوں پر تقسیم کیئے جا سکتے ہیں۔ ایک وہ جن میں بادشاہ کے اوپر کے دھڑ کی تصویر ہے اور دُوسرے وُہ جن میں وہ تصویر نہیں۔ یہ تصویر جن سکوں پر موجود ہے اپنے اندر اصلیت کا رنگ رکھتی ہے۔ اور بلا شبہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں صحیح تصویر اوتارنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سکوں کے دوسری طرف جو نقشے ہیں ان میں زیبائیشی نقوش اعلےٰ درجہ کے پائے جاتے ہیں۔ اور زیادہ تر عجیب طرز کی بنی ہوئی صلیبوں یا پھولوں کے نمونے ہیں دھڑ کے اوپر کے حصّے کی بنی ہوئی تصویریں اچھی بنی ہوئی ہیں۔ اور سر کی تصویر گویا ایک زندہ انسان دکھاتی ہے۔ بال عموماً سنوارے ہوئے اور ان میں شکن ڈالے ہوئے ہیں۔ مگر بعض تصویریں بے ترتیبی کی حالت میں بھی ہیں۔ سکوں پر جو عبارت کندہ ہے وہ رومن عبارت میں ہے۔ مگر کہیں پرانے رونک حروف کا بھی اثر موجود ہے۔ ٹکسالوں کے ناموں کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔

لیکن ہم کہہ سکتے ہیں کہ سب سے بڑا مرسیا کا ٹکسال لندن میں ہوگا۔ مگر خود ان سکوں سے یہ

ثابت ہوتا ہے کہ ۷۹۶ء میں شاہ کینٹ اور اس کی افواج کو جو شکست اٹفورڈ کے مقام پر ہوئی اور جب کینٹ مرسیا کا باجگذار ہوگیا تو آفا کینٹربری کے ٹکسال کو استعمال کرتا رہا +

آفا کا سونے کا وہ عجیب و غریب سکہ جس پر عربی حروف کندہ ہیں۔ سکوں کے طالبعلموں کے درمیان بہت زیر بحث رہا ہے اور یہ عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ دنیا کے عجیب سے عجیب چیزوں میں سے یہ ایک چیز ہے۔ بہت سے رسالے اور مضامین اس سکہ اور اس کی اصلیت پر لکھے گئے ہیں۔ اور اس کے متعلق مختلف قسم کے خیالات لوگوں میں پائے جاتے رہے ہیں ۲۵ نومبر ۱۸۴۱ء میں پیرس کے رہنے والے ایڈرین ڈی لانگ پریئر نے ایک مضمون اس سکہ پر لنڈن نیمس میٹک سوسائٹی کے سامنے پڑھا۔ اسی سوسائٹی کے سامنے مسٹر جے۔ وائی۔ ایکرمن نے ایک مضمون ۲۴ مارچ ۱۸۴۲ء کو پڑھا جس میں اس سکہ کے مضروب ہونے پر بحث کی گئی ہے مسٹر ہربرٹ اے گروبر نے ۱۸۹۹ء میں برطانیہ کلاں اور آئرلینڈ کے برٹش میوزیم کے سکوں پر ایک رسالہ میں اس سکے کا بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن کینین ۱۸۸۴ء میں کتاب گولڈ کوئنس آف انگلینڈ میں صفحہ ۱۱ و ۱۲ میں اس سکہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور اس کتاب کی ابتداء میں اسکی تصویر بھی دی ہے۔

اسی سکہ پر برٹش نیومس میٹک سوسائٹی کے پریزیڈنٹ کارلین برٹن نے ایک مفصل اور نہایت دلچسپ مضمون لکھا تھا۔ اور حال میں ہی یعنے ۱۹۱۴ء میں ایک اعلےٰ درجہ کا مضمون مسٹر جے۔ ایلن ایم۔ اے نے لکھا ہے +

ان مختلف اصحاب نے جو کچھ بحث اس سکہ پر کی ہے اور جس مختلف نتائج پر وہ پہنچے ہیں۔ اور ایسا ہی بعض اور لوگوں نے جن کے نام ایسے مشہور نہیں جو کچھ اس سکہ کے متعلق لکھا ہے ان سب تحقیقاتوں کا نتیجہ ذیل کے چار عنوانوں کے ماتحت آتا ہے۔ یعنی ان میں سے ایک نہ ایک رائے کی تائید ان مختلف مضمون نویسوں نے کی ہے۔

اوّل۔ کہ شاہ آفا مسلمان ہوگیا تھا۔ اور اس نے اپنے اسلام کا اعلان سکوں پر کلمۂ توحید کا اقرار کر کے کیا +

دوئم۔ کہ آفا کو ان عربی الفاظ یعنی لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ محمد رسول اللہ

ارسلہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ کے معنے معلوم نہ تھے اور نہ اس کو پتہ تھا۔ کہ ان الفاظ کا مفہوم کیا ہے۔ اور اُن کو صرف بیل بوٹے خیال کر کے اُس نے سکہ پر یہ نقش منقش کرا دیئے اور الفاظ آفا ریکس یعنی شاہ آفا اپنے نام کے اظہار کے لیئے بڑھا دیئے۔

سوئم۔ کچونکہ بہت سے بیت المقدس کے زائرین ان ایام میں انگلستان سے بیت المقدس کو جایا کرتے تھے۔ اور چونکہ بیت المقدس اس وقت مسلمانوں کے زیر حکومت تھا اس لیئے شاہ آفا نے یہ سکے۔ اس غرض کے لیئے مضروب کئے ہونگے۔ کہ وہاں آسانی سے قبول کیئے جا سکیں۔ اور ان کے چلنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اور تجارتی وغیرہ اغراض میں بھی یہ کام دے سکیں +

چہارم۔ کہ اس سکہ کی غرض اس کو عام طور پر رواج دینا نہ تھا۔ بلکہ چونکہ آفا نے پوپ کو ۳۶۵ سونے کی مہریں سالانہ دینی کی تھیں۔ اس لیئے یہ سکہ صرف اسی خاص غرض کے لیئے مضروب ہوا تھا +

ایڈیٹر اشاعت اسلام۔ شاہ آفا کا سکہ واقعی دنیا کی عجیب چیزوں میں سے ایک ہے۔ اس کے متعلق جن چار نتائج پر عیسائی محقق پہنچے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شاہ آفا درحقیقت مسلمان ہو گیا تھا اور اسلام کے اعلان کے لیئے ہی انھوں نے یہ سکہ اس طرز پر مضروب کرایا۔ اور اس پر کلمۂ شہادت اور آیات قرآنی کندہ کرائیں۔ قبل اس کے کہ میں ان اعتراضات پر غور کروں جو اس نتیجہ کو ماننے سے لازم آتے ہیں باقی تین نتائج کے متعلق چند الفاظ لکھنے کی ضرورت سمجھتا ہوں۔ نتیجہ نمبر ۲ کا موید ایڈرین دی لانگ پریئر ساکن پیرس ہے۔ اور اس امر کی تائید میں اس نے پانچ اور سکے جو مختلف عیسائی ممالک میں مضروب ہوئے۔ پیش کیئے ہیں۔ مگر یہ پانچ سکے ہرگز اس نتیجہ کی تائید نہیں کرتے۔ سب سے اول یہ امر غور طلب ہے کہ اگر عربی زبان کوئی مردہ زبان ہوتی جس کا نہ بولنے والا کوئی دنیا پر ہوتا اور نہ ہی اس کا لٹریچر پھیلا ہوا ہوتا تو یہ بات ممکن تھی کہ عربی کے حروف کا ایک بادشاہ اور اُس کے تمام عملے کو پتہ نہ لگتا اور یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ یہ کسی زبان کے حروف ہیں یا محض بیل بوٹے ہیں۔ مگر اس زمانہ میں جس کا یہ سکہ ہے۔ اسلامی حکومت اپنے پورے عروج پر تھی۔ اور چونکہ بیت المقدس کو زائرین

کثرت کے ساتھ بیت المقدس میں آتے جاتے تھے۔ اس لیئے ان کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات بھی تھے۔ عربی زبان نہ صرف عرب کی ہی زبان تھی۔ بلکہ جہاں جہاں مسلمانوں کی حکومت پہنچی وہاں عربی زبان بہت جگہ تو عام آبادی کی زبان بن گئی تھی۔ اور بعض جگہ سارے دفاتر تو نین وغیرہ کے عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے وہاں کی علمی زبان عربی ہی بن چکی تھی۔ اس لیئے یہ خیال کرنا کہ ۱۷۵ھ ہجری میں یعنی اسلامی حکومت کو قائم ہوئے ڈیڑھ سو سال پیچھے انگلستان کا ایک بادشاہ اور اس کے سارے وزرا علماء و فضلا اور اس کی سلطنت کے اراکین جن میں سے بہتیرے ہر سال بیت المقدس میں جاتے اور مسلمانوں سے میل ملاقات کرتے تھے۔ عربی زبان سے ایسے ناواقف تھے کہ وہ اس قدر بھی نہ پہچان سکتے تھے کہ یہ عربی کے حروف ہیں یا کوئی بیل بوٹہ اور بے معنی نقش ہیں۔ ایک ایسی بات ہے جس کو ایک لحہ کے لیئے بھی کوئی عقلمند انسان تسلیم نہیں کر سکتا۔ پس یہ نتیجہ بالکل بعید از قیاس ہے۔ اور ان مثالوں سے جو مسٹر لانگ پریئر نے دی ہیں اس نتیجہ کی کوئی تائید نہیں ہوتی۔ پہلی مثال یہ ہے کہ کیسٹائل کے عیسائی بادشاہ الفانسز وہشتم نے ایک سکہ مضروب کیا تھا جس پر کچھ عربی عبارت تھی۔ مگر وہ عربی عبارت صاف طور پر عیسائی مذہب کی موید ہے۔ چنانچہ ایک طرف کی عبارت خود اس مضمون نویس نے حسب ذیل بتائی ہے :۔ الامام البعة المسیحیة الباب الف باسم الاب والدین والروح القدس الله وحده وغیرہ۔ یعنی عیسائی کلیسیا کا امام پوپ الف۔ باپ اور بیٹے اور روح القدس خدائے واحد کے نام سے۔ اور دوسری طرف کی عربی عبارت کا ترجمہ حسب ذیل ہے "کیتھولکوں کا امیر الفانسز و ابن سانچو۔ اللہ اس کی مدد اور حفاظت کرے"۔ اب اس سکہ کو جس پر عیسائی مذہب کا صاف اقرار موجود ہے۔ اس شہادت میں پیش کرنا کہ اس زمانہ میں بغیر معنے جاننے کے عیسائی بادشاہ عربی عبارت کو بے معنی نقش سمجھ کر نقل کر دیا کرتے تھے کس قدر بودہ پن ہے۔ کیا اس کو کوئی شخص دلیل کہہ سکتا ہے۔ اس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ عربی عبارت عیسائی بادشاہ نے اپنے حسب منشا کندہ کرائے۔ باقی مثالیں جو فاضل مضمون نویس نے دی ہیں وہ بھی اسی قسم کی ہیں۔ یعنی محض عربی عبارت کا سکوں پر ہونا بطور ایک دلیل کے پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ سوال عربی حروف اور عبارت کا نہیں بلکہ یہ ہے کہ اسکا مفہوم کیا ہو

اگر باقی سکوں میں عربی عبارتوں کا مفہوم عیسائیت کی تائید میں ہے تو اس سے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے
کہ وہ لوگ جنھوں نے ایسے سکہ مضروب کیئے وہ معنے سمجھتے تھے۔ اور اپنے حسب منشاء انھوں
نے عربی عبارتیں سکوں پر منقش کرائیں۔ ان بقیہ چار سکوں میں سے دو تو وہ ہیں جو صلیبی جنگوں
میں بمقام سینٹ جین دی ایکڑ مضروب کئے گئے اور ان کی غرض ہی۔ عربی بولنے والے ممالک
میں ان سکوں کا چلانا تھا۔ تیسرا سکہ بھی صلیبی جنگوں کے تعلق میں ہی مضروب ہوا۔ چوتھا ہسپانیہ
میں ہشام ثانی کے وقت کے قریب مضروب ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ ہسپانیہ اسوقت مسلمانوں کی
حکومت کے ماتحت تھا۔ اس لیئے اگر کسی قریب کی سلطنت مسلمانوں کے زیر اثر ہو کر نقل کے طور
پر کوئی سکہ مضروب کر دیا ہو تو اس کو شاہ آفا کے سکہ سے کوئی نسبت نہیں ہے +

تیسری رائے یہ ہے کہ شاہِ آفا نے ان لوگوں کے لیئے یہ سکہ مضروب کرایا ہو جو بیت المقدس
کی زیارت کے لیئے انگلستان سے جاتے ہوں یہ بھی بعید از قیاس ہے۔ اور نہ اس کی کوئی مثال
تاریخ میں ملتی ہے۔ اگر یہ رسم عیسائی ممالک میں ہوتی تو عام رسم ہونی چاہیئے تھی۔ اور جب دوسرے
ممالک کے لوگوں کو ایسی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی تو شاہ آفا کی سلطنت کے جو چند آدمی
جاتے ہونگے اُن کے لیئے ایسی کیا ضرورت پیش آئی تھی +

چوتھی رائے بھی قابل قبول نہیں۔ پوپ کو بھیجنے کے لیئے خاص سکہ بنوانا ایک بے معنی بات
ہے۔ انگلستان کے اور سارے یورپ کے بادشاہ پوپ کو روپیہ بھیجتے تھے۔ شاہ آفا کو کیا ضرورت
پیش آئی تھی۔ کہ صرف ۳۶۵ سالانہ مہروں کے لیئے ایک خاص سکہ مضروب کراتا۔ اور پھر سالہا
سال تک بھی سکہ برابر پوپ کے خزانے میں رہے۔ مگر وہاں کسی کو یہ بھی پتہ نہ لگے کہ اس سکہ پر
کیا لکھا ہوا ہے۔ مانا کہ اس زمانہ میں عیسائی بہت جاہل تھے۔ مگر اس کے لیئے تو ایسے علم کی
ضرورت نہ تھی۔ پھر بالخصوص یہ عجیب بات ہے کہ نہ سارے انگلستان میں کسی شخص کو معلوم ہوا
کہ اس سکہ پر کیا لکھا ہوا ہے۔ اور نہ ہی اٹلی کے ملک میں جس کے تعلقات مشرقی ممالک کے ساتھ
بہت بڑھے ہوئے تھے۔ اور رات دن کی لوگوں کی آمد و رفت تھی۔ اور اسلامی بادشاہوں
کے ساتھ خط و کتابت بھی ہوگی۔ بلکہ یہ تو ممکن ہے کہ انگلستان جیسے دور پڑے ہوئے ملک میں
عام طور پر لوگوں کو یہ پتہ نہ ہو کہ عربی عبارت کیا ہے۔ اور اسکا مفہوم کیا۔ مگر اٹلی والوں کا اسکے

معنے سے بے خبر ہونا کسی طرح قابل تسلیم نہیں اور یہ ناممکن ہے کہ باوجود علم ہونے کے پوپ ایک ایسے سکہ کو قبول کر تا جائے جس پر نہ صرف محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی صداقت کا اقرار ہی موجود ہے۔ بلکہ ساتھ ہی یہ عظیم الشان پیشگوئی بھی موجود ہے۔ کہ اسلام آخر کار کل مذاہب پر غالب ہوگا اور سب مذاہب کو کھا جائے گا۔ عیسائیت سے اُس زمانہ میں اسلام سے بڑھ کر کسی کو اپنا دشمن نہ سمجھے۔ اور عیسائیت کے ہی مرکز میں مسیح کی گدی پر بیٹھنے والے کے گھر میں یہ سکہ سالہا سال پہنچتا رہے جس کا مطلب یہ ہو کہ آخر عیسائیت پر اسلام غالب آئے گا +

غرض مذکورہ بالا چار راؤں میں سے تین مؤخر الذکر رائیں کسی طرح قابل قبول نہیں۔ اب ہم سب سے پہلی رائے کو لیتے ہیں۔ کہ شاہ آفا مسلمان ہوگیا ہو۔ اور اپنے اسلام کا اعلان بذریعہ اس سکہ کے کیا ہو۔ میں اس میں بھی کسی قدر ترمیم کروں گا۔ سارے واقعات پر غور کر کے یہ بات بہت قرین انقیاس ہے کہ شاہ آفا کو اسلام کی تبلیغ کسی نہ کسی طرح پر پہنچی۔ اور وہ اسلام کی صداقت پر اور اس کے منجانب اللہ ہونے پر یقین لایا۔ اور اسی صداقت کا اعلان اُسنے بذریعہ اس سکہ کے کیا۔ گو کھلے طور پر عیسائیت کو ترک کرنیکا اعلان اس نے نہ کیا ہو۔ اور نہ ہی ان حالات کے اندر یہ ممکن ہو کہ وہ عیسائیت کے عقیدہ سے کھلی بیزاری کا اظہار کر کے پھر اس ملک کا بادشاہ بھی رہ سکے۔ بلکہ اس کی جان بھی ایسی صورت میں نہ بچ سکتی تھی۔ تاہم اس نے اپنے اندرونی خیالات کے صحیح نقشہ سے اور اسلام کی صداقت کا جو جذبہ اس کے دل میں موجزن تھا۔ اس سے دُنیا کو اور بالخصوص آنے والی نسلوں کو بیخبر رکھنا نہیں چاہا۔ اور اس سکہ کے ذریعہ سے اپنے حقیقی مذہب کو وہ دُنیا پر ظاہر کرے گا۔

اسی سے کسی قدر ملتا جلتا ہمارے ہی ملک کا ایک واقعہ ہے جس کا ذکر کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں اور وہ واقعہ اسی ملک ہند کے ایک مشہور اور مسلم بزرگ کی نسبت ہے۔ باوا نانک صاحب جو سکھ مذہب کے بانی تھے ان کے اصل عقیدہ کے متعلق کہ آیا وہ ہندوؤں کا عقیدہ رکھتے تھے یا مسلمانوں کا یا ان دونوں کے بین بین ان کا کوئی اور عقیدہ تھا۔ ہمیشہ اختلاف رہا ہے۔ یہاں تک کہ اُن کی وفات کے وقت بھی یہ جھگڑا اٹھا۔ اور مسلمانوں کا یہ مطالبہ تھا۔ کہ وہ مسلمان ہیں۔ ان کی لاش اسلامی طرز پر دفن کی جائے۔ اور ہندو اسے ہندوؤں کے طریق پر جلانا

چاہتے تھے۔ سکھ مذہب کی کتابوں کے اندر جس قدر اقوال باوانانک صاحب کے پائے جاتے ہیں یا جس قدر واقعات ان کے متعلق پائے جاتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان میں سے بعض اقوال اور واقعات کو ایسا رنگ دیا گیا ہے کہ وہ اُس کے مسلمان ہونے کے منافی معلوم ہوتے ہیں لیکن ایک ہی بات فیصلہ کر دیتی ہے۔ کہ ایسے اقوال اور واقعات کے مقابل کیوں وہ واقعات اور اقوال زیادہ قابل اعتبار ہیں۔ جن سے اسلام کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔ وہ بات یہ ہے کہ سکھ مذہب کو بانی مذہب کی وفات کے بعد ایسے ملکی واقعات پیش آئے کہ روز بروز اسلام سے اس کا تنفر اور ہندو مذہب کی طرف میلان بڑھتا گیا۔ اور اس لیئے جو کچھ باوانانک صاحب کا اصلی مذہب تھا وہ بھی اسی اثر کے نیچے آکر اصلیت کو چھوڑ گیا۔ اور ایسے اقوال اور واقعات اس میں داخل ہو گئے جو ان بعد کے تاثرات کا نتیجہ تھے۔ اگر سکھ مذہب کے بعد کی تاریخ ایسے لوگوں سے اثر قبول نہ کرتی جن کو مذہب اسلام کے ساتھ بغض تھا تو یہ اقوال اور واقعات اس تاریخ میں داخل نہ ہو سکتے۔ پس خود یہ بات کہ سکھ مذہب کو بعض ملکی وجوہ سے اسلام کے ساتھ بغض پیدا ہو گیا۔ اِس بات پر شاہد ہے۔ کہ وہ اقوال اور واقعات جن سے اسلامی تعلیم کے خلاف کوئی امر مترشح ہوتا ہے اسی بغض کا نتیجہ ہیں اور بالمقابل ایسے صریح اور کھلے کھلے اقوال اور تاریخی واقعات جو باوانانک صاحب کی صداقت اسلامی کے شیدا ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں چھوڑتے۔ ان کا اس وقت تک سکھ مذہب کی کتابوں میں باقی رہنا باوا صاحب کے اصل مذہب کا پتہ بتاتا ہے۔ کیونکہ جہاں اسلام کے خلاف بعض باتوں کا سکھ مذہب کی تعلیم میں راہ پا جانا بالکل قرین قیاس ہے اِسلام کی تائید میں بعد میں کسی بات کے داخل ہونے کی کوئی صورت نہ تھی +

مگر اصل بات جس کی طرف میں یہاں توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ باوانانک صاحب کی قولی نہیں بلکہ فعلی شہادت ہے۔ جو ان کے مذہب کا ٹھیک پتہ بتاتی ہے۔ باوانانک صاحب ایک مذہبی بزرگ تھے۔ اور انھوں نے اپنی یادگار اپنے پہننے کا ایک چولہ چھوڑا ہے۔ جو اس وقت ڈیرہ بابا نانک ضلع گورداسپور میں کئی سو غلافوں کے نیچے محفوظ ہے۔ اور جس میں اس قدر زمانہ میں کسی قسم کا تغیر تبدل وقوع میں نہیں آیا۔ کیونکہ اس کے اوپر کے غلافوں نے باوا صاحب کے

پیروؤں کو بھی اس کی اصل حقیقت سے بے خبر رکھا۔ اس چولہ کے متعلق جو کچھ ذکر باوا صاحب کی جنم ساکھیوں میں ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس پر کچھ تحریر بھی ہے۔ مگر وہ تحریر کیا ہے۔ یہ کسی کو معلوم نہ تھا۔ ہاں مضمون کے رنگ میں یہ بات جنم ساکھیوں میں لکھی گئی۔ کہ وہ مختلف زبانوں کے حروف میں کوئی تحریر ہے۔ اور یہ خیال کیا گیا۔ کہ جیسے باوا صاحب کا مذہب عوام کے خیال میں ہندو مذہب اور اسلام کے بین بین تھا۔ اسی طرح یہ چولہ کی تحریر بھی مختلف مذاہب کی تعلیم کا کچھ کچھ حصّہ ہے۔ مگر حال میں جو اس چولہ کی اصل تحریر کو دیکھا گیا (جس کے متعلق پورے واقعات اور چولہ کا نقشہ مع اصل تحریر کے ایک کتاب ست بچن نام میں محفوظ کئے گئے ہیں۔) تو معلوم ہوا کہ اس چولہ پر بہت کچھ لکھا ہوا ہے۔ مگر وہ سب کا سب ایک ہی زبان یعنی عربی زبان میں ہے اور سوائے مذہب اسلام کے کسی مذہب کی تعلیم کا اس پر نشان نہیں پایا جاتا۔ کہیں کلمۂ شہادت ہے کہیں آیۃ الکرسی ہے۔ کہیں اسمائے الٰہی ہیں۔ کہیں دیگر آیات قرآنی ہیں اب اس فعلی شہادت نے یہ ثابت کردیا۔ کہ باوا نانک صاحب کا اصلی مذہب وہی ہے۔ جو چولہ پہ ہے۔

جس قسم کی شہادت ایک مذہبی بزرگ کے متبرک لباس سے ملتی ہے اسی قسم کی فعلی شہادت اپنے اندرونی خیالات کے اظہار کے لئے شاہ آفا نے اس سکہ پر چھوڑی ہے اور واقعی بادشاہ کے متعلق شہادت سکہ ہی سب سے بڑھ کر ادا کر سکتا تھا۔ اس کی تائید میں اگر اور شہادتیں نہ ملیں یا وہ محو کردی گئی ہوں۔ تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ ایک عیسائی ملک میں صداقت اسلامی کی شہادت کا محفوظ رہنا قریبًا قریبًا محال تھا۔ ورنہ ممکن ہے کہ شاہ آفا نے اور کچھ شہادت بھی اپنے اسلامی عقیدہ کی چھوڑی ہو۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں۔ کہ شاہِ آفا کا علانیہ اقرار اسلام اور ترک مسیحیت ایک سخت مشکل کام تھا۔ مگر اس کے دل میں کیا خیالات موجزن تھے۔ اس سکہ نے بتادیا اور یہ بھی اللہ تعالےٰ کی حکمت ہے۔ کہ ایک طرف باوا صاحب کے چولہ کو اسلام کی صداقت کی شہادت ادا کرنے کو محفوظ رکھا اور دوسری طرف شاہ آفا کے سکہ کی یادگار کو بھی دُنیا سے نہیں مٹایا۔ گو کل دُنیا میں یہ سکہ اب ایک ہی باقی رہ گیا ہے۔ جو کہ برٹش میوزیم میں ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ کسی اسلامی بادشاہ کے دینار کی یہ نقل ہو۔ مگر اس

اسلامی بادشاہ کے نام کی بجائے آفا کے اپنا نام دینا اور کلمۂ شہادت اور رسالت نبوی کے اقرار کو باقی رکھنا یہ صاف بتاتا ہے۔ کہ شاہ آفا نے ارادتاً ایسا کیا۔ اور پھر اس سکہ پر اس آیت کا موجود ہونا جو سارے ادیان پر آخر اسلام کے غلبہ کا اظہار کرتی ہے۔ شائید اپنے اندر ایک پیشگوئی بھی رکھتا ہو اور کیا عجب ہے کہ اسلام کی صداقت کا سارے یورپ میں سے پہلے انگریزی قوم میں ہی اب آخر مانا جانا اس پیش گوئی کو پورا کرنے والا ہو۔ یورپ کے مختلف ممالک کے تعلقات کسی نہ کسی رنگ میں مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔ مگر جو تحریک قبولیت اسلام کی انگریزی قوم میں شروع ہوئی ہے۔ وہ ابھی تک یورپ کی کسی دوسری قوم میں شروع نہیں ہوئی
پس یہ سکہ بہرحال اپنے اندر ایک شہادت رکھتا ہے۔ کہ نہایت قدیم زمانہ میں بھی ایک انگریز بادشاہ کے دل پر اسلام کی صداقت کا اثر ہوا۔ اور وہ اثر اس قدر قوی تھا۔ کہ اُس نے نہیں چاہا کہ اس کے خیالات اس کے ساتھ ہی مرجائیں۔ بلکہ ایک سکہ کے رنگ میں اپنے عقیدہ کو چھوڑ کر اُس نے اپنی قوم کے سامنے شہادت حقہ ادا کردی۔ ہاں یہ کہا جائے گا۔ کہ ان سکوں پر صلیب کی شکل بھی ہے۔ مگر وہ درحقیقت صلیب نہیں۔ بلکہ جیسا کہ اس فن کے ماہرین نے اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ سکے کو چار حصوں میں اس غرض کے لیئے تقسیم کیا ہے کہ تا بوقت ضرورت اس کا نصف اور چوتھائی بھی کام دے سکے۔ ابتدائی زمانے میں سکوں کی بہتات نہ تھی۔ اور وہ اس قدر پتلے ہوتے تھے۔ کہ آسانی سے جہاں نشان ہو وہاں سے توڑے جا سکتے تھے۔ باقی رہی یہ بات کہ شاہِ آفا پوپ کو ۳۶۵ مہریں سالانہ دیا کرتا تھا۔ یہ بھی اُسکے دل سے مسلمان ہونے کے منافی نہیں۔ کیونکہ جیسا کہ اس مراسلہ سے صاف پایا جاتا ہے۔ جس میں یہ رقم دیا جانے کا ذکر ہے۔ یہ مہریں محض صدقات کے طور پر دیجاتی تھیں۔ اور اسلام صدقات کا [illegible] کسی خاص مذہب تک محدود نہیں کرتا۔ بلکہ اس کی فیاضی عام ہے۔ اور کلیسیا میں روشنی پر اس روپے کا خرچ ہونا بھی کسی طرح شاہِ آفا کے اسلامی عقیدہ کی منافی نہیں ہے۔ ممکن ہے آئیندہ زمانہ میں کوئی مزید شہادت اسی کی موید پیدا ہو جائے۔

انبیائے بنی اسرائیل پر آنحضرتؐ کی فضیلت

تلک الرسل فضلنا بعضھم علٰے بعض۔

اس آیت میں درحقیقت اشارہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سب رسولوں پر فضیلت کی طرف ہے اس ذکر سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر کیا اور آگے حضرت عیسےٰؑ کا ذکر ہے۔ اور یہ دونوں رسول بنی اسرائیلی سلسلہ میں ایک نمایاں امتیاز رکھتے ہیں یعنی حضرت داؤد علیہ السلام اس سلسلہ کی ظاہری شان و شوکت کے لحاظ سے کہ اس شان و شوکت کا اظہار آپ ہی کے ذریعہ سے ہوا جب بنی اسرائیل ایک عظیم الشان سلطنت کے مالک بنگئے۔ اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام اسکی رُوحانی شوکت کے لحاظ سے۔ کیونکہ موسوی سلسلہ اپنے رُوحانی کمال کو آپکے ذریعہ سے ہی پہنچا۔ اور وہ اخلاقی اور روحانی تعلیم جو حضرت مسیح کے ذریعہ سے بنی اسرائیل کو دیگئی وُہ سب انبیائے سابق کی تعلیم پر فوقیت لیگئی + اس طرح پر جہاں ان دونوں رسولوں کی فضیلت کیطرف اشارہ ہے اس سے بھی لطیف تر اشارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی طرف ہے۔ جو اصل مقصود ہے کیونکہ بنی اسرائیل کے یہ دو عظیم الشان نبی جنھوں نے موسوی سلسلہ کو ظاہری اور روحانی ہر دو پہلوؤں میں کمال تک پہنچایا انہی دونوں نے سب سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے گیت پیشین گوئی کے رنگ میں گائے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت داؤدؑ کے کلام میں اور حضرت مسیحؑ کے کلام میں آپکی آمد کو خود خدا کی آمد کہا گیا ہے۔ گویا باوجود اپنی کمالات ظاہری و باطنی کے اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات ظاہری و باطنی کو ایسے بلند مرتبہ پر پایا کہ آپ کی ہر دو شانوں میں اُنکو خدا کی شان نظر آئی۔ اور اس طرح پر اس آیت کے اندر ایک لطیف اشارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی طرف ہے۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات آپ کی اس فضیلت پر شاہد ہیں اور خود قرآن کریم کو جو فضیلت دیگر کتب پر حاصل ہے۔ کہ وہ سب صداقتیں کامل طور پر اس کے اندر جمع کر دیگئی ہیں جو متفرق طور پر پہلی کتابوں میں تھیں۔ بلکہ ایسی تمام صداقتیں جنکی ضرورت قیامت تک ہوگی وہ بھی فضیلت درحقیقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیگر انبیاء پر ہے۔ آپ کا کافۃ للناس مبعوث ہونا۔ آپ کا رحمۃ للعالمین کا خطاب پانا۔ آپ کی اُمت کا خیر امۃ اخرجت للناس قرار دئیے جانا۔ یہ سب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی فضیلت پر شاہد ہیں +

اُجرت اشتہارات

رسالہ اشاعت اسلام کا دائرہ اشاعت ایک سال کے قلیل عرصہ کے اندر محض اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے دو ہزار سے متجاوز کر گیا ہے۔ ہمیں امید واثق ہے کہ بڑی عجلت سے اس کا دائرہ اشاعت دس ہزار ہو جاوے گا۔ مشتہرین کے لیئے اپنے اشتہار درج کرانے کا اس سے بڑھ کر نادر موقع اور کوئی نہیں ہو سکتا +

مینیجر رسالہ

انداز صفحہ	ایک بار	سہ ماہی	ششماہی	سالانہ
چوتھائی	؏ر	عگر	۸ للعہ	۸ عہ
نصف	عگر	صر	لعہ	۱۵ عہ
پورا	للعہ	۱۰ عہ	۱۸ عہ	۳۰ عہ

نوٹ :- باقی امورات خط وکتابت سے طے ہو سکتے ہیں +

ب

پیام امید

ترقی کی منزل میں ہمارے قافلہ کی بانگ جرس۔ نہیں نہیں مردوں کو زندہ جاوید بنانے والی صور سرافیل کی بازگشت۔ درد لا دوا کی دوا مایوسانِ حیات کا آبِ بقا۔اور مردہ دِلوں کا مسیحا۔ ہماری قومی زندہ دلی کی جان۔ اور ترقی کی روحِ رواں۔ قومی اور مُلکی اتحاد کا بانی۔ لکھنوی زبان اور اعلےٰ لٹریچر میں لاثانی۔یعنی ماہوار علمی ادبی اخلاقی تمدنی رسالہ جو بڑی خوبی اور خوش اسلوبی بڑی آن بان اورآب و تاب سے شہرت کی ہواؤں پر بلند ہوتا ہؤا ترقی کے شہپروں کی جنبش سے ایک سریلا نغمہ سناتا ہؤا" اُٹھو اُٹھو اور آگے بڑھو" کے ترنم خیز زمزمہ سے سونے چاندی کے پھُول برساتا ہؤا نکل رہا ہے۔ اور جس کا مخاطب ہمارے ملک کا تعلیم یافتہ اور روشن خیال طبقہ ہے۔کیا آپ ہی نے آج تک اُس کی جھلک نہیں دیکھی! اگر آپ چاہتے ہیں۔کہ ہماری قوم ایک زندہ قوم بن کر ترقی کی معراج حاصل کرے تو امید کا پیام سُنئے۔اور اس کی صدا ہر کان میں پُہنچانے کی راہ تلاش کیجئے +

نمونہ کا پرچہ مُفت ملتا ہے۔ دفتر "پیام امید" ایٹہ یوپی سے آج ہی منگائیے۔ دیکھئے دیر نہ کیجئے۔"گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں"

قیمت سالانہ تین روپے (سے) ششماہی ڈیڑھ روپیہ (عہ) معہ محصولڈاک

المشتہر

ہاتفِ غیب کا پرائیویٹ سکریٹری

ایک سلائی سے اندھی آنکھ روشن کرنیوالا جواہر نورالعین

ہیں وہ ہے ماشہ والا خالص ممیرہ بھی جواہر نورالعین کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور ممیرہ اور دیگر اقسام کے سرمے کی تو اس کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں۔ کیونکہ اسکی ایک ہی سلائی سے ۵ منٹ میں دھندھ دور نظر وکنی شبکوری یعنی رتوندھی کا رنج۔ اور ایک ہفتہ میں دو سالہ پرانے ککرے۔ ناخنہ۔ پڑبال۔ پھولہ۔ موتیا بند ضعف بصارت اور ہر قسم کا اندھاپن معدوم ہوکر نظر بحال ہو جاتی ہے اور آنکھ بنوانے اور عینک لگانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ قیمت فی ماشہ درجہ خاص عنہ درجہ اعلیٰ للعہ درجہ اول عگار

بے شمار اسنادات میں سے صرف چند کی مختصر نقل اُنکے اصلی الفاظ میں

دس سال کی شبکوری دور کر دی۔ دستخط خواجہ محمد [illegible] صاحب ارزا و لپنڈی۔	**میری بھی آنکھوں کو** کمال فائدہ ہوا دستخط نمال [illegible] صاحب نائب تحصیلدار اگرور ہزارہ	**۲۰ برس کی بند آنکھ کھل گئی** اور پڑبال دور ہو گئے دستخط [illegible] صاحب زمیندار کانپور	**آنکھ کا ڈھیلا کام کر** نکلنے سے بچا دیا۔ دستخط حکیم مشتاق حسین صاحب [illegible]
۴ برس کا اندھا ایک ہفتہ میں اچھا کر دیا۔ دستخط ڈاکٹر غلام حمید صاحب مشرقی [illegible]	**دس برس کے ککرے** یعنی روئے دور کر دیئے دستخط شہزادہ ضیاء الدین صاحب ارشاہ [illegible]	**ایک برس کی اندھی آنکھ** اچھی کر دی دستخط عبدالعزیز صاحب قانون گو اسکردو کشمیر۔	**اپریشن سے جو ککرے دور** نہ ہوئے تھے جواہر نورالعین نے اچھے کر دیئے عبدالرحیم صاحب [illegible]
پانچسال کی توندھی یعنے شبکوری دور کر دی۔ دستخط منشی غلام حسین صاحب ارزا [illegible]	**موتیا بند اور پھولے کے داغ** اچھے کر دیئے۔ دستخط سردار امیر محمد خان صاحب گورنر غزنی۔	**۱۵ سالہ چیچک کا پھولہ دور کر دیا** دستخط سردار سید محمد صاحب کابل۔	**فوائد مندرجہ اشتہار سے** بڑھ کر مفید پایا۔ دستخط سید علی احمد صاحب [illegible]

شربت جانفزا

بھوک لگاتا۔ کھانا ہضم کرتا۔ اور سرخ اور نفیس خون پیدا کر کے تمام جسم کی پرورش کرتا۔ اور دبلے پتلے کو فربہ اور تیار اور طاقتور بناتا۔ اور دل و دماغ کو طاقت دے کر عقل ہوش و حواس اور حافظہ تیز کرتا ہے۔ بحالت ضعف اور غشی اس کی ایک خوراک دینے سے ۵ منٹ میں مریض ہوش میں آکر باتیں کرنے لگتا ہے۔ خاص کر ان مزاج کے بچے جو ہمیشہ کمزور دبلے پتلے اور معدہ اور امعاء کے امراض میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس کے استعمال سے جلد تر و تازہ ہو جاتے ہیں۔ اور سینہ کی امراض کے لئے تو یہ اکسیر بے نظیر ہے۔ ایک مہینہ میں تین پونڈ وزن بڑھاتا ہے۔ کھانسی اور سل کی [illegible] قیمت فی شیشی عہ

حسن افروز

چہرہ کی چھائیاں۔ اور نشانات زرد داغ چند منٹ میں دور کر کے سیاہ فام کو گلفام بناتا ہے قیمت فی شیشی عہ

پتہ ڈاکٹر نبی بخش سابق ہیڈ میڈیکل افسر افغانستان لاہور دہلی دروازہ

بدہضمی یا خرابی ہاضمہ بھوک نہ لگنا
ہندوستان میں سب سے زیادہ یہ مرض پیدا ہوتا ہے۔ بوجہ حدت موسم پانی مقررہ مقدار سے زیادہ پیا جاتا ہے جس سے رطوبت معدہ بگڑ جاتی ہے آہستہ آہستہ بھوک کم ہونے لگجاتی ہے منہ سے لیس اور پیٹ سے ہوا غیر معمولی زیادہ خارج ہوتی ہے کبھی نیند خراب آجاتی ہے اور کبھی اڑنے چوک سے خراب خوابیں نظر آنے سے بگڑ جاتی ہے رات اختر شماری کرنی پڑتی ہے بعض کمزور مریضوں کو خرابی معدہ و فتور ہاضمہ سے بیہوشی طاری ہو جاتی ہے اور غذا کے بعد پیٹ میں بوجھ معلوم ہوتا ہے پاخانہ بے قاعدہ۔ کبھی دست کبھی قبض کبھی پھلا کبھی ریاح سے نفخ شکم۔ دل کو خفقان پر درد بھی ہو جاتی ہے ہمارے شفاخانہ میں ایک مرکب دوائی
نمک سلیمانی
تیار کیجاتی ہے۔ جس میں مندرجہ ذیل فوائد کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ قدرت کی طرف سے معدے میں جو اجزا نمکین خداوند تعالےٰ نے مقرر کئے ہیں ان کے یہ فوائد ہیں (۱) نمک کی طفیل خون رگوں میں چلتا ہے اور جمنے نہیں پاتا۔ (۲) نمک کے طفیل خون رگوں میں گندہ اور بدبودار نہیں ہوتا (۳) نمک کے طفیل جو چیز کہ معدہ میں جاتی ہے وہ ہضم ہو کر خون بن جاتی ہے۔ نمک سلیمانی کے استعمال سے وہ ترشی جس کے پیدا ہونے سے پھوڑے۔ پھنسیاں وجع مفاصل۔ درد گردہ اور ریگ مثانہ۔ سنگ مثانہ۔ نقرس۔ ہارٹ ڈیزیز پیدا نہیں ہوتا۔ کھٹے ڈکار بند ہو جاتے ہیں اور بھوک خوب لگتا ہے۔ بڑھا ہوا اور سخت شدہ جگر اس کے استعمال سے درست ہو جاتا ہے +
قیمت فی شیشی ایکروپیہ (عہ)
روغن اعجاز برسوں کے زخم دنوں میں بھر جاتے ہیں۔ بھگندر ناسور خنازیر کے گھاؤ اس سے دور ہوتے ہیں قیمت ۲ تولہ (عہ)
تیل دافع یبوست و ضعف دماغ دلربا خوشبو کے علاوہ سیاہ بالوں کو سفید نہیں ہونے دیتا مقوی دماغ ہے نزلہ و زکام نہیں ہونے پاتا شیشی کلان (عہ) خورد +
سرمہ میسر کراماتی مقوی بصر۔ محافظ بینائی دافع دھند۔ غبار۔ جالا۔ آبروانی۔ وغیرہ فی تولہ (عہ)
تریاق السعال کہنہ کھانسی۔ اخراج بلغم۔ درد سینہ نزلہ چھاتی پر گرنا دور ہو جاتا ہے ۲ تولہ قیمت دو روپے (عہ)
حب ذیابیطس بار بار پیشاب کا آنا۔ باقاعدہ شکر کا آنا بند ہو جاتا ہے اور مرض دور ہو کر صحت ہو جاتی ہے فی تولہ (عہ)
دوائی دافع خارش خشک و تر خارش دو روز میں دور ہو جاتی ہے قیمت ایک روپیہ (عہ)
حب دافعہ طحال تلی کے دفعیہ کے لئے جادو اثر ہے۔ آزما کر دیکھیں۔ قیمت فی ڈبیہ دو روپے (عہ)
حب دافع بخار کیسا ہی بخار ہو ایک گولی دینے سے پسینہ آکر اتر جاتا ہے دو درجن گولیاں کی قیمت ایکروپیہ (عہ)
دوائی دفع پیچش و مروڑ یہ دوا اس مرض کیلئے اکسیر ہے دو تولہ (عہ)
حب دافع وجع المفاصل درد جوڑوں کے لئے اکسیر ہے قیمت فی بکس دو روپے (عہ) دوائی درد کان ایک قطرہ کان میں ڈالنے سے آرام۔ سو لیفوں کیلئے (عہ)
حکیم ڈاکٹر حاجی غلام نبی زبدۃ الحکماء لاہور
موچی دروازہ

مروارید ثلاثہ

یہ ہر سہ کتب مصنّفہ خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری ہیں۔ جو تین خاص مضمون پر نایاب اور بے مثل کتابیں ہیں جو بتفصیل ذیل درج ہیں :۔

(۱) براہین نیرہ حصہ اوّل (معروف بہ زندہ و کامل الہام)۔ قیمت ..... (۱۰/)

اس میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ قرآن ایک خاتم اور ناطق الہامی کتاب ہے۔ جس میں تہذیب تمدّن کے کامل قوانین موجود ہیں۔ اس ضمن میں مصنّف نے ایک حکیمانہ بحث میں موجودہ تہذیب پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ کل مذاہب دیگر کے عقائد اور اصولوں پر نہایت منطقی بحث کی گئی ہے +

(۲) ام الالسنہ (معروف بہ زندہ و کامل الہامی زبان)۔ قیمت بارہ آنے ...... (۱۲/)

یہ کتاب بالکل جدید تصنیف ہے۔ اور جدید مضمون پر لکھی گئی ہے۔ اپنی نوع کی یہ پہلی کتاب اردو انگریزی لٹریچر میں ی گئی ہے۔ اس میں یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ عربی الہامی زبان ہے۔ اور کل دنیا کی زبانیں اس زبان سے نکلی ہیں۔ اور ابتدا میں سب ملکوں کے آبا و اجداد عربی الاصل تھے۔ یہ کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے +

(۳) اسوہ حسنہ (معروف بہ زندہ و کامل نبی)۔ قیمت صرف چار آنے ..... (۴/)

اس میں آنحضرت صلعم کا کامل نمونہ بحیثیت انسان کامل پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب قبولیت عامہ حاصل کر چکی ہے۔ اس کو پڑھ کر ماننے کے سوا چارہ نہیں رہتا۔ کہ محمد صلعم خاتم النبیین ہیں اور اگر کوئی کامل نبی ہو سکتا ہے۔ تو آپ کی ذات پاک ہی ہے +

نوٹ :۔ محصول ڈاک وغیرہ بذمّہ خریدار ہوگا +

پتہ

مینیجر اشاعت اسلام ۔ عزیز منزل ۔ احمدیہ بلڈنگس ۔ نولکھا ۔ لاہور

نوٹ :۔ احباب ان ہر سہ کتب کے آڈر ارسال فرمانے میں عجلت فرمائیں۔ وگرنہ بعد ازاں مایوسی ہوگی۔

رجسٹرڈ ایل ۹۰۸ ؁

بابت ماہ اگست ۱۹۱۶ء

اردو ترجمہ اسلامک ریویو لنڈن۔

معروف بہ

اشاعت اسلام

جلد (۲) نمبر (۸)

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین مولوی صدر الدین

اس سے بڑھ کر اور کوئی نیکی نہیں کہ آپ رسالہ ہذا کی خریدار ہوویں

کیونکہ انھیں رسالوں کی آمد بہت حد تک مسلم ووکنگ مشن کے اخراجات کی

کفیل ہے۔ رسالہ ہذا کی دس ہزار اشاعت خریدار ووکنگ مشن کے ½ خرچ کی

(ذمہ وار ہو سکتی ہے۔)

قیمت سالانہ تین روپیہ (۳)

فہرست مضامین

ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ جولائی ۱۹۱۶ء۔

(مطبوعہ احمدیہ سٹیم پریس لاہور باہتمام مرزا یعقوب بیگ صاحب آنریری سیکرٹری انجمن اشاعت اسلام لاہور)

اشاعت اسلام بک ڈپو

تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری

خطبات غیبیہ زیر طبع سات خطبات قیمت فی خطبہ (۵/)

(۱) براہین نیرہ حصہ اول المعروف بہ - قرآن ایک خاتم اور عالمگیر الہام ہے - اردو قیمت دس آنے ... (۱۰/)

(۲) ام الالسنہ یعنی عربی مبین کل زبانوں کی ماں ہے - اردو قیمت دس آنے .... (۱۰/)

(۳) اسوۂ حسنہ - الموسوم بہ "زندہ اور کامل نبی" اردو - قیمت چار آنے .. .. (۴/)

(۴) ایک پیشگوئی اقتباس انگریزی قیمت دو آنے (۲/)

مسلم پریئر انگریزی قیمت چار آنے ..... (۴/)

صحیفہ آصفیہ مبلغ بنام بحضور نظام حیدرآباد دکن اردو (۲/)

بنگال کی لیکچر انگریزی اردو فی کتاب قیمت (۱/)

مسلم مشنری کے ولایتی لیکچروں کا سلسلہ اردو " (۱/)

اور تین عدد انگریزی قیمت تین آنے ... (۳/)

مسلم انڈیا چیوڈ ٹو دی گورنمنٹ انگریزی کرشن ایڈیشن او مانی لال

اسلامک ریویو و مسلم انڈیا کی جلدیں ۱۹۱۳-۱۹۱۴ء

انگریزی قیمت فی جلد سنہ ۱۹۱۳ء (۸/ے) جلد سنہ ۱۹۱۴ء (۸/ے)

رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ اسلامک ریویو کے سابقہ پرچے جولائی سنہ ۱۹۱۴ء لغایت دسمبر سنہ ۱۹۱۴ء

قیمت صرف ایک روپیہ .... (عہ/)

دیگر مختلف تصنیفات

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ پارہ اول مرتبہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم - اے اردو - (۶/)

نکات القرآن حصہ دوم " " " (۶/)

" " حصہ سوم " " " (۸/)

عصمت انبیاء (۸/) غلامی " " " (۴/)

النبوۃ فی الاسلام - نبوت کی اصلی غرض و غایت - " " " (عہ/)

ویسٹرن اویکنگ ٹو اسلام مصنفہ جناب لارڈ ہیڈلے صاحب بالقابہ انگریزی قیمت بارہ آنے (۱۲/)

التوحید جس میں لا الہ الا اللہ کی مختصر تفسیر مصنفہ جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب ایل - ایم - ایس قیمت (۱/)

طریق فلاح جس میں بت پرستی کی بنیاد اور اس سے بچنے کی آسان راہ " " " (۱/)

فلاسفی آف نوٹ حقیقۃ مشیر حسین صاحب قدوائی انگریزی (۸/)

Miracle of Mohd

مصنفہ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹرایٹ لا انگریزی (۱۲/)

اسلام اینڈ سوشلزم " " " " (۸/)

پیغام صلح انگریزی و اردو فی رسالہ قیمت ... (۱/)

حدوث مادہ مصنفہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم - اے (۴/)

جلد اول سنہ ۱۹۱۵ء رسالہ اشاعت اسلام قیمت تین روپے (عہ/۳)

پتہ

خواجہ عبد الغنی منیجر اشاعت اسلام بک ڈپو - عزیز منزل احمدیہ بلڈنگس - نولکھا لاہور

نوٹ : بعلامت ۲-۳-۴ ناظرین کرام ان کتب کو اپنے حلقۂ اثر میں اور غیر مسلم احباب میں تقسیم فرما کر ثواب دارین حاصل کریں ۔

AN ENGLISH MUSLIM FAMILY

From left to right :—Mrs. Shareefa Begum Howell, Miss Naseema Howell, Miss Zaitoon Howell, Mr. Mohammad Ashraf Howell, and Master Qasim Howell.

اس رسالہ کے ساتھ ایک انگریز نو مسلم خاندان کی تصویر شایع ہوتی ہے۔ جس کے پانچ ممبر ہیں پچھلی قطار میں خود مسٹر ہاول دائیں طرف کھڑے ہیں۔ جن کا اسلامی نام محمد اشرف ہاول رکھا گیا ہے۔ ان کی بائیں جانب ان کی لڑکی مس نسیمہ ہاول کھڑی ہیں۔ اگلی قطار میں بائیں طرف مسز شریفہ بیگم ہاول بیٹھی ہوئی ہیں۔ درمیان میں ان کی دوسری لڑکی مس زیتون ہاول ہیں اور دائیں جانب ان کا لڑکا ماسٹر قاسم ہاول ہے۔

ماہ جون میں چار نو مسلموں کا اضافہ دائرہ اخوت اسلامی میں ہوا۔ جن میں سے دو مرد اور دو خواتین ہیں۔ ان کے مختصر حالات مولٰنا مولوی صدرالدین صاحب امام مسجد ووکنگ نے حسب ذیل ارسال کیئے ہیں۔ جن کو ہم ناظرین رسالہ کی واقفیت کے لیئے یہاں درج کرتے ہیں:-

تین اشخاص کا مشرف باسلام ہونا۔

(۱) ایک صاحب ہمارے ابنائے وطن میں سے کئی سال سے انگلستان میں جائے گزین ہیں۔

عیال و اطفال سے بھی بہرہ ور ہیں- ان کا نام بھائی ہرنام سنگھ صاحب ہے- انھوں نے بروز ہفتہ ۳ر جون ۱۹۱۶ء مسجد ووکنگ میں اسلام قبول کیا- اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ واشہد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ کا اقرار کیا- اور پاک مذہب اسلامی زندگی بسر کرنے کا عہد باندھا- اس روز اور اس سے پیشتر بھی اور اس کے بعد اتوار کے مجمع میں بھی انھوں نے نمازیں باجماعت ادا کیں- طریق طہارت اور وضو بھی سیکھ لیا- اتوار کے روز ان کی اہلیہ بمعہ ایک چھوٹے بچّہ کے ہمارے ہاں آئیں- اُن کے میاں اُنھیں اسلام تلقین کر رہے ہیں- امید ہے وہ دِن دور نہ ہوگا جبکہ وہ خاتون بمعہ تین بچوں کے مسلمان ہو جائے گی- اللہ تعالےٰ ان کو توفیق عطا کرے- بھائی ہرنام سنگھ صاحب کا اسلامی نام شبیر خدا رکھا گیا۔

(۲) ایک انگریزی نژاد خاتون جو خوب لکھی پڑھی قابل اور مہذّب جو کچھ عرصہ سے خود بخود اسلام قبول کر چکی تھیں ہماری جمعہ کی نمازوں میں شریک ہوئیں اور اُنھوں نے خود اطلاع دی کہ "میں کچھ عرصہ سے مسلمان ہوں- میرے اسلام قبول کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عیسائیت کے لاینحل مسائل کبھی میری سمجھ میں نہ آتے تھے- کیونکہ وہ میری فطرت کے خلاف تھے مجھے جب اسلام کے مطالعہ کا موقعہ ملا تو میں نے اُسے انسانی فطرت کے مطابق پایا اور اُسی وقت سے اُسے اختیار کر لیا" فالحمد للہ رب العلمین- ایسے لوگ تو بے شمار یہاں موجود ہیں- اگر غفلت اور کاہلی ہے تو ہماری طرف سے ہے- ہمارے پاس آدمی نہیں- ہمارے پاس کافی روپئے نہیں- اگر ہندوستان کے مسلمان اس وقت متفقہ کوشش کریں- تو تھوڑے عرصہ میں کثرت سے یہاں مسلمان نظر آنے لگیں ولیس ذالک علی اللہ بعزیز۔ (۳) ایک شخص مسٹر سمتھ صاحب کا تحریری اعلان افریقہ سے موصول ہوا اُنھوں نے لکھا ہے کہ میرا اسلامی نام ہارُون رکھا جائے- خط و کتابت سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلص باہمت شخص ہے- تھوڑے عرصہ میں کافی تعداد اسلامی کتابوں کی خرید چکے ہیں- اور علاوہ ازیں اس فنڈ کی بھی امداد کی ہے- آئیندہ بھی حسب توفیق مدد کرنے کے لیئے طیّار ہیں- اللہ تعالےٰ اُنکے اخلاص کو قبول فرمائے- آمین ثم آمین اللھم زد فزد۔ ۷ر جون ۱۹۱۶ء ووکنگ

ایک خاتون کا مشرف باسلام ہونا

مس ٹنکلف صاحبہ جو سال سے زیادہ ہوا ووکنگ میں مقیم ہیں- قریباً چھ ماہ سے ہماری مسجد میں

تشریف لا رہی تھیں۔ اللہ تعالےٰ نے اُن کو فراست اور تجربہ سے کافی طور پر بہرہ اندوز کر رکھا ہے۔ دور دراز کے ملکوں کی سیاحت کیئے ہوئے ہیں۔ کم و بیش چالیس سال کی عمر رکھتی ہیں مذہب کی طرف بہت رُجحان ہے۔ خدا لگتی باتوں کی دلدادہ ہیں۔ چند ہفتوں سے نماز میں شامل ہوتی تھیں پچھلے اتوار ان کو اللہ تعالےٰ نے اعلان کرنے کی توفیق دی۔ الحمد للہ رب العالمین۔ اُنھوں نے اپنی ایک تصویر دی ہے جو اس قابل ہے کہ اسلامک ریویو اور پرچا اشاعت اسلام مجریہ لاہور میں شائع کر کے اپنے انگریزی اور ہندی بھائیوں تک پہنچائی جائے۔ اس تصویر میں وہ ایک تمغہ پہنے ہوئے ہیں جو ابھی اُن کو جنگی خدمات کے صلہ میں عطا ہوا ہے۔ ان کا اسلامی نام طاہرہ رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ اُن کو اسم با مسمیٰ بنائے۔ اور اُن کے لیئے اور ہم سب کے لیئے اُن کا داخل اسلام ہونا بابرکت ہو ۔

۱۴- جون ۱۹۱۶ء

اسلام انگلستان میں کس طرح دلوں میں اپنا گھر بنا رہا ہے۔ اس امر سے ظاہر ہے کہ اس قلیل عرصہ میں بعض پورے کے پورے خاندان اس کے اندر داخل ہو گئے ہیں۔ انگلستان میں مذہبی آزادی کا یہ حال ہے کہ بسا اوقات یہاں کا ایک مذہب یعنی ایک فرقہ عیسویت سے تعلق ہے تو بی بی کا دوسرے سے۔ خاوند گرجا میں جاتا ہے تو بی بی نہیں جاتی۔ بی بی جاتی ہے تو خاوند نہیں جاتا۔ یا خاوند ایک گرجا کی راہ لیتا ہے تو بی بی دُوسرے کی۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ کسی خاندان کے اکیلے ممبر کو اسلام میں داخل ہونا ایسا آسان نہیں جیسا کسی دُوسرے فرقہ عیسائیت سے تعلق رکھنا۔ کیونکہ اسلام بالکل ایک نئی زندگی چاہتا ہے۔ اور عام طبائع میں اس کے خلاف تعصب بھی زیادہ ہے لیکن یہ کس قدر شکر کا مقام ہے کہ بعض سالم کے سالم خاندان حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ہیں اور اس طرح پر اُن کی زندگی بڑے امن اور راحت کی ہے۔ ایک دُوسرے سے کوئی تکلیف دہ الفاظ سننے نہیں پڑتے نہ کسی قسم کی کشمکش واقع ہوتی ہے پھر بچے نہایت اطمینان سے اسلامی زندگی میں نشو و نما پاتے ہیں اور اس طرح پر سالم گھرانوں کا اسلام کے اندر داخل ہونا ایک نہایت ہی مبارک فال اسلام کی آئندہ ترقیوں کی ہے ۔

لیکن اس سے بھی بڑھ کر اسلام کی یہ کامیابی بتاتی ہے کہ جو نو مسلم ہوتے ہیں وہ عموماً اپنے دل کے اندر اسلام کی صداقت کا کیسا گہرا اثر رکھتے ہیں۔ کیونکہ سالم خاندان یکمرتبہ تو داخل اسلام

نہیں ہو جاتا۔ ایک شخص ایک گھر میں سے پہلے اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے باقی ممبران خاندان کو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی تعلیم کیسی پاک کیسی سادہ اور کیسی آسانی سے قابل عملدرآمد ہے۔ پھر اس شخص کی نیکی دوسروں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اور وہ باقی ممبران کے اسلام میں داخل ہونے کا موجب بن جاتا ہے۔ اِس سے اگر ایک طرف اِسلام کی تعلیم کا کمال نظر آتا ہے کہ کِس طرح محض ایک نومسلم کی اچھی زندگی دوسروں کے لیئے کشش کا موجب بن جاتی ہے تو دُوسری طرف یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ نومسلم عموماً اسلام کے لیئے اپنے دلوں کے اندر درد اور محبت بھی رکھتے ہیں۔ اور ایک مسلم کا حقیقی فرض کہ جس خزانہ سے وہ خود متمتع ہؤا ہے اُسے دُوسروں تک بھی پُہنچائے۔ بڑی خوبی سے ادا کرتے ہیں گویا ان نومسلموں کے اندر تبلیغ کی وہ رُوح پائی جاتی ہے جس سے صدیوں کے مسلمان بھی کثرت سے غافل نظر آتے ہیں بعض وقت گھر کی بی بی پہلے شہدائے اسلام ہو کر کسی مخالفت کی پروا نہ کرتے ہوئے داخل اسلام ہو جاتی ہیں تو آہستہ آہستہ اپنے خاوند کے لیئے موجب ہدایت بن جاتی ہیں۔ بعض وقت ایک نوجوان لڑکی اپنے ماں یا باپ یا بھائی کے لیئے موجب ہدایت بن جاتی ہے۔ ایک مذہب سے دُوسرے مذہب کے اندر کسی کو داخل کر لینا بڑی ہمت اور بڑے عزم کا کام ہے۔ جہاں اور کسی قسم کا لالچ نہ ہو۔ پس ان بیبیوں کی ہمتیں نہایت ہی قابل تعریف ہیں جن کی وجہ سے ان کا سارے کا سارا خاندان داخل اسلام ہو گیا ہے۔ اور جیسا کہ کسی گذشتہ اشاعت میں نوٹ کرتے ہوئے ہم نے لکھا تھا بعض نومسلم خاتونیں اور مرد کئی کئی لوگوں کے اسلام میں لانے کا موجب ہوئے ہیں +

کاش ان مثالوں سے ہمارے بھائی مسلمان سبق حاصل کریں۔ اگر ان میں اس قدر ہمت اور عزم نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو اسلام کے اندر داخل کر سکتے ہیں۔ تو کم از کم اس قدر احکامِ الٰہی کی عزت تو اپنے دلوں میں پیدا کریں کہ اپنے اپنے دائرہ اثر میں اپنے متعلقین کے لیئے نیک نمونہ بن کر انکو اسلام کی سچّی تعلیم پر قائم کریں۔ بہت سے گھروں کے اندر شرک اور بدعت کی رسوم جاری ہیں۔ حالانکہ گھر کا سردار تعلیم یافتہ بھی ہوتا ہے۔ اگر وہ تھوڑی سی کوشش بھی کرے تو بڑی آسانی سے اپنے متعلقین کو غلط راہ سے بچا سکتا ہے۔ مگر اکثر حالات میں اپنے متعلقین کے اخلاقی اور روحانی حالات کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ اور اُن کی جسمانی تربیت پر ہی سارا زور صرف کر دیا جاتا ہے

حالانکہ جسمانی تربیت تو دُوسرے حیوانات بھی خوب کرتے ہیں۔ انسان کو ان سے بڑھ کر کچھ اپنا امتیاز دکھانا چاہیئے۔ اور اپنے اپنے گھروں کے اندر قرآن کریم کی تعلیم کو رواج دینا چاہیئے +

ہر کام میں جب کامیابی کی علامتیں ظاہر ہوتی ہیں تو ایک گروہ حاسدین کا بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم کی آخری دو سُورتوں میں سے سورہ فلق میں آخری آیت میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب ایک کام جس کو تم نے شروع کیا ہے۔ ابتدائی تاریکیوں کے مرحلہ سے نکل جائے اور دشمنوں کی رخنہ اندازیوں سے بھی بچ جائے تو پھر اس کے حاسد پیدا ہو جاتے ہیں۔ تم ان حاسدوں کے حسد سے بھی خدا کی پناہ مانگتے رہو۔ اللہ تعالےٰ کے فضل سے بلاد غربیہ میں تبلیغ اسلام کا کام اب اس مرحلہ پر پہنچ گیا ہے کہ اُس کی کامیابی روز روشن کی طرح نظر آتی ہے۔ اور دشمنوں کی رخنہ اندازیاں بھی اُسکو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں۔ پس اب وُہ آخری مرتبہ اس کے سامنے ہے جس کی طرف من شر حاسد اذا حسد میں توجہ دلائی گئی ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ اس مرحلہ پر بھی اس کی اسی طرح دست گیری فرمائے گا جیسے پہلے دو مرحلوں پر فرمائی ہے اور اس نازک پودہ کی جڑوں اور شاخوں کو دور دور تک پھیلائے گا +

بعض لوگ ووکنگ کے نومسلموں کی نسبت بدظنیاں پھیلانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ کسی جماعت کا اندازہ اس کے ایک فرد کی حالت سے نہیں لگایا جاتا۔ اوّل تو اس میں کیا شبہ ہے۔ کہ نومسلموں سے ہم یہ توقع نہیں رکھ سکتے کہ وُہ پہلے دن اسلام میں داخل ہوتے ہی سب مراتب کو طے کرکے کمال تعلیم اسلامی پر جا پہنچیں۔ دوسرے جہاں اب قریباً دو سو کی تعداد تک نومسلم داخل ہو چکے ہیں تو ان سب پر محض ان میں سے ایک شخص کیحالت کو پیش کرکے فتوے لگا دینا خدا ترسی سے بہت دُور ہے۔ ناظرین کے سامنے وقتاً فوقتاً ان نومسلموں کے کارنامے ان کے تبلیغی جوش۔ ان کے مضامین تائید اسلام میں۔ اسلام کے ساتھ ان کا عشق و محبت کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں۔ اگر اتنے اچھے نمونوں میں ایک شخص کا عقیدہ یا عمل قابل اعتراض بھی ہو تو اُس سے کچھ نتیجہ نہیں نکلتا۔ کس جماعت میں کمزور لوگ نہیں ہوتے +

شیرازۂ اسلام

(از پروفیسر لیون)

کسی مذہب کو لے لو جب اس کی بابت اس امر کی تحقیق کی طرف توجہ ہو گی کہ آیا وہ مذہب خدا کا فرستادہ مذہب ہے تو اُس کی بہت سی مختلف حیثیتوں کو مدِّ نظر رکھنا پڑے گا بعض خصوصیتیں تو ہر مذہب کا لازمہ ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ قابل عملدرآمد ہو۔ معقول اور دیرپا ہو۔ لیکن ان کے علاوہ اسلام میں ایک خصوصیت ہے جو اسلام سے ہی مختص اور اسلام کی ذات سے ہی وابستہ ہے اور وہ اسلام کی وحدت اور اخوت ہے۔ اس خصوصیّت کی اہمیّت کو ہیچ ثابت کرنے کے لیئے اسلام کے بعض دشمنوں نے اکثر بے فائدہ سر پٹکا کیا۔ طرح طرح کی بے بُنیاد توجیہوں سے اس کو ایسے اسباب اور اثرات کی جانب منسُوب کیا جن کی کوئی حیثیت نہیں۔ لیکن یہ اسلام کا ایک ایسا بیّن اور امتیازی نشان ہے کہ اس پر پردہ ڈالنا کوشش بے سود اور اس کے چھپانے کی جدوجہد لاحاصل ہے۔ یہاں تک کہ اسلام کے غالی دشمنوں کو بھی آخر اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ بانی اسلام صلعم سیاسی حیثیت میں ایک نہایت ہی عظیم الشان انسان تھا۔ اور کہ اُس نے نہائت دُور اندیشی سے اپنے متبعین کو ایک ایسے شیرازہ میں باندھ رکھا ہے جو ہر دو زمانہ سے بے خطر ہے۔ اس شیرازہ کا ایک رشتہ وہ اسلامی اخوت ہے جو مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ انّما المؤمنون اخوۃ کی پاکیزہ تعلیم اسلام نے پیش کی۔ اور یہ محض تعلیمی رنگ میں ہی نہیں۔ بلکہ اس کو ایسا عملی جامہ پہنایا گیا۔ کہ اس پاکیزہ اصول کی بناء پر امیر اور غریب شاہ و گدا محمود و ایاز میں ایک ایسی مساوات قائم کردی گئی جس کا احساس ہر ایک مسلمان کے سینہ میں بھرا ہُوا ہے۔ گورے کالے کی تفریق ہرگز اسلام نے کسی امتیاز کی بناء نہیں رکھی۔ چاہے ہندی ہو چاہے عربی النسل ہو۔ افریقہ کا حبشی ہو یا کہ یورپ کا گورا خون جُونہی کہ لا الٰہ الا اللہ کہکر مشرف باسلام ہُوا۔ اپنے تمام امتیازات قومی سے نجات حاصل کر کے وہ اسلام کی وسیع اخوت میں داخل ہو جاتا ہے ٭

مساجد اور معابد اسلامی کی سب سے بڑی خصوصیّت اس اصول کی پابندی سے وابستہ ہے یہی مقام ہیں جہاں شاہ و گدا کی جھوٹی خصوصیّت کا پردہ فاش ہو جاتا ہے۔ مسجد کے دروازہ سے

باہر چاہے کوئی شاہ ہو یا امیر۔ بڑا ہو یا چھوٹا مسجد میں داخل ہوتے ہی وہ امتیاز ٹوٹ جاتا ہے
اخوّت اور مساوات کی ہموار سطح پر سب یکساں ہو جاتے ہیں۔ کندھے سے کندھا ملا کر وہ سب
بلا تفریق و امتیاز اپنے اللہ کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس خصوصیت پر پابندی کیلئے
خاص احکام دیئے گئے اور اُن پر روزمرّہ عملدرآمد ہوتا ہے +

پھر اس اصول کے قیام کے لیئے روزانہ پنجوقت صلوٰۃ بالجماعت پر اکتفا نہیں کیا۔ حکم ہُوا کہ
ہر جمعہ کو شہر کی جامع مسجد میں اجتماع ہو۔ اِس سے بڑھ کر عیدین کے اجتماع کی ایک اور صورت
قائم کی اور پھر تمام دُنیا کے مُسلمانوں کو ایک جگہ جمع کرنے کی غرض سے حکم ہُوا کہ حج ہر ایک ذی
حیثیت مسلمان پر جسے اور کوئی اہم اور جائز رُکاوٹ نہ ہو فرض ہے۔ کیا اجتماع پر زور ہے اور
اس اجتماع کی عملی صورت پیدا کرنے کی کیا ہی آسان تجویز ہے۔ حج کا اجتماع کتنا اہم اور نتیجہ خیز
اجتماع ہے مختلف ممالک اور اقوام کے اجتماع سے جو عام تمدّنی فوائد اقوام کو ایک دُوسرے
سے پہنچتے ہیں۔ اگر اس کو نظر انداز بھی کر دیا جاوے۔ اور محض اس کے ان اثرات پر غور کیا جاوے
جو مذہبی اصولوں پر ایسے اجتماع سے لازماً ہوتا ہے تو معلوم ہوگا کہ عقائد اور اصولوں کے قیام
کے لیئے اس اجتماع سے بہتر اور کوئی صورت متصوّر نہیں ہو سکتی۔ اِس سے نہ صرف ان مفاسد سے
عقائد کا تنقیہ ہوتا ہے جو وقتاً فوقتاً صحیح عقائد کی تخریب کے لیئے مختلف راستوں سے داخل
ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ان عقائد اور اصولوں کی ہمیشہ تجدید ہوتی ہے۔ اور اِس طرح اسلام ان خطرات
سے مصئون ہے جنھوں نے دُوسرے مذاہب کی بُنیادوں میں پانی کا کام کیا اور آخر کار مذہب
کی عمارت کی تخریب اور انہدام باعث ہوئے +

اِس سے ہرگز یہ گمان نہیں کر لینا چاہیئے کہ اسلام میں آزادیٔ خیال کے لیئے کوئی گُنجائش
نہیں۔ بلکہ برخلاف اس کے اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس میں وسعت اور آزادی کی
لیئے ایک وسیع میدان ہے۔ بُنیادی اصُولوں کو برقرار رکھنے کے بعد اسلام خود آزادی کا سبق دیتا
ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ دائرۂ اسلام میں اصولاً وحدت مگر تفصیلات میں آزادی ہو لیکن ان دونوں
حالتوں میں برادرانہ اور کریمانہ رنگ ہو۔ فقہا کے فروعی اختلاف سے بھی انکار نہیں۔ یہی اسلام
کا خاصہ اور اسلام میں رحمت کا ایک سبب ہے۔ لیکن اصولاً سب ایک۔ ایک ہی خدا۔ ایک ہی

رسول اور ایک ہی کتاب۔ وہی وحدت وہی اخوت اور وہی حبل اللہ ہے۔ جس کے اعتصام کا حکم سب پر یکسان جاری ہے ✦

آزمایش

ابتلا یعنی آزمائش سے ہمیشہ انسان کو ایک گونہ دلچسپی رہی ہے۔ ایسے امتحانات میں کامیابی کے مضمون پر ہر ایک قوم کی تاریخ میں کچھ نہ کچھ ذکر پایا جاتا ہے۔ ابتلا انسان کے مخفی کمالات کو ظاہر کرتا ہے۔ بلکہ اس کے بغیر کسی انسان کی عظمت اور شان پر کوئی ظاہر دلیل ہی نہیں ہو سکتی یہاں تک کہ تواریخ نے جن عظیم الشان انسانوں کے کمالات کا ہم پر انکشاف کیا ہے وہ تمام مصایب تکالیف اور دکھوں سے آزمائے گئے۔ انھوں نے بڑے بڑے مصایب دیکھے۔ ان کا مقابلہ کیا اور بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کیں۔ اور اس طرح دنیا کی تواریخ میں اپنا نام ونشان چھوڑ گئے۔ ان کی زندگیاں اوروں کے لیئے زندہ مثالیں بن گئیں جن کی پیروی سے بہتوں کا بھلا ہوا۔ اکثروں کو نجات ملی۔ انجیل نے بھی اپنے پیروان کی ہدایت کے لیئے ایک اسی قسم کی آزمائش کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ شیطان کے یسوع کو آزمانے کا ذیل کا واقعہ انجیل میں موجود ہے :۔

تب یسوع روح کے وسیلے۔ بیابان میں لایا گیا۔ تاکہ شیطان اُسے آزمائے۔ اور جب چالیس دن اور چالیس رات روزہ رکھ چکا آخر کو بھوکھا ہوا۔ تب آزمایش کرنے والے نے اُس پاس آکے کہا۔ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو کہہ کہ یہ پتھر روٹی بن جائیں۔ اُس نے جواب میں کہا۔ لکھا ہے کہ انسان صرف روٹی سے نہیں بلکہ ہر ایک بات سے جو خدا کے مونھ سے نکلتی جیتا ہے۔ تب شیطان اُسے مقدس شہر میں اپنے ساتھ لے گیا۔ اور ہیکل کے کنگرے پر کھڑا کر کے اُس سے کہا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو اپنے تئیں نیچے گرا دے۔ کیونکہ لکھا ہے۔ کہ وہ تیرے لیئے اپنے فرشتوں کو فرمائے گا۔ اور وے تجھے ہاتھوں پر اُٹھا لیں گے۔ ایسا نہو کہ تیرے پاؤں کو پتھر سے ٹھیس لگے۔ یسوع نے اُس سے کہا یہ بھی لکھا ہے۔ کہ تو خداوند اپنے خدا کو مت آزما۔ پھر شیطان اُسے ایک بڑے اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی ساری بادشاہتیں

اور اُن کی شان و شوکت اُسے دکھائیں۔ اور اُس سے کہا۔ اگر تو گر کے مجھے سجدہ کرے تو یہ سب کچھ تجھے دوں گا۔ تب یسوع نے اُسے کہا اے شیطان دُور ہو۔ کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور اُس اکیلے کی بندگی کر۔

اس ابتلا کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ لیکن چونکہ یہ ایک ایسی آزمائش تھی جو ایک انسان کے تخیّل اور دماغی کیفیات کے علاوہ کوئی خارجی وجود نہیں رکھتی۔ اس لیئے زندگی کی حقیقی آزمائشوں پر نہ یہ کوئی روشنی ڈال سکتا ہے اور نہ کوئی اسوہ قائم کر سکتا ہے۔ یہ ایک خیالی معاملہ تھا۔ اور خیالی کیفیات چاہے اپنے اندر ایک حقیقت کو لیئے ہوئے کیوں نہ ہوں خارجی زندگی میں اُن کی چنداں اہمیت نہیں رہتی۔ لیکن ہمارے سامنے ایک اور عظیم الشان انسان کی زندگی کے زندہ اور سچے واقعات ہیں۔ اس انسان کی زندگی مختلف حیثیتوں میں ہمارے پیش نظر ہے۔ اور ہر ایک حیثیت میں یہ زندگی انسان کے اصلی جوہر اور کمال کو احسن صورت میں ظاہر کرتی ہے۔ رسالت کے ابتدائی زمانہ میں قسم قسم کی آزمائشیں ہوئیں۔ احتیاج غربت فاقہ کشی۔ جان کا خطرہ۔ رفقا کے دُکھ۔ غرض کونسی جسمانی یا دماغی تکلیف نہیں ہے جو اُنھوں نے نہ دیکھی ہو۔ کون سی مصیبت ہے جس کا اُنکو مختلف اوقات میں سامنا نہ کرنا پڑا۔ لیکن وہ جوش جو اس چھاتی میں بھرا ہوا تھا ٹھنڈا نہ ہوا۔ وہ تصمیم جو اس ارادہ میں تھی ذرا کمزور نہ ہوئی۔ وہ روشنی جس سے اُن کی زندگی منوّر تھی ذرا مدّھم نہ پڑی۔ ہر ایک نئی مصیبت نے نئی رُوح پھونکی۔ ہر ایک نئے دکھ نے پوشیدہ کمالات کا انکشاف کیا۔ وہ عزم و تصمیم جو اس کے ارادوں میں تھی اُس نے دشمنوں کے مُنہ سے تعریف کے کلمات نکالے۔ آخر کار اُن کے ارادہ کے مقابلہ میں اپنی کمزوریوں کو مشاہدہ کر کے دشمنوں نے مصالحت کا ارادہ کیا اور مداہنہ کی صورت قائم کرنے کی تجاویز میں لگ گئے۔ وہ قوم ان کی امانت دیانت کی تو ہمیشہ سے قائل تھی ہی۔ لیکن چونکہ ان کے خیالات کا دائرہ محدُود تھا۔ ان کی آنکھ دوربین نہ تھی۔ ان کی خواہشات خورد و نوش۔ زناشوئی کے دائرہ سے تجاوز نہیں کرتی تھیں۔ اس لیئے ان کے اخلاق رزائل کے سوا کسی اعلےٰ نصب العین کو پیش نہ کر سکتے تھے۔ اور اسی قسم کی تحریصات اور ترغیبات کو اُنھوں نے اس حق کے شیدائی کے سامنے

پیش کرنے کی غرض سے اکابر قوم کا ایک وفد بنایا عتبہ کو ان کا سرکردہ ٹھیرایا۔ آنجناب خانہ کعبہ میں بیٹھے تھے کہ یہ لوگ ان کی خدمت میں پہنچے۔ عتبہ نے جن الفاظ میں ان مرغوبات کو اُنکے سامنے پیش کیا۔ اس کا خلاصہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ دلچسپی سے خالی نہیں ہم آپ کے پاس اس غرض سے آتے ہیں کہ ہم اپنے اور آپ کے درمیان امن قایم کریں۔ ہم آپ کے جاہ کی اعزاز سے واقف ہیں۔ آپ خود ہم میں امین۔ دیانتدار اور بہت مشہور ہیں۔ آپ کے ذریعہ ہم لبا اوقات کشت وخون اور جنگ وجدال سے بچے۔ ہم آپ کے سامنے مصالحت کی ایک صورت پیش کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر آپ کو دولت کی خواہش ہو تو ہم اپنا تمام اموال آپ حوالہ کر دینگے اگر کسی عورت کی خواہش ہو تو اہل عرب میں جو لڑکی پسند خاطر ہو آپ کے نکاح میں دے دینگے اگر امارت چاہے تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیں گے۔ لیکن اس شرط پر کہ آپ ہمارے بتوں کی توہین چھوڑ دیں۔ کیا آزمائش تھی؟ کیا مرغوبات تھے؟ کیا زندگی کا سبز باغ پیش نظر تھا؟ اور یہ سب خیال نہیں بلکہ حقیقت۔ تمام مصائب کا یک قلم خاتمہ ہو جاتا۔ تمام دکھ کافور ہو جاتے آرام سے زندگی گذرتی۔ لیکن اس سچائی کی شمع ہمیشہ کے لیئے گُل ہو جاتی جو دُنیا کی ہدایت کرنے والی تھی۔ اس سچائی کا خون ہو جاتا جس کی اشاعت ان کی زندگی کا مشن تھا۔ ایک طرف یہ ظلمت دکھائی دیتی تھی دوسری طرف اہل وفد سے انکار کی صورت میں جو کچھ ظہور پذیر ہونا تھا اس کا نقشہ اُن کی آنکھوں کے سامنے پھر رہا تھا۔ اس نازک حالت میں آپ کیا جواب دیتے ہیں ذرا تامل نہیں۔ کچھ تشویش نہیں۔ کچھ خوف نہیں۔ فوراً قرآن کی آیات پڑھ کر سُنا دیں جس کا ترجمہ ذیل میں دیا جاتا ہے:۔

"جن لوگوں نے دین حق کو نہ مانا اور اللہ کے راستہ سے لوگوں کو روکا۔ خدا نے اُن کے اعمال رائگاں کر دیئے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور اس سچائی کو قبول کیا جو محمدؐ پر اتری۔ ان کے گناہوں کو ڈھانپ دیا گیا اور دین و دُنیا میں ان کی اصلاح کر دی۔ یہ اس لیئے کہ کافروں نے باطل کی اور مومنوں نے حق کی پیروی کی۔ اس طرح اللہ تعالےٰ تمثیلی رنگ میں اپنی سچائیوں کا اظہار کرتا ہے"

یہ آیات اُن کے سامنے پڑھ کر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ یہ دو راستے آپ کے سامنے ہیں۔ آپ انہیں سے

جو چاہیں انتخاب کریں یہی میرا جواب ہے۔ یہ ایک ابتلا تھا۔ اس کے نتائج کی اہمیت سے کس کو انکار ہے۔ پھر کیا ہی عظیم الشان ہے وہ انسان جو اس امتحان میں کامیاب ہوا۔ کیا ہی اعلےٰ نمونہ قایم کیا۔ اللھم صل علیہ و آلہ

پروفیسر ہیکل اور اسلام

(از قدوائی)

اس زمانہ کے ماہران سائنس میں ہیکل کی شخصیت سب سے بڑھکر ممتاز ہے۔ اس کی ذہانت ہر پہلو میں اپنا کام کرتی ہے اور سائنس کی بہت سی شاخوں میں وہ مسلم طور پر ماہر ہے۔ وہ گویا ایک دیو ہے جس کے ہزاروں سر ہیں۔ وہ اپنے آپ کو اول درجہ کا میٹریلسٹ کہتا ہے اس کا مذہب مونزم ہے (یعنی یہ کہ یہ کل عالم سب ایک ہی ہستی ہے) باقی سب مذاہب کی اُس نے زور سے اور عام طور سے تردید کی ہے۔ اسلام کے متعلق اُس نے اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

"اسلام یا محمدی توحید۔ توحید کی سب سے آخری اور سب سے پاکیزہ صورت ہے۔ جب نوجوان حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے ہموطن عربوں کی بت پرستی اور مشرکانہ رسوم سے اپنے اندر تنفر پایا اور انھیں عیسائیوں کے حالات کا علم ہوا تو اُنھوں نے اس کے بڑے بڑے اصول کو عام طور پر مان لیا۔ مگر مسیح میں اُن کو ایک نبی سے بڑھ کر کچھ نظر نہ آیا۔ جیسے کہ موسےٰ بھی ایک نبی ہی تھے۔ تثلیث کے عقیدہ میں ان کو وہی کچھ معلوم ہوا جو ہر ایک آزاد خیال کو منصفانہ نگہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے یعنی یہ کہ یہ ایک بیہودہ قصہ ہے جس کو نہ ہی عقل کے ابتدائی اصول تسلیم کر سکتے ہیں اور نہ ہی یہ ہماری مذہبی ترقی میں کچھ کام دے سکتا ہے۔ وہ ٹھیک طور پر یہ سمجھ گئے کہ خدا کی ماں کی پرستش خالص بت پرستی ہے۔ ایسے ہی جیسے تصویروں یا مجسموں کی حد سے بڑھی ہوئی عزت۔ جتنا زیادہ اُنھوں نے اس پر غور کیا۔ اور جس قدر زیادہ اُنھوں نے ذات باری کے متعلق ایک پاک خیال کی طرف جدوجہد کی اسی قدر زیادہ صفائی سے اُن کو لا الہ الا اللہ کا یقین حاصل ہوتا چلا گیا یعنی یہ کہ ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں"

"مگر حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) خدا کے متعلق اپنے آپ کو اس قسم کے خیال سے آزاد نہ

کر سکے جس کے اندر انسانی صفات پائی جاتی ہوں۔ اُن کے نزدیک خدا بے شک اعلےٰ صفات اپنے اندر رکھنے والا۔ مگر ایک طرف موسیٰ کے خدا کی طرح خشمناک اور غضبناک۔ اور دوسری طرف مسیح کے خدا کی طرح محبت اور رحم کرنے والا پایا جاتا ہے۔ تاہم ہمیں یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ مذہب اسلام نے اپنی ساری تاریخی ترقی میں پاک توحید کے اصلی جوہر کو موسوی اور عیسائی مذاہب سے بہت بڑھ کر کمال کے ساتھ محفوظ رکھا ہے۔ ہم آج اس بات کو اس کے خارجی حالات میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ جیسے اُن کی نماز اور وعظ میں اور ان کی مساجد کی تعمیر اور آرائش میں جب میں نے پہلے پہل ۱۸۷۳ء میں مشرق کو دیکھا۔ اور قاہرہ۔ سمرنا۔ بروسا اور قسطنطنیہ کی عالی شان مساجد کو دیکھا تو ان مساجد کے اندر کی سادہ اور پُر مذاق آرائش اور باہر کے بلند اور خوبصورت تعمیر نے میرے دل میں ایک سچا جذبۂ محبت پیدا کر دیا۔ یہ مساجد کیسی پُر شوکت اور کیسی بلند خیالی پیدا کرنے والی ہیں۔ بمقابلہ اکثر کیتھولک گرجاؤں کے جو اندر سے بھڑکدار تصاویر اور ملمع سازی سے پُر ہوتے ہیں۔ اور باہر سے بہت سی انسانی اور حیوانی شکلوں سے بدنما کر دیے جاتے ہیں۔ ایسا ہی قرآن کی سکھائی ہوئی طرز پر خاموش دُعائیں اور سادہ افعال عبادت بہت ہی ارفع اور اعلےٰ ہیں۔ جب ان کا مقابلہ کیتھولک عبادتوں کی بیہودہ لفاظی اور تھیئیٹر کے رنگ کے باجوں والے جلوس کے ساتھ کیا جاتا ہے"۔

تمام وہ لوگ جنھوں نے ہیکل کی توجہ سے مطالعہ کیا ہے۔ اور جو اسلام کو جیسا کہ سمجھنے کا حق ہے سمجھتے ہیں جانتے ہیں کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہیکل بجائے مونسٹ کہلانے کے مسلم کیوں نہیں کہلاتا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کو یہ معلوم نہیں کہ اسلام درحقیقت کیا ہے۔ اس کو یہ خیال ہے کہ اسلام ایسے خدا کو پیش کرتا ہے جو انسانی صفات سے متصف ہے۔ حالانکہ یہ اسلام کی تعلیم ہرگز نہیں۔ اللہ تعالےٰ کی صفات میں قرآن کریم فرماتا ہے لیس کمثلہ شیئ۔ اس کی مثل کی طرح بھی کوئی چیز نہیں پھر خود جو نام خدا کا قرآن میں یا زبان عربی میں پایا جاتا ہے وہ ایک ایسا نام ہے کہ سوائے ایک خدائے واحد کی ذات کے دوسری کسی چیز پر نہیں بولا جاتا۔ یعنی اللہ جو کہ اُس کا اصلی نام ہے پھر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اس کا کوئی کفو نہیں کوئی شریک نہیں۔ کوئی ایسی ہستی نہیں جس کا مرتبہ اس کے برابر قرار دیا جا سکے۔ اس کے لیئے کوئی ہمسر نہیں۔ اس کی ذات میں کوئی شریک نہیں کوئی اس کے برابر کا نہیں +

یہ کہنا کہ اسلام کا خدا انسانی صفات سے متصف ہے۔ اسلام کے ابتدائی اصولوں سے ناواقفیت کا اظہار کرنا ہے۔ لوگوں کے دلوں میں یہ خیال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اُن کو یہ بتایا جاتا ہے کہ خدا سننے والا۔ جاننے والا۔ محبت کرنے والا قادرِ مطلق رحمان رحیم اور آخر سزا دینے والا اور عقاب دیکھنے لانے والا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلام گویا ایک بڑے صاحب طاقت انسان کو خدا بناتا ہے۔ یا یہ کہ اس نے یہودیوں کے غضبناک اور کینہ پرور خدا کے خیال اور عیسائیوں کے محبت کرنے والے خدا کے خیال کو ملا کر گڑ بڑ کر دیا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ کبھی اسلام نے کسی طاقتور انسان کو خدا نہیں مانا۔ اور اللہ تعالےٰ کی ذات و صفات کے متعلق جو خیالات یہودیوں یا عیسائیوں میں پائے جاتے تھے۔ ان پر بہت کچھ ترقی اسلام نے کی ہے۔ جب قرآن فرماتا ہے کہ للہ الاسماء الحسنٰی یعنی خدا کے اسمائے حسنٰی ہیں یا اُس کے اندر اعلیٰ درجہ کی پاکیزہ صفات پائی جاتی ہیں اور وہ ہر قسم کے نقصوں اور عیبوں سے پاک ہے۔ جیسا کہ اس کی تسبیح میں صاف یہ بتا دیا تو ان اوصاف یا نقصوں کا مقابلہ کسی انسان یا کسی دُوسری مخلوق کے ساتھ وہ ہرگز نہیں کرتا +

صدیاں گذریں۔ جب امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا کہ: "اللہ اکبر کے متعلق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا مخلوق سے بڑا ہے۔ کیونکہ مخلوق اس کی قدرت کا ظہور ہے جیسے روشنی سورج کا ظہور ہے۔ اور یہ کہنا درست نہیں کہ سُورج اپنی روشنی سے بڑا ہے۔ بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالےٰ کی عظمت اور کبریائی ہمارے احاطۂ علم و قدرت سے بڑھ کر ہے اور کہ ہم کو اُس کی کمال عظمت و کمال کبریائی کا صرف ایک دُھندلا سا علم ہے۔ اگر ایک بچہ ہم سے یہ دریافت کرے کہ ہم اس کے سامنے اس خوشی کو بیان کریں جو تختِ حکومت پر متمکن ہونے سے حاصل ہوتی ہے تو ہم اس کو یوں سمجھائیں گے کہ یہ ایسی ہی خوشی ہے جیسے اسے گیند بلا کھیلنے میں حاصل ہوتی ہے۔ حالانکہ دونوں خوشیوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور صرف یہی اشتراک ان دونوں میں ہے کہ دونوں پر خوشی کا نام صادق آتا ہے۔ پس اللہ اکبر کے یہ معنے ہیں کہ اس کی کبریائی ہماری صفات مدرکہ سے بہت بالاتر ہے"

انسان کے پاس اظہار خیالات کے بہت محدود ذرائع ہیں۔ اس لیئے خدا کی صفات کا اظہار اُس کے سامنے انہی الفاظ میں کیا جاسکتا ہے یا وہ خود انہی الفاظ میں کر سکتا ہے جن الفاظ میں اپنی

بلکہ اپنے سے بھی نیچے درجہ کی مخلوق کی صفات کا۔ پس ہم یوں کہدیتے ہیں کہ خدا بھی سنتا ہے جانتا ہے محبت کرتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز ہمارے ذہن میں نہیں ہوتا کہ اس کے بھی ہمارے کانوں کی طرح کان ہیں یا ہمارے دل کی طرح دل ہے۔ ہم صرف وُہ اعلےٰ سے اعلےٰ صفات جو ہمارے واہمہ میں آسکتی ہیں اُس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور ہم اپنے اُس خیال کا اظہار عمدہ سے عمدہ الفاظ میں جو ہمیں میسّر آسکتے ہیں کرتے ہیں۔ ہاں یہودیوں اور عیسائیوں کا خدا بیشک خاص اشخاص یا اقوام کا خدا ہے۔ مگر اسلام کا خدا سارے عالم کا خدا ہے۔ اس کو ہم رُوح کہیں تو بھی یہ ایک مجازی ہے۔ خدا کی ذات اور صفات کا خیال اسلام میں ایسا اعلےٰ ہے۔ ایسا اِنسان سے برتر اور اس قدر غیر محدود کہ مشہور فلسفی تاریخ نویس کو اس کے عقلی ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے یہ کہنا پڑا کہ ہمارے موجودہ قوائے کے ادراک سے بہت بلند تر یہ خیال ہے۔ چنانچہ ہم نیچے ایک سالم پیرگراف کا ترجمہ دیتے ہیں جو اس پر گبن نے لکھا ہے۔

"محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا مذہب ہر ایک قسم کے شکوک اور مبہم امور سے پاک ہے۔ اور قرآن خدا کی توحید پر ایک شاندار شہادت ہے۔ نبی عربی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے بتوں اور انسانوں کی۔ ستاروں اور سیاروں کی پرستش کو اس عقلی اصول پر رد کیا کہ جو چیز طلوع ہوتی ہے وُہ غروب بھی ہوگی۔ جو پیدا ہوتا ہے وہ مرے گا اور جو چیز معرض زوال میں ہے وہ آخر فنا ہو جائے گی۔ اس عالم کے مُوجد اور بنانے والے کا عاقلانہ محبت اور جوش سے آپ نے اعتراف کیا۔ اور ایک غیر محدود اور ہمیشہ رہنے والی ہستی کی آپ عبادت کرتے تھے جس کی نہ کوئی شکل ہے نہ اس کے لیئے کوئی مکان ہے جس کی اولاد نہیں نہ اس کا کوئی شبیہہ ہے۔ جو ہمارے خفیہ سے خفیہ خیالات پر بھی مطلع ہے۔ جو واجب الوجود ہے اور جس سے تمام اخلاقی اور ذہنی کمالات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ اعلےٰ درجہ کی صداقتیں جن کو اس قسم کے الفاظ میں پیغمبر (صلے اللہ علیہ وسلم) نے بیان کیا۔ آپ کے پیرو مضبوطی سے اُن پر قائم ہیں۔ اور قرآن کے مفسّروں نے بڑی صفائی کے ساتھ ان سب باتوں کو بیان کیا ہے۔ ایک فلسفی خدا پرست آسانی سے مسلمانوں کے اس مذہب کا اقرار کر سکتا ہے ہاں یہ مذہب شائد ہمارے موجودہ قوائے کے لحاظ سے بہت ارفع ہے۔ خیال اور وہم کے لیئے بلکہ سمجھ کے لیئے بھی کونسا مدعا باقی رہ جاتا ہے۔ جب ہم اس غیر معلوم ہستی سے زمانہ اور مکان

حرکت اور مادہ احساس اور تدبر کے تمام خیالات کو الگ کردیں؛ عقل اور وحی کے پہلے اصول پر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے آواز نے مہر صداقت لگادی ۔اس کے پیرو ہندوستان سے لے کر مراکو تک موحد کے نام سے مشہور ہیں اور بت پرستی کا خطرہ بتوں کے بنانے سے روک دینے سے جاتا رہا ہے ‘‘

اس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ یہ دکھایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا خیال جو اسلام میں ہے وہ جدید ترین علمی خیالات سے مطابقت رکھتا ہے۔ ہیکل کا مونزم تھوڑی اور ترمیم اور ترقی کے ساتھ جس کو ہیکل خود بھی اسلام کے اصل منشاء اور حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد قبول کرنے سے انکار نہیں کرے گا۔ بالخصوص اس کے صوفیانہ پہلو کو وحدت الوجود سے ملتا جلتا ہوگا۔ اس مضمون پر میں پھر کبھی لکھوں گا +

اسلام میں مرد اور عورت کی حیثیت کا مقابلہ

(از قلم حضور والیہ بھوپال)

تمدنی زندگی کی بنیاد اللہ تعالےٰ نے مرد اور عورت کے اجتماع پر اور ان کے ایک دوسرے کے ساتھ گہرے تعلقات پر رکھی ہے۔ اس کا آغاز پہلے مرد اور پہلی عورت کے ہبوط کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جب تک ایک جوڑا بھی نسل انسانی کا اس زمین پر باقی ہے اس وقت تک اس کا بقا رہے گا۔ اس لیئے یہ ضروری ہوا کہ کچھ اصول اور قواعد ایسے مقرر کیئے جائیں جن کے ساتھ انکے تمدنی تعلقات کو منضبط اور ان کے اتحاد کے وسائل کو مضبوط کیا جائے۔ یہ اصول اور قوانین اللہ تعالےٰ نے اپنے پاک کلام قرآن کریم میں ہمارے لیئے بیان فرمائے ہیں اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنن اور احادیث میں ان کی وضاحت کردی ہے۔ مگر قبل اس کے کہ تمدنی زندگی کے قواعد کے متعلق کچھ لکھا جائے۔ یہ ضروری ہے کہ ہم صفائی سے بیان کردیں کہ ہمارے مذہب نے اپنے قوانین میں مرد اور عورت کی جداگانہ کیا حیثیت قرار دی ہے۔ اس پہلو پر غور

کرنے سے معلوم ہوگا کہ اسلام مرد اور عورت کے درمیان کوئی امتیاز قائم نہیں کرتا سوائے اسکے
جس کا متقاضی ان کی فطری بناوٹ کا اختلاف ہے اور وہ بھی اس لیئے نہیں کہ عورت کی حیثیت
کو کم کیا جائے۔ قرآن کریم نے ایک موقعہ پر ہر ترک شر اور کسب خیر کے فعل میں مردوں اور عورتوں
کا ذکر پہلو بہ پہلو رکھ کر کیا ہے اور اس طرح یہ بتا دیا ہے کہ خدا کے ہاں مرد اور عورت کا فرق ترک
شر اور کسب خیر میں کوئی فرق نہیں رکھتا۔ یہ آیت سورہ احزاب میں ہے جہاں فرماتا ہے (آیت ۳۵)

ان المسلمین والمسلمٰت والمؤمنین والمؤمنٰت والقٰنتین والقٰنتٰت والصٰدقین
والصٰدقٰت والصٰبرین والصٰبرٰت والخٰشعین والخٰشعٰت والمتصدقین
والمتصدقٰت والصائمین والصٰئمٰت والحٰفظین فروجھم والحٰفظٰت والذا
کرین اللہ کثیرا والذاکرات اعد اللہ لھم مغفرۃ واجرا عظیما۔

ترجمہ۔ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں۔ ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں
فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں۔ صادق مرد اور صادق عورتیں۔ صابر مرد اور صابر عورتیں۔
عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں۔ صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی
عورتیں۔ روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں عصمت کی حفاظت کرنے والے مرد
اور عصمت کی حفاظت کرنے والی عورتیں۔ اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور اللہ کو بہت یاد کرنے
والی عورتیں۔ اُن کے لیئے اللہ تعالےٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کیا ہے +

کمزور جنس کے لیئے یہ کیسی عظیم الشان خوشخبری ہے۔ مذہبی اور اخلاقی امور میں اس نے مرد اور
عورت کے درمیان کمال درجہ کی مساوات قائم کر دی ہے قرآن کریم کے نزول سے پہلے عورت
اس قابل بھی نہ سمجھی گئی تھی۔ کہ وہ قرب الٰہی کے میدان میں قدم رکھ سکے۔ اور پاکیزگی اور طہارت
کے اعلےٰ منازل کو طے کر سکے جو صرف مردوں کے لیئے ہی مخصوص سمجھی گئی تھیں۔ جاپان نے
ایام قدیم میں اپنی مذہبی درسگاہوں کے دروازے عورتوں پر بند کر رکھے تھے چین میں اس
بات کو گوارا نہ کیا جاتا تھا۔ کہ مردوں کے ساتھ مذہبی عبادات میں عورتیں بھی حصہ لے سکیں
ہندوستان کے وہ بت جن میں خدا کا حلول سمجھا جاتا تھا۔ اگر ان کو عورت اتفاق سے چھو جائے
تو بعض شاستروں کے مطابق اُن کی خدائی بھی جاتی رہتی تھی۔ بائبل شہادت دیتی ہے۔ کہ

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی اپنی ملکہ کو ہیکل کی مقدس حدود کے اندر داخل ہونیکی اجازت نہ دی۔ ایام وسطی کے کلیسیا نے تو عورت کی ذلت کو انتہا تک پہنچا دیا جب غلط مذہبی خیالات کے ماتحت ہر قسم کے بدترین الزامات اس کے سر پر تھوپے جانے لگے۔ مگر وقت پر اسلام عورت کو اس مصیبت اور ذلت سے چھڑانے کے لئے رحمت کا فرشتہ بن کر پہنچ گیا۔ اور اس کے لیئے بے نظیر برکات کا موجب ہؤا۔ مگر جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے۔ اسلام کے متعلق خطرناک غلط بیانیاں کی گئیں اور غلط فہمیاں پھیلائی گئیں۔ یہاں تک کہ یہ خیال پیدا ہو گیا کہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب نے عورت کو اور بھی نیچے گرا دیا ہے۔ میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ یہ اسلام پر ایک خطرناک بہتان تھا۔ اور ہے۔ اس بہتان کے باندھنے والے یا تو یہ نہیں جانتے کہ روح کیا چیز ہے یا انھوں نے ہمارے ان اخلاق فاضلہ کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ جن کی اگر مناسب طریق پر پرداخت کی جائے۔ تو وہ ہماری روحانیت کو مضبوط کرتے اور روح انسانی کو بلند سے بلند پرواز کے قابل بناتے ہیں۔ لکھا ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام سے آپ کے شاگردوں نے دریافت کیا کہ وہ بڑے بڑے عجائبات کس طرح دکھا سکتے ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ یہ قسم سوائے نماز اور روزہ کے نہیں نکل سکتی۔ جس سے معلوم ہؤا کہ نماز اور روزہ سے ہی انسان اعلےٰ ترقیات حاصل کرتا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے نماز اور روزہ کی حد تک اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ہماری روحانیت کی تکمیل کے لیئے کچھ اور اخلاق فاضلہ ساتھ بڑھا دیئے ہیں جو مندرجہ بالا آیت کی رو سے مرد اور عورت دونوں یکساں طور پر حاصل کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ منقولا بالا آیت میں صفائی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ آیت (اور خدا کی پاک کتاب میں اس قسم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں) ان لوگوں کو جھٹلانے کے لیئے کافی ہے۔ جنھوں نے مغرب میں یہ خیال پھیلا رکھا ہے۔ کہ اسلام عورت میں روح ہونے سے انکار کرتا ہے +

غرض ساری اسلامی تعلیم میں یہ میلان صاف نظر آتا ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان مساوات قائم کی جائے۔ ہاں دونوں جنسوں میں اگر فرق کیا گیا ہے تو صرف یہ کہ اپنی بناوٹ کی رو سے ان کے فرائض الگ الگ ہیں۔ اور قدرت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے فرائض کو الگ الگ پورا کریں۔ نسل انسانی کی ترقی کے لیئے اُن کو علٰحدہ علٰحدہ فرائض انجام دینے ضروری ہیں اور

۲۔ چھوٹے بچوں کی تربیت کے لئے یہ ضروری تھا۔

اس لیئے ان فرائض کی ادائگی کے لیئے انھیں سامان بھی الگ الگ دیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ لازمی تھا کہ ان کی بناوٹ میں معتدبہ اختلاف ہوتا اور اس کا اثر بعض اخلاقی اوصاف پر بھی ضروری تھا مثلاً ان کے اخلاق میں نرم دلی اور رحم کا پہلو بہت غالب ہو۔ مگر اسی وجہ سے ان اخلاق کا مالک اس قابل بھی نہیں کہ عام طور پر زندگی کے خطرناک مصائب اور شدائد کے مقابلہ میں مضبوطی کے ساتھ قائم رہ سکے پس اگر اندرون خانہ کے فرائض کی تکمیل عورت کے سپرد کی گئی تو زمانہ کی شدائد کا مقابلہ مرد کے سامنے رکھا گیا۔ اسی لیئے یہ بھی ضروری ہوا کہ امن اور حفاظت مال وجان کا کام بھی مضبوط جنس کے سپرد کیا جائے اور اس طرح پر مرد کو عورت پر ایک فوقیت مل گئی۔ مرد کی یہ خصوصیت نسل انسانی کی ترقی کے سامانوں کے قائم رکھنے کا لازمی نتیجہ تھی۔ کیونکہ اگر یہ فرق قائم نہ کیا جاتا تو نسل انسانی کی ترقی اور حفاظت کا کوئی انتظام نہ ہوتا ورنہ یوں مرد اور عورت ہر رنگ میں یکساں پیدا کیئے گئے اور اس لیئے ان میں مساوات بھی ہر رنگ کی پائی جاتی ہے۔ قرآن کریم نے اس مسئلہ کو بڑی خوبی سے حل کیا ہے۔ جہاں فرمایا ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجۃ عورتوں کے لیئے حقوق ہیں مثل ان کے جو ان عورتوں کے اوپر ہیں اور مردوں کو ان کے اوپر ایک مرتبہ دیا گیا ہے (البقرہ۔ ۲۲۸) یہ درجہ کی فوقیت جسکا اس ایت میں ذکر ہی کیا ہے۔ یہ بھی قرآن کریم نے خود ہی ہمیں بتا دیا ہے۔ الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض وبما انفقوا من اموالھم۔ مرد عورتوں کے متکفل ہیں کیونکہ اللہ تعالے نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ اور اسلئے کہ وہ اپنے مالوں میں سے خرچ کرتے ہیں (النساء۔ ۳۴)

اسلام اور شرک

(از ڈوڈلے رابٹ)

مسلمان کیوں عقیدۂ تثلیث کو نفرت کی نگہ سے دیکھتے ہیں؟ اوّل اس لیئے کہ اُس کی بُنیاد کسی الہامی کتاب پر نہیں اور دوسرے اس لیئے کہ یہ عقل کے خلاف ہے۔ عیسائی عقیدہ کے حامیوں کے لئے بُہت ہی مشکل کا سامنا ہو۔ اگر ان کی زندگی صرف اسی بات سے وابستہ ہو کہ پُرانے یا نئے عہد نامہ میں کوئی ایک ہی فقرہ ایسا نکال دیں جس میں صراحت کے ساتھ مسیح کے خدائی کے عقیدہ یا خدائی میں تثلیث کے عقیدہ کی تائید ہو +

عیسائیت کے شروع شروع میں اس عقیدہ کی تعلیم کبھی نہیں دی گئی۔ جسٹس مارٹر جسکی تصانیف کا زمانہ دوسری صدی کا آغاز ہے۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے خدائی مسیح کی طرف منسوب کی اور یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ عیسائی ہونے سے پہلے وہ ایک فلسفی تھا۔ اور تبدیل مذہب نے فلسفہ کا رنگ اس کی طبیعت سے دور نہیں کر دیا تھا۔ وہ جہاں لیسوُع کو خدا کا بیٹا کہتا ہے ساتھ ہی اس کے اُس کا عذر بھی ان الفاظ میں پیش کرتا ہے کہ "یہ عقیدہ ان لوگوں کے لیئے نیا نہیں جو اعتقاد رکھتے ہیں کہ جُپٹر یعنی سب دیوتاؤں کا سردار بیٹے رکھتا ہے۔ اور پھر کہتا ہے" اگر مسیح محض انسان بھی ہو تو بھی وہ اپنی دانائی کی وجہ سے اس بات کا مستحق ہے کہ اُسے خدا کا بیٹا کہا جائے اور غیر عیسائی اقوام خدا کو دیوتاؤں اور انسانوں کا باپ سمجھتی ہیں اور اگر وہ غیر معمولی طور پر خدا کا کلام ہے تو اس قول کا ان لوگوں کے ساتھ اشتراک ہے جو مشتری کو کلام سمجھتے ہیں جو خدا کی مرضی کا اظہار کرتا ہے" +

مگر تثلیث کا عقیدہ باقاعدہ طور پر اس وقت مشتہر کیا گیا جب ۳۲۵ء عیسوی میں نائس کی کونسل منعقد ہوئی اور اس کونسل کے انعقاد اور اس کے فیصلہ کے اعلان کے بعد بھی ہلری نے بارہ کتابیں تثلیث کے عقیدہ پر لکھیں۔ جن میں اُس نے یہ ثابت کیا کہ خدا باپ ہے قائم بالذات اور لفظ کے حقیقی معنوں میں سچا خدا تھا۔ بلکہ نائس کی کونسل میں بھی وہ دعوے نہیں کیا گیا۔ جواب کیا جاتا ہے کہ تثلیث کا ہر ایک اقنوم یکساں طور پر ازلی اور غیر مخلوق ہے

خود لفظ ٹرینٹی (تثلیث) بہت پیچھے استعمال ہوا ہے جس کو پہلے پہل سکندریہ کے رہنے والے کلیمنٹ نے استعمال کیا ہے۔ اور وہ بھی اپنی بہت ساری تحریروں میں صرف ایک دفعہ خدائی کے اقانیم کی تثلیث کو ظاہر کرنے کے لیئے نہیں بلکہ ایمان امید اور فیاضی کے برکات ثلاثہ کے اظہار کے لیئے ۳۸۱ء میں کلیڈن کی کونسل میں عقیدۂ تثلیث نے قریبًا قریبًا اپنی موجودہ صورت اختیار کی۔ مگر اس وقت بھی کلیسیا کے ایک سے زیادہ فرقوں نے اس کی سخت مخالفت کی +

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت بُت پرستی اور شرک کا مسیحی کلیسیا کے سارے فرقوں اور عرب کے اندر خوب زور وشور تھا۔ عرب کے لوگ اللہ تعالےٰ کے سب سے اُوپر ہونے کے قایل تھے۔ مگر پھر بھی لکڑی اور پتھر کے بتوں کی پُوجا کرتے تھے۔ بلکہ انسانی قربانی کی خوفناک رسم بھی جاری تھی۔ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے والد اس قربانگاہ کی نذر کیئے گئے تھے۔ اور ایک سو اُونٹوں کا فدیہ دے کر اُن کی رہائی ہوئی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب نے کعبہ کے بتوں کے سامنے یہ قسم کھائی تھی (کیونکہ اس وقت کعبہ خدا کی توحید کا نشان ہونے کی بجائے بُت پرستی کا مرکز بنا ہوا تھا) کہ اگر وہ دس بیٹوں کا باپ ہو جائے تو وہ اُن میں سے ایک کو قربانی پر چڑھا کر اظہار شکریہ کرے گا۔ آخر کار یہ عدد جس کے ساتھ ایک انسانی جان کی ہلاکت وابستہ تھی پورا ہو گیا۔ اور دسواں یعنی سب سے چھوٹا عبد اللہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا والد تھا جس کے ساتھ اس کے باپ کو سب سے بڑھ کر محبت بھی تھی۔ نذر کے پورا کرنے میں کچھ توقف کیا گیا۔ مگر اس کا پورا کرنا ضروری تھا۔ کیونکہ دیوتاؤں کے سامنے جو قسم اُٹھائی جائے اُسکی خلاف ورزی نہ ہو سکتی تھی۔ دسوں بیٹوں کو باپ لے کر کعبہ میں گیا اور اُن میں سے ہر ایک کا نام ایک پتھر پر لکھا گیا۔ تاکہ قرعہ سے یہ فیصلہ کیا جائے۔ کہ کونسا بیٹا قربان کیا جائے۔ قرعہ میں سب سے چھوٹے عبد اللہ کا نام نکلا۔ باپ نے غمزدہ ہو کر پھر نذر مانی کہ وہ اپنے بیٹے کی جگہ دس اونٹ قربان کرے گا۔ اگر جوے کا تیر اس طرح فیصلہ کر دے۔ پھر قرعہ ڈالا گیا اور پھر بھی وہ عبد اللہ کے نام پر نکلا۔ عبد المطلب نے اونٹوں کی تعداد کو دُگنا کر دیا۔ مگر قرعہ پھر بھی عبد اللہ کے نام پر ہی رہا۔ آٹھ مرتبہ اسی طرح یکے بعد دیگرے قرعہ اندازی کی گئی اور ہر دفعہ دس دس اونٹ زیادہ کیئے گئے۔ یہاں تک کہ نوّے اونٹوں کے بالمقابل بھی قرعہ عبد اللہ کے نام ہی نکلا

آخر جب سو اونٹ تک نوبت پہنچی تو قرعہ میں عبداللہ کا نام خالی نکلا اور اس طرح اُس کی جان بخشی ہوئی۔ ایک سو اُونٹ ذبح کیئے گئے اور اُن کا گوشت غربا میں تقسیم کیا گیا۔ اور عبداللہ اپنے والدین کے سپرد کیا گیا۔ اور آخرکار اُن کے گھر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے +

حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا۔ کہ اس شرک کو جڑ سے کاٹا جائے جس میں یہودی عیسائی اور بت پرست لوگ سب یکساں مبتلا ہو رہے تھے۔ آپ کا مقصد تھا کہ خدا کی توحید دُنیا سے منوائیں اور بت پرستوں کو صداقت کا علم دیں جو کہ اس وقت تک ناممکن تھا جب تک پہلے بُت پرستی کا استیصال ہو۔ اسلام کی ابتدا میں کچھ عرصہ تک مسلمان نماز پڑھتے وقت یروشلم کیطرف موُنھ کیا کرتے تھے۔ مگر نہ اس غرض سے کہ یہودی اسلام میں داخل ہو جائیں۔ جیسا کہ بعض مصنفین نے خیال کیا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد بجائے یروشلم کے کعبہ کو قبلہ قرار دیا گیا اور اس کے تھوڑا عرصہ بعد خانہ کعبہ بتوں سے پاک کر کے اپنی اصل حالت پر قائم کیا گیا۔ جیسا کہ ابراہیم و اسماعیل نے اس کی تعمیر کی تھی +

اس طرح پر اسلام نے ہمیشہ انسان کے سامنے ایک بُلند نصب العین رکھا ہے۔ اور وہ یہ کہ وہ اپنے ہر فعل کا خدا کے سامنے ذمہ وار ہے اور یہ بھی اسے سکھایا ہے کہ نجات کی بُنیاد عقیدہ نہیں بلکہ اخلاق ہیں۔ اسلام انسانی قربانی اور کفارہ کو غلط بتاتا ہے اور اس کی بجائے انسان کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایک زندہ قربانی کے طور پر پیش کرے اور وہ یہ کہ اپنے آپ کو اسکی خدمت میں لگائے۔ غریبوں اور بوڑھوں اور والدین کی تعظیم اور اُن پر شفقت کو ایک مقدس فرض انسانی قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی طرح محتاج اور یتیم کی خبر گیری کو بھی۔ ان کی طرف بار بار قرآن کریم نے توجہ دلائی ہے +

چرچ مشنری سوسائٹی کا پادری ٹی۔ پی ہیوز کہتا ہے کہ "محمدی مذہب کی کچھ بھی کمزوریاں ہوں تمام انصاف سے کام لینے والے اس بات کے معترف ہیں کہ اُس نے غربا کی مدد کا جو انتظام کیا ہے وہ بہت ہی قابل تعریف ہے مسلمان ممالک میں کوئی محنت کے گھر نہیں ہوتے۔ جیسا کہ پراٹسٹنٹ ممالک میں پلئے جاتے ہیں +

جو شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر اتفاقی نظر بھی ڈالے گا اس پر یہ بات اثر کئے بغیر نہیں رہے گی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم میں مذہب کی کیفیت اور اس کی اشاعت کے لیئے آپ کی سرگرمی اور ہمت اپنے اندر ایک بھاری حقیقت مضمر رکھتی ہے۔ جس طرح پر دوسرے انبیا جھوٹ اور غلط بیانیوں کا شکار ہوئے ہیں۔ وہی خدا کی سنت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کیساتھ بھی ہوئی۔ اور ان میں سے بہت سے جھوٹ آج تک چلے جاتے ہیں۔ اس کو ایک مذہبی دیوانہ کہا گیا۔ مگر اس میں کیا مضائقہ ہے۔ کیونکہ دنیا میں جو کچھ بھی دیرپا اچھا کام کسی نے کیا ہے اسکو ضرور دیوانہ کا خطاب دیا گیا ہے اور یہ اصطلاح ان لوگوں کے لیئے مخصوص کی گئی ہے جو حق کی حمایت میں پورا زور لگاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اس دنیا سے گذر جاتے ہیں۔ اور تب ان کو بہادر کہا جاتا بلکہ پیغمبر مان لیا جاتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ سب باتیں دیکھیں جو مصلحوں کی دیکھنی پڑتی ہیں اور اگر آپ کے رفقاء اور اہل وطن جو آپ کے حالات کے بہترین واقف تھے۔ آپ کو الامین کے معزز نام سے پکارتے تھے۔ مگر جن لوگوں کو آپ کے حالات کا علم نہیں تھا۔ اور نہیں ہے انھوں کو عمدًا یا جہالت سے آپ کے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ جیسا کہ کارلائل نے کہا ہے وہ جھوٹ جو نیک ارادہ کے پیرایہ میں اس شخص کے نام کے گرد اکٹھے کیئے گئے ہیں خود اپنے لیئے شرم کا موجب ہو گئے ہیں۔ اس مذہب کی جس کی آپ نے بنیاد رکھی بعض مخالفین نے اپنی اغراض کیلیئے یہی مفید سمجھا ہے کہ جھوٹے قصوں کو پھیلائیں۔ اور بالخصوص اب یہ پراٹسٹنٹوں کا شیوہ ہو گیا ہے اور خود یہی امر اس امید پر پانی پھیرنے کے لیئے کافی ہے جس کا اظہار سیل نے کیا تھا۔ کہ اسلام کی تباہی پراٹسٹنٹوں کے ہاتھ سے ہو گی +

نئے عہد نامہ کا زمانہ

نمبر ۲

(از یحییٰ بارکنسن)

اب ہم اگنیشس کے خطوط کو لیتے ہیں۔ یہ وہ تحریریں ہیں جن کی وجہ سے ایک ایسی غیر ضروری بحث نے طول پکڑا ہے جس کا فیصلہ مدت سے ہو گیا ہونا چاہیئے تھا۔ ان خطوط پر جو بحث ہوئی ہے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں علم وفضل کا بڑا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ صرف اس صورت میں قابل تسلیم ہے۔ جب ہم علم وفضل کو صرف یونانی اور لاطینی زبانوں کے علم تک محدود سمجھیں۔ لیکن اگر علم وفضل سے مراد محققانہ تنقید۔ گہری سوچ اور وسیع علم ہے تو ہم میں سے بعض کے لیئے یہ بحث بالکل خشک ہے۔ کل پندرہ خطوط اگنیشس کی طرف منسوب کیئے جاتے ہیں۔ یعنی:۔

(۱-۲) یوحنا حواری کے نام .... ۲ خط
(۳) کنواری مریم کے نام .... ۱ "
(۴) طرسیون کے نام .... ۱ "
(۵) انطاکیہ والوں کے نام .... ۱ "
(۶) فلپیوں کے نام .... ۱ "
(۷) ہیرو انطاکیہ کے ایک ڈیکن کے نام ۔ ۱ "
(۸) کیسبلو کے مریم کے نام .... ۱ "
(۹) افسیوں کے نام .... ۱ خط
(۱۰) مگنیسیوں کے نام .... ۱ "
(۱۱) ٹرالیوں کے نام .... ۱ "
(۱۲) رومیوں کے نام .... ۱ "
(۱۳) فلاڈلفیا والوں کے نام .... ۱ "
(۱۴) سمرنیوں کے نام .... ۱ "
(۱۵) پالیکارپ کے نام .... ۱ "

تین خطوط صرف لاطینی زبان میں ہیں۔ باقی لاطینی اور یونانی دونوں زبانوں میں پائے جاتے ہیں اس فہرست میں اوّل الذکر آٹھ خطوط کو عموماً جعلی سمجھا جاتا ہے۔ اندرونی شہادت بتاتی ہے کہ وہ بعد کے زمانہ کے ہیں اور کسی پہلے زمانہ کے مصنف کی تصنیف میں اُن کا نام نہیں پایا جاتا۔ موخر الذکر سات خطوط کے یونانی اور لاطینی دونوں زبانوں میں دو دو نسخے پائے جاتے ہیں۔ ایک طویل اور ایک مختصر ان دونوں میں عبارت کا بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ چند نسلوں میں سے یہ بحث گذر کر اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اور منقدین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ طویل نسخہ بعد کے زمانہ کا ہے اور اسی میں مزید عبارتیں

داخل کی گئی ہیں۔ اور مختصر نسخہ قدیم ہے اور اصلی ہے ۔

۱۸۴۵ء میں یہ بحث از سرِ نو کھل گئی۔ جب ڈاکٹر کیورٹن نے ایک سریانی نسخہ تین خطوط کا شائع کیا۔ ایک خط بنام پالیکارپ۔ ایک خط افیسون کے نام اور ایک خط رومیوں کے نام۔ یہ خطوط چند مسودات میں سے ملے تھے۔ جو ڈاکٹر ٹاٹم نے سینٹ میری ڈیپارا کے راہبوں سے خریدے۔ یہ سریانی نسخے مختصر یونانی نسخوں سے بھی چھوٹے ہیں۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ اصل یہ سریانی ہیں بعض کا خیال ہے کہ یہ یونانی نسخوں کے خلاصے ہیں۔ مگر یہ عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ چھوٹے یونانی نسخے بھی زوائد سے خالی نہیں۔ اس بحث کا ابھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ میری رائے ہے کہ یہ جعلی ہیں اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس کے سوائے اور کوئی نتیجہ ان نسخوں کو پڑھ لینے کے بعد کس طرح نکالا جا سکتا ہے۔ اس فرضی خطوط نویس اگنیشس کے اپنے حالات کا ہم کو کوئی علم نہیں۔ سوائے اس کے جو خود خطوط بتاتے ہیں۔ اگر ہم اُن کو اصلی فرض کر لیں۔ ہاں اُس کا ذکر اور اُس کی چٹھیوں کا حوالہ پالیکارپ کے خط بنام فلپیوں میں ہے اور اس خط پر میں اگلے نمبر میں بحث کروں گا۔ پھر کچھ شہادت نامے ہیں۔ مگر وہ خود بہت پچھلے زمانہ کے ہیں اور اُن کی بنیاد انہی خطوط پر ہے۔ ان کی شہادت کی ساری کہانی جیسا کہ وہ رومیوں کے نام کے خط میں اور شہادت نامہ میں مندرج ہے بالکل ناقابل اعتبار ہے۔ چنانچہ ذیل کی عبارت جو رومیوں کے نام کے خط سے لی گئی ہے قابل غور ہے ۔

شام سے لے کر رُوم تک مَیں درندوں کے ساتھ جنگ کرتا ہوں خشکی پر بھی اور تری پر بھی۔ رات بھی اور دن بھی۔ دس چیتوں سے وابستہ ہو کر میری مراد سپاہیوں کے ایک گروہ سے ہے۔ جن کو جب فائدہ بھی پُہنچایا جائے تو وُہ پہلے سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں۔ مگر میں اُن کی تکلیف رسانی سے اور بھی زیادہ تعلیم حاصل کرتا ہوں۔ مسیح کے ایک شاگرد کے طور پر کام کرتا ہوا۔ مگر صرف اس قدر سے میں گناہوں سے نجات نہیں پاتا۔ ایسا ہو کہ میں ان جنگلی درندوں سے تمتع حاصل کروں جو میرے لیئے تیار کیئے گئے ہیں۔ اور میں دُعا کرتا ہوں کہ وہ مجھ پر حملہ کرنے کا جذبہ اپنے اندر رکھتے ہوں۔ اور میں خود بھی اُن کو ترغیب دُونگا کہ وہ جلدی سے مجھے نگل جائیں۔ اور میرے ساتھ ایسا معاملہ نہ کریں جو بعض ایسے لوگوں سے کیا ہے۔ جن کو انھوں نے خوف کی وجہ سے چھوڑا نہیں۔ لیکن اگر وہ مجھ پر حملہ کرنیکے لئے رضامند نہوں تو میں اُنکو ایسا کرنیکے لیئے مجبور کرونگا مجھے اس امر میں معاف رکھا جائے میں خوب جانتا ہوں۔ کہ میرے

فائدہ کی کیا چیز ہے۔ اب میں ایک شاگرد بننا شروع ہوتا ہوں اور کوئی چیز ظاہر ہو یا چھپی ہوئی۔ اس بات میں مجھ پر حسد نہ کرے کہ میں یسوع مسیح کو پاؤں۔ آگ اور مصائب (صلیب) آئیں جنگلی درندوں کے گروہ آگے بڑھیں۔ مجھے پھاڑ دیا جائے۔ میری ہڈیوں کو الگ الگ کر کے توڑ دیا جائے۔ میرے اعضاء کو کاٹ دیا جائے۔ میرے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔ اور شیطان کے تمام خطرناک دکھ مجھ پر آئیں ان کی مجھے پروا نہیں۔ اگر میں یسوع مسیح تک پہنچ جاؤں"

میں ناظرین پر چھوڑتا ہوں کہ اس تحریر کے لکھنے والے کی دماغی حالت کا اندازہ کریں۔ یہ فرض کیا گیا ہے کہ پارتھیا کے جنگوں میں ٹراجن نے انطاکیہ کے مقام پر اس شخص پر ۱۱۵ء میں موت کا فتویٰ صادر کیا تھا۔ اور حکم دیا تھا کہ اسے روم میں لیجا کر جنگلی جانوروں کے آگے ڈال دیا جائے اور یہ خیال کیا گیا ہے کہ یہ خطوط اس شخص نے انطاکیہ سے روم کو جاتے وقت لکھے۔ جب وہ سپاہیوں کی حراست میں ایک مجرم کے طور پر لیجایا جا رہا تھا۔ جیسا کہ حوالہ سے ظاہر ہے وہ اُن کے ظلم کی شکایت کرتا ہے۔ اور ان کا جنگلی درندوں سے مقابلہ کرتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ وہ اسقدر آزاد تھا کہ دوست اس کی ملاقات کو آتے ہیں وہ خطوط لکھتا ہے۔ جہاں جہاں سے وہ گذرتا ہے وہاں کے بشپ اور ڈیکن اور عیسائی اقوام کے وفد اس کے پاس آتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے مخلص وفادار دوست ہیں اور وہ دس چیتے کچھ دخل نہیں دیتے۔ نہ ان امور میں اسکی کچھ مخالفت کرتے ہیں۔ یہ ظالم وحشی درندے اُس کو وہی کام کرنے کی اجازت دیتے ہیں جنکی بنا پر اس پر موت کا حکم صادر کیا گیا ہے۔ اب یہ ساری کہانی اس قدر بیہودہ ہے کہ ایک انسان جو اپنی درائیت سے کچھ بھی کام لے کبھی اس کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ رومی سپاہیوں کی تاریخ خود اس کہانی کی تکذیب کرتی ہے اور خود ان چٹھیوں کو جھوٹا اور فرضی ٹھیراتی ہیں +

آئیرینیس جس کا زمانہ ۱۷۰ء اور ۲۰۲ء کے درمیان ہے رومیوں کے نام کے خط سے ایک فقرہ نقل کرتا ہے مگر یہ نہیں بتاتا۔ کہ یہ فقرہ اس نے کہاں سے لیا۔ اس لئے لارڈ زغطہ کا خیال ہے کہ یہ فقرہ کہیں اور سے نہیں لیا گیا۔ آریجن تیسری صدی کے نصف میں دو دفعہ اگنیشس کا نام لے کر ذکر کرتا ہے اور رومیوں کے نام کے خط سے ایک فقرہ نقل کرتا ہے "مگر میری محبت صلیب دیگئی ہے" اور ایک فقرہ افیسون کے نام کے خط سے نقل کرتا ہے "اس دنیا کے شاہزادہ سے مریم کا کنوارپن مخفی رکھا

گیا۔ یوسی بی اس ان سات خطوط کا ذکر کرتا ہے جن کو اصلی سمجھا جاتا ہے۔ جس کی بڑی وجہ خود یہ ذکر ہے۔ وہ رومیوں کے خط سے کچھ نقل کرتا ہے۔ آئرینیس کا حوالہ دیتا ہے اور اس فقرہ کو نقل کرتا ہے جو پہلے اریجن نقل کر چکا ہے۔ اور چند الفاظ ایک جعلی انجیل کی بھی نقل کرتا ہے جو سمرنیوں کے نام کے خط میں ہیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے۔ کہ آخری حوالے کے سوائے باقی سب حوالے سریانی نسخہ سے ہیں۔ اور اس خط کا سریانی نسخہ دنیا میں کوئی موجود نہیں۔ اتھنیسیس سب سے پہلا مصنف ہے جو اگنیشس کی طرف ان تین خطوط کا کوئی فقرہ منسوب کرتا ہے جن کے سریانی نسخے ہمارے ہاتھ میں ہیں۔ مگر وہ فقرہ سریانی نسخہ میں موجود نہیں اور یہ چوتھی صدی کے پچھلے حصہ کا ذکر ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان خطوط کے بعض فقرے ہماری انجیلوں سے لیئے گئے ہیں۔ مگر یہ امر ایسا بالبداہت غلط ہے کہ اس پر بحث کی بھی ضرورت نہیں۔ مثال کے طور پر جو سب سے بڑا حوالہ پیش کیا جاتا ہے میں اُسے لیتا ہوں۔ یہ رومیوں کے نام کے خط کے چھٹے باب میں ہے۔

"اس دُنیا کی ساری خوشیاں۔ اور اس زمانہ (یا زمین یا وقت) کی ساری سلطنتیں مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔ میرے لیئے یہ بہتر ہے کہ یسوع مسیح کی خاطر مر جاؤں بہ نسبت اس کے کہ زمین کے سارے کناروں پر حکمرانی کروں۔ کیونکہ ایک انسان کو کیا فائیدہ ہے کہ وہ ساری دنیا کو حاصل کرے۔ مگر اپنی رُوح کو کھو دے۔ میں تو اُسی کو تلاش کرتا ہوں جو ہمارے لیئے مرا۔ میں اسی کو چاہتا ہوں جو ہماری خاطر دوبارہ اُٹھا۔ یہ وہ فائیدہ ہے جو میرے لیئے رکھا گیا۔"

یہ ظاہر ہے کہ اس عبارت میں جو متی ۱۶: ۲۶ کا حوالہ ہے وہ بعد میں بڑھایا گیا ہے۔ لاطینی نسخہ میں یہ مطلق نہیں پایا جاتا اور کیسلر کے مطابق سکندریہ کے تطاؤس کی تصنیف میں یہ نہیں پایا جاتا اگر اس کو حذف کر دیا جائے تو اس کے بغیر فقرہ پورا ہے۔ مفہوم صاف ہے اور عبارت بہتر ہے۔ اسکا بعد میں بڑھایا جانا صاف ہے۔ کسی ابتدائی زمانہ کے پڑھنے والے نے اس عبارت کو متی ۱۶: ۲۶ سے ملتا جلتا پا کر وہ فقرہ حاشیہ پر لکھدیا۔ اور آہستہ آہستہ اصل عبارت میں درج ہو گیا۔ اکثر محقق اسے زائد تسلیم کرتے ہیں۔ اس زمانہ میں یہ عام دستور تھا کہ ایک عبارت میں کوئی فقرہ بڑھا دیا اور اس کا ثبوت سب سے بڑھ کر خود انہی خطوط سے ملتا ہے جن پر ہم یہاں بحث کر رہے ہیں۔ اور گو میں ڈرتا ہوں کہ ناظرین کے لیئے ذیل کا طویل حوالہ باعث ملول ہو۔ مگر ایسے طریقوں پر غور

کر کے ہی ہم کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ ذیل کی عبارت سمرنیوں کے نام کے خط میں مختصر یُونانی نُسخہ کا تیسرا باب ہے +

"کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اپنے جی اُٹھنے کے بعد بھی وہ گوشت رکھتا تھا۔ اور میں یقین کرتا ہوں کہ ایسا ہی وہ اب بھی ہے۔ مثلاً جب وہ اُن کے پاس آیا جو پطرس کے ساتھ تھے۔ تو اُس نے اُن کو کہا پکڑو مجھے ہاتھ لگاؤ۔ اور دیکھو کہ میں رُوح بلا جسم نہیں ہوں۔ اور اُنھوں نے فوراً اُس کو چھوا اور یقین کیا اور اس کے گوشت اور روح دونوں کی وجہ سے قائل ہو گئے اسی وجہ سے وہ موت کو بھی حقارت کی نگہ سے دیکھتے تھے اور اُس کے فاتح بن گئے۔ اور اپنے جی اُٹھنے کے بعد اُس نے اُن کے ساتھ کھایا اور پیا۔ جیسے کہ وہ گوشت رکھتا تھا۔ گو وُہ رُوحانی طور پر باپ کے ساتھ مِل چکا تھا"

یہ آسانی سے معلوم ہو جائے گا کہ اسی باب میں ہماری انجیلوں سے نہ کوئی فقرہ نقل کیا گیا ہے اور نہ ہی اُن کی طرف کوئی اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ بعض الفاظ یسوُع کی طرف منسوب کرتا ہے۔ جو ہماری انجیلوں میں نہیں پائے جاتے۔ ان الفاظ پر خط کھینچ دیا گیا ہے۔ یوسیبیُس فقرہ کو نقل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ معلوم نہیں یہ کہاں سے لیا گیا ہے۔ جیروُمی کہتا ہے کہ یہ فقرہ عبرانیوں کی انجیل میں پایا جاتا ہے۔ یہ انجیل نصرانیوں میں مروّج تھی۔ اس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ آریجن یہ فقرہ ایک ایسی تصنیف سے نقل کرتا ہے جو کلیسیا میں پہلے زمانہ میں مروّج تھی۔ جس کا نام "پطرس کی تعلیم" ہے۔ یہ آگے چل کر ہم کو معلوم ہوگا۔ کہ ابتدائی زمانہ کے مصنّف وضعی انجیلوں سے فقرے نقل کر دیتے تھے جو بعض حالات میں ہماری انجیلوں سے مختلف ہیں۔ بعض ان سے ملتے جلتے ہیں۔ اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کیونکہ یہ نہایت ضروری ہے +

طویل یونانی نُسخہ میں وہی تیسرا باب یُوں چلتا ہے :۔

"اور میں جانتا ہوں کہ وہ ایک جسم رکھتا تھا۔ جو صرف پیدا ہونے اور صلیب پانے تک نہ تھا مگر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وُہ اپنے جی اُٹھنے کے بعد بھی ایسا ہی تھا۔ اور یقین کرتا ہوں کہ وُہ اب بھی ایسا ہی ہے۔ مثلاً جب وہ ان لوگوں کے پاس آیا جو پطرس کے ساتھ تھے۔ تو اُس نے انھیں کہا۔ پکڑو مجھے ہاتھ لگاؤ اور دیکھو کہ میں رُوح بلا جسم نہیں ہوں۔ کیونکہ رُوح گوشت

اور ہڈیاں نہیں رکھتی۔ جیسا کہ تم مجھے دیکھتے ہو۔ اور اُس نے تھوما کو کہا۔ ادھر اپنی انگلی کیلوں کے نشانوں کے اندر پہنچا۔ اور اپنا ہاتھ ادھر پہنچا اور اپنا ہاتھ میرے پہلو میں داخل کر۔ اور فوراً اُن کو یقین ہو گیا کہ وہ مسیح تھا۔ اس لیئے تھوما بھی اُسے کہتا ہے میرے آقا اور میرے خداوند۔ اور اس لیئے وُہ موت کو بھی حقیر سمجھتے تھے۔ کیونکہ یہ بہت تھوڑا تھا کہ کہا جائے ذلت اور کوڑے اور صرف اسی قدر نہیں۔ بلکہ بعد اس کے کہ اس نے اپنے آپ کو اُن پر ظاہر کر دیا۔ واقعی وُہ اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ اور صرف ظاہری صورت میں ہی نہیں وُہ پورے چالیس دن تک ان کے ساتھ کھاتا اور پیتا رہا۔ اور اس طرح وہ گوشت کے ساتھ ان کے دیکھتے دیکھتے اس کے پاس جا پہنچا جس نے اُسے بھیجا تھا۔ اور پھر اسی گوشت کے ساتھ شان وشوکت اور طاقت کو لیئے ہوئے دوبارہ آئے گا کیونکہ مقدس پیشگوئیاں کہتی ہیں کہ وہی یسوع جو تمہارے پاس سے آسمان میں اُٹھالیا گیا ہے۔ اسی طرح پر واپس آئے گا۔ جس طرح پر تم نے اُسے آسمان میں جاتے دیکھا ہے۔ لیکن اگر وہ کہیں کہ وہ دُنیا کے خاتمہ پر بغیر جسم کے آئے گا۔ تو وہ لوگ اس کو کس طرح دیکھیں گے جنہوں نے اسے چھیدا تھا اور جب وہ اسے پہچانیں گے تب اپنے لیئے ماتم کریں گے۔ کیونکہ وہ ہستیاں جو جسم نہیں رکھتیں وہ شکل وصورت بھی نہیں رکھتیں۔ اور نہ صورت والے حیوان کی طرز اُن کی ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کی بناوٹ خود سادہ ہوتی ہے"

قارئین دیکھ لیں گے کہ اس عبارت میں کیا کیا فقرے بڑھائے گئے ہیں اور ان کے اندر ایسے فقرات داخل کیئے گئے ہیں جو ذیل کی عبارات سے ملتے جلتے ہیں۔ یعنی لوقا ۲۴: ۳۹۔ یوحنا ۲۰: ۲۷ و ۲۸۔ اعمال ۱: ۱۱۔ مکاشفات ۱: ۷۔ ذکریا ۱۲: ۱۰۔ اور استدلال مسیح کے جسم کے ساتھ جی اُٹھنے پر ہے۔ نہ ہی سریانی نسخہ اور نہ ہی مختصر یونانی نسخوں میں ہماری اناجیل کی موجودگی کی کوئی شہادت پائی جاتی ہی اس کے بالمقابل طویل یونانی نسخہ میں وہ فقرات نقل کر کے جو ہماری اناجیل میں پائے جاتے ہیں۔ کوئی ذکر اس بات کا نہیں کیا کہ ان فقرات کا ماخذ کیا ہے۔ نہ ہی ہماری اناجیل کا نام لیا ہے۔ اور ممکن ہے کہ وہ فقرات وضعی تحریروں سے لیئے گئے ہوں۔ یقیناً وہ بہت پچھلے زمانہ کے ہیں۔ اور خواہ وہ وضعی ہوں یا کسی شخص اگنیشس نام کے اصلی خطوط ہوں اُن سے تو اس بات کی کوئی تائید ہوتی ہے کہ جن واقعات کا اناجیل میں ذکر ہے وہ اُنکی قابل اعتبار شہادت ہیں۔ یا اسکی کہ اناجیل قابل اعتبار ہیں۔ نہ ہی اُن کے

مصنفوں کے سوال کا کوئی فیصلہ ہوتا ہے۔

چارلس ڈی گورہم اور مسیح

چند الفاظ مسیح کے کمال اخلاق کی نسبت یہاں لکھے جاتے ہیں۔ نہ اس خواہش سے کہ کتاب میں کوئی ایسا امر داخل ہو جس پر بحث کا سلسلہ چلے۔ بلکہ صرف اس خیال کی تردید کے لیئے جو اکثر اوقات ظاہر کیا جاتا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر ایک دھندلا سا خیال بہت دلوں میں جاگزین ہے۔ کہ عیسائیت کا اخلاقی پہلو پورے طور پر اس کے چھوٹے چھوٹے اخلاقی فقروں سے ظاہر نہیں ہوتا جن کے متعلق اب یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ ان کی اصلیت کچھ نہیں بلکہ یہ کہ اس مذہب کی اصل حقیقت نے ایک ایسی شخصیت کے اندر شکل اختیار کی ہے جس کی اخلاقی عظمت کو دنیا میں کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ یہ دعوے کیا جاتا ہے کہ انسانیت اور خدائی کے اس بے نظیر اور کامل اتحاد سے یسوع مسیح کا کمال اخلاق اس کے مذہب کی فوق الطاقت اصلیت کی بہترین شہادت ہے۔

یہاں اس قدر اشارہ کر دینا ناموزون نہیں کہ خود چاروں انجیلوں کی شہادت پر یہ نتیجہ قابل تسلیم نہیں ٹھیرتا۔ اگر ہم اس ہالہ کی جو روایات قومی نے یسوع مسیح کے سارے افعال اور اقوال کے گرد بنا دیا ہے پروا نہ کریں۔ تو معلوم ہو گا کہ وہ انسانی کمال کے بھی اعلےٰ سے اعلےٰ مراتب تک نہیں پہنچ سکے۔ پھر انصاف کی نگہ سے کس طرح انھیں خدائی کا حقدار ٹھیرایا جا سکتا ہے؟ اگر ہم الفاظ کے معمولی اور سادہ معنے لیں تو اناجیل کے مختلف فقرات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ گھریلو زندگی کے قدرتی جذبات کی طرف سے وہ کسی قدر لاپرواہ تھے (دیکھو متی ۱۰: ۳۷۔ لوقا ۲: ۴۹ و ۸: ۱) بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ میں گھروں کے اندر فساد ڈلوانے آیا ہوں (متی ۱۰: ۳۴-۳۶) اور کہ کم از کم ایک موقعہ پر اُنھوں نے اپنی ماں کے ساتھ نامناسب سلوک کیا (یوحنا ۲: ۴) بہت دفعہ اُنھوں نے ایسے احکام دیئے جو بجائے حکیمانہ یا عملی ہونے کے زیادہ تر وہمی سے معلوم ہوتے ہیں اس کی مثالیں بھی دی جا سکتی ہیں۔ مثلاً بدی کے مقابلہ سے اس قدر گریز کرنا کہ جس سے ظلم دنیا میں بڑھے۔ یا مثلاً خیرات کے معاملہ میں بلا تمیز موقعہ زور دینا۔ اُنھوں نے ایک اپنے دوست کو

مرنے دیا جب قصہ کے مطابق ان کو طاقت تھی کہ موت کی تکلیف ان پر وارد ہونے سے اسے بچا سکیں اور اس کی بہن کو ایک تلخ غم سے بچا سکیں اور پھر اپنے شاگردوں کو کہا کہ اس دوست کی بیماری مہلک ثابت نہ ہو گی۔ حالانکہ ان کو ضرور علم ہوگا کہ اس بیماری کا نتیجہ موت ہے (یوحنا) بعض وقت وہ مباحثہ میں اس قدر جوش میں آجاتے تھے کہ ایک موقعہ پر ان لوگوں کو جنکے متعلق یہ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اس کے اپنے پیروؤں میں تھے۔ یہ کہدیا کہ ان کا باپ خدا نہیں۔ بلکہ شیطان ہے۔ (یوحنا ۸: ۳۱ و ۴۴) +

اُن کو اس بات پر بھی ایمان تھا جو بڑی نقصان دہ ثابت ہوئی ہے کہ جن بھی انسانوں پر متصرف ہو جاتے ہیں۔ انھوں نے دوزخ کا مسئلہ اس طرح پر بیان کیا جس سے طبیعت متنفر ہوتی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنے عام وعظوں کو کسی قدر تاریک کر دیتے تھے۔ تاکہ سُننے والے ان سے پورا فائیدہ نہ اُٹھا سکیں۔ ایک بھی نقص کمال کے دعوے کو غلط ثابت کرنے کے لیئے کافی ہے مگر ہم نے یہاں چند نقصوں کا ذکر کیا ہے۔ اور اگر اناجیل کو صحیح تسلیم کیا جائے تو یہ نقص ایسے نہیں کہ انھیں خفیف اور معمولی سمجھا جائے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ وہ کتابیں جن میں اُن واقعات کا ذکر ہے پوری قابل اعتبار نہ سمجھی جائیں۔ اور ممکن ہے ان کے اندر تغیرات راہ پا گئے ہوں۔ لیکن اگر اس بات کو درست مانا جائے تو پھر یہ دعوے کہ یہ کتابیں الہامی ہیں باطل ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس دعوے کو غلط مانا جائے تو پھر اس بات کی شہادت کیا رہ جاتی ہے کہ یسوع مسیح کی زندگی ایک خدائی اور فوق القدرت حیوۃ تھی۔ اس مسئلہ کی کیا وقعت باقی رہ سکتی ہے جو مشتبہ تحریروں کی بنیاد پر کامل انسانیت اور کامل خدائی ایک ایسے انسان کی طرف منسوب کرے جس نے خود انہی تحریروں کے مطابق نہ ایک کا ثبوت اپنے اندر دیا نہ دوسرے کا۔ +

پھر کمال انسانی یہ چاہتا ہے کہ انسانی فطرت کے سارے قوئے کا کامل نشو و نما ہو۔ خواہ وہ ذہنی قوائے ہوں خواہ اخلاقی۔ اب اگر اخلاقی کمال کو خوش اعتقادی سے مان بھی لیا جائے تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ قوائے ذہنی کے لحاظ سے بھی یسوع مسیح کامل ترین انسان تھا۔ پھر ایک اور بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ بالخصوص اس لیئے کہ اس دلیل کو ایک عیسائی مصنف نے بدھ کے کمال اخلاقی کی تردید میں استعمال کیا ہے۔ ایک انسانی زندگی کے جو تیس اور چالیس

سال کے درمیان تھے۔ حالات میں سے اناجیل اگر کچھ ذکر بھی کرتی ہیں تو صرف تین سال کے واقعات کا اور وہ بھی نامکمل طور پر۔ اس بات پر یقین کامل کرنے کی کیا وجوہات ہیں کہ اس زمانہ میں جس کی کوئی یادداشت باقی نہیں ملتی مسیح نے کوئی کمزوری نہ دکھائی تھی +

یہ باتیں صرف یہ ظاہر کرنے کے لیئے لکھی گئی ہیں۔ کہ عیسائیت کی اخلاقی تعلیم کا صحیح اندازہ لگانے میں بانی مذہب کے متدعوبہ کمال کیرکٹر کو یوں ہی چھوڑا نہیں گیا +

اسلام و عیسائیت

اعتراف کی گردن خم ہو گئی

اسلام اور عیسائیت پر حال میں بمقام لندن ایک دلچسپ مباحثہ ہوا ہے۔ اس کی مختصر کیفیت کسی گذشتہ اشاعت میں شائع ہو چکی ہے۔ جلسہ کے صدر مسٹر اے یوسف علی سابق آئی۔ سی۔ ایس تھے۔ مباحثہ کا افتتاح مسٹر سی۔ ایف رانڈر نے کیا۔ مسٹر موصوف نے دوران تقریر میں کہا۔ کہ "باشندگان انگلستان کو اپنی مادری تہذیب پر بہت ناز ہے۔ لیکن وہ اس بات کو بھول گئے ہیں کہ اس تہذیب کا آفتاب یورپ کے مطلع پر حال ہی میں طلوع ہوا ہے تاریخ عالم میں نہ سہی۔ گذشتہ چند صدیوں میں یہ پہلا موقع ہے۔ کہ سرزمین ایشیا کو آسیائے یورپ کے دو پاٹوں کی رگڑ میں آنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اس لیئے ہمارا سب سے پہلا فرض یہ ہونا چاہیئے۔ کہ ہم ایشیائیوں اور دنیا کی تمام رنگ دار اقوام کے مذہب سے واقفیت پیدا کریں اور بحیثیت ایک عیسائی کے مجھے اس کے کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے۔ کہ اسلام کے متعلق ایک ملک میں شدید غلط فہمی پیدا ہو رہی ہے۔ عامتہ النّاس اس سے قطعاً ناآشنا ہیں۔ اور حیرت ہے کہ وہ جہالت کی تاریکی سے پیچھا چھڑانے کے لیئے کوئی کوشش نہیں کر رہی ہیں"

ہم کو مسٹر موصوف کی اس رائے سے پورا اتفاق ہے۔ واقع میں اگر اہل یورپ اور بالخصوص اہل انگلستان ایشیائیوں اور خاص کر مسلمانوں کی اصلی حالت و حیثیت کو کماحقہ طور پر

پہچانیں اور ان کے جو احسانات مغربیوں پر ہیں۔ ان کو عمیق نگاہوں سے دیکھیں تو بہت سے
بین الاقوامی تنازعات کا تصفیہ آسانی سے ہو سکتا ہے "۔

انگلستان کے ماتحت دس کروڑ مسلمان آباد ہیں جن میں سے سات کروڑ صرف ہندوستان میں
ہیں۔ اگر انگلستان کے باشندے ان کے جذبات وحیات کا انصاف اور دلسوزی سے مطالعہ
کریں اور ان کا احترام بھی کریں۔ تو دولت برطانیہ کی سطوت وصولت میں چار چاند لگ جائیں
اور اس سلطنت کو وہ تقویت اور پیوستگی حاصل ہو جو اور کسی حکومت کو حاصل نہیں ہے
لیکن حیف ہے کہ ظاہر پرست لوگ اس حقیقت سے آشنا نہیں ہیں اور اسکے نتائج اظہر من الشمس ہیں۔

مسٹر موصوف نے کہا۔ کہ " اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو عیسائیت سے بہت قریبی تعلق رکھتا ہی
یہودی جناب مسیح کی نبوت کے قائل نہیں ہیں۔ مگر مسلمان ان کو انبیاء اربعہ میں سے سمجھتے ہیں
پس ایک ایسے مذہب کی اصلیت کو سمجھنا جو علاوہ اس قریبی تعلق کے بر اعظم افریقہ میں بڑی
سرعت سے پھیلتا جاتا ہے۔ اور جس نے دنیا کو ایک بے نظیر تہذیب بخشی ہے۔ ہر ایک انگریز کا
فرض اولین ہونا چاہیئے۔ اس ملک (انگلستان) کے پیشوایان دین اس حقیقت پر غم کے
آنسو بہایا کرتے ہیں کہ افریقہ میں اسلام بہ نسبت عیسائیت کے زیادہ سرعت کے ساتھ پھیل
رہا ہے۔ شائد وہ اس امر سے آگاہ نہیں ہیں۔ کہ اس سرعت رفتار کی وجہ اس کی سادگی میں مضمر
ہے۔ کیونکہ عقائد اسلام عیسائیت کی نسبت بہت کم پیچیدہ ہیں۔ اس نے جو ضابطہ حیات انسانی
کے لیئے بنی نوع انسان کو عطا کیا ہے وہ نہایت آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ اور یہی ایک
بڑی وجہ افریقہ میں اس کی سبک رفتاری کی ہے "۔

اسلام مفسرین یورپ کی شہادت کا محتاج نہیں ہے۔ اس کے اصول و آئین کی عظمت
سادگی جو خود بخود دلوں میں گھر کر لیتی ہے۔ اس کے دین الفطرۃ ہونے کی سب سے بڑی شہادۃ
ہے۔ لیکن مسلمانوں کو شرم آنی چاہیئے کہ وہ اس چشمۂ آب زلال کو اپنی خود غرضی کی آلائشوں سے
گدلا کر رہے ہیں۔ اور اپنے اعمال و افعال سے اسلام کا ایک ایسا نمونہ دنیا کے روبرو پیش کر
رہے ہیں جس کو دیکھ کر کوئی شخص ان شہادتوں پر یقین نہیں کر سکتا۔ مسلمان غور کریں کہ
ایک نامسلم کس پیرایہ میں اسلام کی صداقت کو دنیائے عیسائیت میں نمایاں کر رہا ہے جب وہ

بعد حسرت و افسوس کہتا ہے کہ "موجودہ جنگ میں ایک طرف تو یہ عقیدہ ہے کہ انسان اپنے ملک کے فائدے کے لیئے خواہ کتنا ہی زبون طرز عمل کیوں نہ اختیار کرے وہ ایسا کرنے میں بالکل حق بجانب ہے اور ایسے آدمیوں کی کمی نہیں ہے۔ جو اس اصول کی پیروی کا میلان رکھتے ہیں۔ لیکن کیا ایک فعل جو فطرۃً خراب ہے۔ اِس وجہ سے اچھا سمجھا جاتا ہے۔ کہ اس کا کرنیوالا ایک مدبّر سیاست ہے؟ کیا اِس سے بڑھ کر کوئی نظارہ قابل افسوس ہو سکتا ہے۔ کہ جنگ سے پیشتر ایک ملک (جرمنی) کے ماہرانِ سیاست دُوسرے ملک کے ملازموں کو اپنے وعدہ کی خلاف ورزی کرنے۔ حلف توڑنے اور رشوت لے کر اپنے ملک کے راز ہائے سربستہ کو طشت از بام کرنے کے لیئے ورغلا رہے تھے"۔

مسٹر رائڈر کا خیال ہے کہ اگر تمام اقوام عالم ایک دُوسرے کے مذہب اور فلسفہ کو سمجھنے کی اچھی طرح کوشش کریں تو بین الاقوامی اخلاقیات کی ایک ایسی سکیم وضع کر سکتے ہیں۔ جس سے اِس قسم کے منصوبوں کو خاک میں ملایا جا سکتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ سکیم بجز اسلام کے اور کیا ہو سکتی ہے۔ جو احکم الحاکمین نے تمام قوموں۔ تمام زبانوں اور تمام حالتوں کیلیئے بنائی ہے +

رائڈر صاحب کی تقریر کے بعد چند اور مقررین نے بھی تقریریں کیں۔ مسٹر اوڈانل نے کہا۔ کہ بحیثیت ایک کیتھولک عیسائی ہونے کے بہ نسبت پراٹسٹنٹوں کے ان کی ہمدردی اسلام کے ساتھ زیادہ ہے۔ کیونکہ ان کے خیال میں پراٹسٹنٹ مذہب کی نسبت اسلام کے اصُول و عقائد زیادہ قابل تعریف ہیں +

مسٹر البقری نے ایک سوال کے جواب میں بیان کیا۔ کہ اسلام نے محدود کثرت ازدواج کی اجازت ان بُرائیوں کو روکنے کے لیئے دی ہے۔ جو مسیحی ممالک میں عام طور پر پائی جاتی ہیں مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اسلام ایک معقول و شائستہ مذہب ہے۔ اور ان قیود و پابندیوں کے لحاظ سے جو اسلام نے عائد کی ہیں۔ کثرت ازدواج کے اصول سے وہ تمام اقوام فائدہ اُٹھا سکتی ہیں۔ جن کے مردوں کی کثیر تعداد ضائع ہو رہی ہے۔ مسٹر موصوف نے اسلام سے انگلستان کے عیسائیوں کی عدم واقفیت پر اظہار افسوس کیا +

مسٹر بقری کے مشاہدہ کی نسبت ہم صرف اس قدر کہنا چاہتے ہیں۔ کہ اسلام چونکہ آخری

دین فطری ہے۔ اور انسانی زندگی کی تمام منازل اور تمام ضرورتوں پر حاوی ہے۔ اِس لیئے اس کا ہر ایک اصُول خواہ وہ بادی النظر میں بعض اوقات کتنا ہی فضُول اور غیر ضروری معلوم ہوتا ہو درحصل کسی نہ کسی حکمت پر مبنی ہوتا ہے مسئلہ کثرت ازدواج اس کی ایک نمایاں مثال ہے جس پر نکتہ چین طبائع ہمیشہ معترض رہی ہیں۔ لیکن جس کی ضرورت اب پورے زور کے ساتھ محسوس ہو رہی ہے۔

مسٹر ڈڈلے رائیٹ نے اپنی تقریر میں بتلایا۔ کہ اسلام سے انگلستان کے عیسائیوں کی عدم واقفیت اس وقت تک برابر قائم رہے گی۔ جب تک کہ ان کی معلومات کا سرچشمہ متعصب عیسائی مصنفین ہیں اور جب تک وہ اسلامی تعلیمات کا علم حاصل کرنے کے لیئے اسلامی مصنفین کے افادات سے استفادہ کرنے کی کوشش نہیں کریں گے +

پادری اے۔ گریہم بارٹن نے کہا۔ کہ مہذب دُنیا اسلام کی ایک بڑی حد تک مرہون منت ہے۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک ایسے وقت میں مبعوث ہوئے جبکہ عیسائیوں کا کیتھولک فرقہ انحطاط کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ پادری صاحب نے توقع ظاہر کی کہ تمام عیسائی اسلام کو بطور ایک عظیم الشان طاقت کے دیکھیں گے جو دُنیا کو نفع کثیر پہنچا رہی ہے۔ اسلام کے بغیر دُنیا اس قدر نیک اور اچھی نہیں ہوسکتی۔ جیسی کہ اب ہے +

ہماری دُعا ہے کہ پادری صاحب کی گردن اسلام کے آگے جھکی ہے۔ تو خدا کے اسلام کے آگے اُن کی جبین بھی خاک آلود ہو جیسی کہ دُنیا کے تیس چالیس کروڑ انسانوں کی ہوتی ہے۔ اور اُن کا دل بھی رب العالمین کے حمد کے ترانے گائے۔ کہ اسلام زبان اور دل کی مکمل اطاعت چاہتا ہے +

ووکنگ کے اسلامی مشن کی ششماہی رپورٹ

"ذیل میں ہم قارئین کرام کی توجہ کے لیئے اس رپورٹ کو درج کرتے ہیں جس میں ووکنگ کے اسلامی مشن کے صرف ایک ہفتہ کا کام دکھایا گیا ہے۔ یعنی خرچ مہمانداری اور جو ابھی ہمیں مولینا مولوی صدرالدین

صاحب امام مسجد ووکنگ کی طرف سے موصول ہوئی ہے"

" اشاعت اسلام کا کام جس قدر اہم تھا۔ اسی قدر اس کی طرف سے مسلمان ابتک غافل ہیں اس غفلت کی ایک وجہ تو وہی مسلمانوں کی عام حالت خوابیدگی ہے جو ان کے سب کاموں میں پائی جاتی ہے۔ ان کو اپنی قومی زندگی کا اصلی احساس باقی نہیں رہا اِلّا مَاشَاءَ اللہ اور نہ کبھی وہ اسطرف متوجہ ہونا پسند کرتے ہیں۔ کہ وہ حالت جس کو موت کے نام سے تعبیر کرنا چاہیئے کس طرح روز بروز اُنپر اپنا اثر ڈالتی جارہی ہے۔ زبان سے وہ بیشک سب کچھ بننے کے مُدعی ہیں۔ مگر عملی حالت نہایت گری ہوئی ہے۔ اس بات پر تو لڑنے مرنے کو تیار ہیں کہ کوئی شخص قرآن کریم کے ایک لفظ یا حرف کے بھی منجانب اللہ ہونے اور انسان کے لئے باعث فلاح ہونے سے انکار کرے۔ لیکن عمل دیکھو تو قرآن کے کثیر حصہ پر ایمان نظر نہیں آتا۔ بہرحال یہ بھی ایک مبارک علامت ہے کہ وہ مُنہ سے قرآن کریم کے پاک ارشادات کو اپنے لیئے نجات اخروی ہی نہیں بلکہ فلاح دنیوی کا بھی اصل ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ جس بنیاد پر ایک عظیم الشان عمارت کھڑی ہو سکتی ہے وہ ابھی قائم ہے۔ اور ضرورت ہے تھوڑی سی توجہ اور تھوڑی سی کوشش کی۔ ضرورت ہے اس بات کی کہ جو کچھ موُنھ سے کہا جاتا ہے اس پر عمل کرکے دکھایا جائے۔ یہ تو ایک پہلو غفلت کا ہے۔ لیکن ایک اور بڑی وجہ کم توجہی کی یہ بھی ہوگئی ہے کہ اشاعت اسلام کی تحریک کو کچھ لوگوں نے مشغلہ بنا رکھا ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم۔ صحابہ رضی اللہ عنہم۔ اس اُمت کے آئمہ اور اولیائے کرام کی زندگیاں اس بات پر شاہد ہیں کہ اشاعت اسلام کے کام کے اہل وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو پہلے نہ صرف اپنے مال و جان کو خدا کی راہ میں یعنی اشاعت اسلام کے لیئے قربان کرنے کے لیئے تیار ہو چکے ہوں۔ بلکہ واقعی طور پر اس کوچہ میں قدم رکھ کر اپنی اہلیت کا ثبوت بھی دے چکے ہوں۔ لیکن آئے دن جو تحریکات پیدا ہوتی اور مر جاتی ہے ان کی وجہ سوائے اس کے کیا ہے کہ جو کمیں اس کام کی اہمیت پر پہلے غور نہیں کرتے اور نہ شاید خود اس قدر قربانی کرنے کے لیئے تیار ہو چکے ہوتے ہیں جس کی ضرورت اس کام کے لیئے ہے۔

ان اور بعض اور وجوہ سے مسلمان اس وقت اپنے دین کی تبلیغ کے کام میں سب قوموں سے پیچھے رہے ہوئے ہیں۔ وہ جن کو امام اور پیشرو بنایا گیا تھا لتکونو شھداء علی الناس۔ وہ جن کو دُنیا کی سب سے افضل قوم قرار دیا گیا تھا۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس۔ وہ آج اپنے فرض

سے عملاً اس قدر غافل ہیں کہ اس جدوجہد میں جو قومی زندگی کے لیئے ہے۔ نہ صرف سب سے پیچھے ہی ہیں بلکہ اس قدر پیچھے ہیں کہ دُنیا کی پیشروی اور امامت کے منصب کا خیال بھی اُن کے دل میں پیدا نہیں ہوتا۔ کاش کم از کم اس غرض کو تو نہ بھلا دیا ہوتا اور اس قدر ہمت تو نہ ہاردی ہوتی کہ اُٹھنے کی اُمنگ بھی جاتی رہتی۔ غور کے قابل بات ہے کہ اگر ووکنگ کے اسلامی مشن کو صرف ہندوستان کی کوشش کا ہی نتیجہ قرار دیا جائے تو چھ کروڑ مسلمانوں کا اس کو موجودہ حالت میں چھوڑنا۔ کہ اسکی زندگی کا انحصار صرف اس بات پر ہو کہ ایک شخص جو اپنے دل اور دماغ کو غیر مسلموں پر خرچ کر کے اُن کو اسلام کی طرف لا سکتا ہے۔ صرف مسلمانوں کو بیدار کرنے پر لگا رہے۔ کیسا قابل افسوس امر ہے چاہیئے تو یہ تھا کہ جو لوگ اس بات کے اہل ثابت ہو چکے ہیں کہ وہ اسلام کے پاک چہرہ کی اصلی خوبصورتی لوگوں کو دکھا کر اُن کو اسلام کا شیدا بنا سکتے ہیں۔ انھیں اور دھندوں سے بالکل فارغ کر دیا جاتا۔ مگر جب تک کچھ اور لوگ ایسے پیدا نہ ہو جائیں جو اخراجات مشن کا فکر اسی طرح رکھتے ہوں جس طرح اپنے ذاتی اخراجات کا فکر ایک ہی آدمی کو کئی کام کرنے پڑتے ہیں ٭

جو کچھ کام اس وقت تک ووکنگ مشن میں ہو چکا ہے۔ بلحاظ اس کوشش کے جو اُس کے لیئے کیگئی ہے ایک عظیم الشان کامیابی ہے۔ لیکن اس کام کو سامنے رکھکر جو ابھی ہم نے کرنا ہے۔ وہ ابھی کچھ بھی نہیں۔ اس وقت کی تیاری کے لیئے جب اس چھوٹے سے پودے کی شاخیں دور دور کے ملکوں میں پھیل جائیں۔ ہمیں ایک بڑا وسیع لٹریچر تیار کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے لیئے ضرورت ہے کہ کئی آدمیوں کے دل اور دماغ محض اس لٹریچر کے پیدا کرنے پر لگے رہیں۔ اور پھر ایک حد تک اس لٹریچر کی مفت اشاعت کا انتظام بھی ہونا ضروری ہے۔ ایسے آدمیوں کا پیدا ہونا پھر ان کو یہ توفیق ملنا کہ وہ اپنی قوتوں کو بجائے اور اشغال کے اس کام پر لگا دیں۔ محض اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے۔ لیکن جس قدر آدمی بھی اس وقت کام کرنے والے ہیں۔ اُن کے محض اسطرف لگا رہنے کے لیئے یہ ضروری ہے کہ کچھ لوگ ایسے پیدا ہو جائیں جو نہ صرف اپنے اموال میں سے ہی ایک معین حصہ اس کام پر خرچ کرنے والے ہوں۔ بلکہ دُوسروں کو بھی بیدار کرنے والے ہوں کہ وہ اس کام میں حصہ لیں۔ اکثر لوگ جو کچھ اشاعت اسلام کے لیئے دیتے بھی ہیں تو تھوڑا دے کر ہاتھ روک لیتے ہیں۔ واعطےٰ قلیلا واکدٰی کا مصداق اپنے آپ کو بنا دیتے ہیں۔ حالانکہ چاہیئے تھا

کہ جس قدر کام ترقی کر رہا تھا اسی قدر بالمقابل اس کے لیئے سامان کے فراہمی کی کوشش کو بھی بڑھایا جاتا۔ ناظرین رسالہ رپورٹ کو پڑھ کر دیکھ سکتے ہیں کہ کس قدر اخراجات صرف مہمانداری کے ہیں۔ اور یہ محض اخراجات مشن کی ایک چھوٹی سی شاخ ہے۔ اگر رسالہ کے خریداروں میں سے جن کو اس کام کے حالات سے اطلاع ہے ایک سو آدمی بھی یہ تہیہ کر لے کہ وہ اس اسلامی مشن کے واسطے فنڈ مہیا کرنے کے لیئے کمربستہ ہو جائیں تو مشن کے مہتمم ادھر سے فارغ البال ہو کر کلیتہ دوسرے کام میں لگ سکتے ہیں۔

مولٰینا مولوی صدرالدین صاحب کی چٹھی سے یہ بھی واضح ہوگا۔ کہ مولوی صاحب موصوف اب واپس تشریف لاتے ہیں اور اسی غرض کے لیئے جناب خواجہ کمال الدین صاحب ستمبر کے پہلے ہفتہ میں ولایت تشریف لے جاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان ہر دو صاحبوں کا حافظ و ناصر ہو جناب خواجہ صاحب کی غیر حاضری میں مولوی صدرالدین صاحب نے کام کو کس قابلیت سے چلایا ہے وہ اس سے عیاں ہے کہ چالیس پچاس نو مسلموں سے ڈیڑھ سو تک نو مسلموں کی تعداد اس اثنا میں پہنچ گئی ہے۔ اور بعض سالم کے سالم خاندان مسلمان ہو چکے ہیں۔ گویا خواجہ صاحب اپنی واپسی پر کام کو چہار چند پائیں گے۔ اللہ تعالےٰ ان کا حامی و ناصر ہو۔ اب ہم ذیل میں مولوی صدرالدین صاحب کی چٹھی درج کرتے ہیں“۔ (ایڈیٹر اشاعت اسلام)

مسجد ووکنگ کی تازہ ڈاک

(انگلستان میں اشاعت اسلام۔)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؕ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ؕ

مخدومی مکرمی معظمی سلکم اللہ تعالےٰ۔ السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ:۔ یہ شاید آخری چٹھی ہے جو میں یہاں سے جناب کی خدمت میں لکھتا ہوں۔ عید الفطر قریب آرہی ہے۔ اِس مبارک دن کے بعد میں غالباً اپنی واپسی کی طیاری کروں گا۔ یہ پانچویں عید ہوگی۔ جو میرے ایام قیام میں مجھے یہاں نصیب ہوگی۔ انشاء اللہ۔ اللہ تعالےٰ نے مسجد شاہجہان ووکنگ میں پہلی نماز عید اور

خطبہ میرے مقدر میں رکھا تھا اور اس کے بعد متواتر پانچویں عید ہوگی جس کی خوشی مجھے انشاء اللہ میسر آئے گی۔ میں اپنی واپسی میں اپنے اندر بڑا سرور پاتا ہوں کہ خدا تعالےٰ نے میرے زمانہ قیام میں یہاں بہت سے پہلوؤں سے ترقی کے سامان بہم پہنچائے۔ جہاں تک میں اس میں اپنی کوشش کا حصہ دیکھتا ہوں۔ وہ بہت ہی کم ہے۔ جہاں تک میں اپنی استعداد پر نظر ڈالتا ہوں وہ بہت ہی تھوڑی ہے۔ اِس لیئے میں تو کسی تعریف کا مستحق نہیں۔ اللہ تعالےٰ بڑی حمد کا مستحق ہے جس نے محض ذرہ نوازی سے اس کام کو جو اس کا اپنا ہے فروغ دیا۔ اور میرے وہم و گمان میں بھی یہ رنگ نہ تھا جو اُس نے جما دیا۔ اب ہم سب مسلمانوں کی متفقہ کوشش بکار ہے۔ اس باغ کی آبیاری کے لیئے جس میں ڈیڑھ سو کے لگ بھگ پودا لگ چکا ہے۔ علاوہ ازیں سرزمین انگلستان میں چونکہ علم و تہذیب موجود ہے۔ اور تمام نہیں تو اکثر لوگ آزاد دل و دماغ رکھتے ہیں۔ جو معقولیت پسند ہیں۔ اس لیئے اسلام جو فطری مذہب ہے۔ اسلام جس کے معقول ہونے کے متعلق حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے علیٰ بصیرۃ انا و من اتبعنی کا اعلان فرمایا۔ اسلام جس کے خدا کو بار بار الحکیم بیان فرمایا اور خاتم الکتب کو الفرقان اور الحکیم کے ناموں سے مکرر یاد فرمایا۔ کیوں یہ مذہب اس مہذب اور معقول طبقہ کے مقبول نہ ہو۔ عیسائیت کی اُلجھن تو کوئی سلجھا نہیں سکتا۔ ایک بچہ بھی ایسی تعلیم کا دشمن ہو جاتا ہے۔ جو تلقین کرتی ہو کہ تین برابر ایک ہوتے ہیں اور ایک برابر تین کے ہوتے ہیں یا کسی کا سر پھوڑ دینے سے تمام دُنیا کے گناہ مٹ جاتے ہیں تو پڑھے لکھے لوگ کیسے ان اصولوں کے پابند ہوں۔ میں سمجھتا ہوں پادری صاحبان کی ایسی تلقینوں نے یہاں کے لوگوں کو اسلام کی تعلیم کے لیئے طیار کر رکھا ہے۔ اور کثرت سے ایسے لوگ یہاں ہیں جو مسلمان ہیں پر جانتے نہیں کہ اسلام دُنیا میں کوئی مذہب ہے اور وہ فطرت انسانی کے مطابق اور عقل خداداد کے موافق ہے۔ لفظ اسلام سے تو وہ واقف ہیں۔ لیکن اس کے معنی ان کے ہاں حضرت رسول کریم صلعم کی پوجا۔ زیادہ بیویاں کرنا وحشی طرز و طریق کا عادی ہونا ہے۔ ایسے لوگوں سے جب کبھی گفتگو کا موقعہ ہوتا ہے۔ تو بڑے امید افزا انکشافات ہوتے ہیں۔ اور ان کو خود حیرت ہوتی ہے کہ اسلام اُن کے فطری خیالات کا فوٹو ہے۔ اور کیوں دغاباز لوگوں نے اسلام کو ایک گھنونی شکل میں پیش کیا

پچھلے ہفتہ مجھے اکثر باہر رہنا پڑا۔ کئی مرد اور خواتین سے گفتگو کا موقع ملا۔ ان میں سے اکثر عیسائیت

سے بیزار اور انجانے اسلام کے قائل تھے۔ بعض اوقات ان حالات کو دیکھ کر اپنے اوپر افسوس آتا ہے
کہ ہم اس وقت اتنا بھی تو نہیں کر سکتے کہ وہ لوگ جو بالکل اسلام کے قریب آئے ہوئے ہیں اُن کو
اسلام کی ندا پہنچانے کا انتظام کر دیں۔ میں جمیع مسلمانانِ ہند کی خدمت میں اپیل کرتا ہوں۔
کہ اس طرف ضرور توجہ کریں۔ آپ بہت جلد قلوب پر اپنا تسلط جما سکتے ہیں تبلیغ اسلام کا کام
آپ کے آباؤ اجداد کا مایۂ ناز تھا۔ اسی سے اُنھوں نے ترقیاں کیں۔ اسی سے انھوں نے دوسری
اقوام سے سچی ہمدردی کی۔ اسی سے اُنھوں نے ہمیشہ کے لیئے بہت سے ممالک کو مرہون منت کر لیا
اب وقت ہے آپ لوگ اِس طرف توجہ کریں اور بڑے زور سے کریں۔ اس جزیرہ میں آپ کی الٰہی
کوشش کے لیئے بہت بڑا میدان ہے۔ میں اس چٹھی کے ساتھ ایک نقشہ شامل کرتا ہوں۔ جو
جناب کو پتہ دے گا۔ کہ اس ششماہی میں قریباً تین ہزار آدمی نے ہمارے ہاں کھانا کھایا۔ آسمیں
ہندی انگریزی مسلم اور غیر مسلم۔ ایرانی۔ مصری اور بعض دوسرے یورپی اقوام کے زائرین تھے
اس سے نہ صرف آپ کو اس امر کا اندازہ لگانے کا موقعہ ملتا ہے کہ مسجد شاہجہان ووکنگ کو کس قدر
خدائے تعالےٰ نے مقبولیت بخشی ہے۔ مسجد جب نمازیوں سے پُر ہو جاتی ہے تو بے اختیار خدا تعالیٰ
کی تقدیس تسبیح کرنی پڑتی ہے۔ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے لیئے درود زبان پر جاری ہو
جاتا ہے۔ بلکہ اس امر کا بھی کہ یہ مشن کس نہج پر چل رہا ہے۔ اور کس قدر بڑھے ہوئے اخراجات کا
اس کو انتظام کرنا پڑتا ہے +

آخر میں ایک شخص کے اسلام قبول کرنے کی خبر بھی ابلاغ خدمت کرتا ہوں۔ یہ بزرگ نائیجیریا کے
ہیں۔ بڑے اخلاص سے اُنھوں نے اپنے اسلام کا اعلان بھیجا ہے۔ اللہ تعالےٰ اُن کا اسلام قبول
کرے اور ان کو استقامت عطا فرمائے۔ ان کا اسلامی نام مسٹر ہارون سمتھ ہوگا۔ اللھم
زدفزد۔ والسلام

نقشہ ششماہی اوّل بابت لنگر خانہ مسجد ووکنگ

جس سے معلوم ہوتا ہے کسقدر لوگوں نے یہاں کھانا تناول فرمایا

(از ابتدائے جنوری ۱۹۱۶ء لغایت ۳۰ جون ۱۹۱۶ء)

نام ماہ	بوقت صبح	بوقت دوپہر	بوقت شام چاء	رات کا کھانا	رات کو شب باش ہوئے	تعداد مردان جو اتوار کے دن ٹھہرے
جنوری سنہ ۱۹۱۶ء	۶۰	۸۰	۱۸۲	۲۰۰	۶۱	۱۳۵
فروری سنہ ۱۹۱۶ء	۲۷	۴۵	۱۱۸	۱۳۱	۲۷	۱۳۰
مارچ سنہ ۱۹۱۶ء	۳۱	۶۰	۱۶۴	۱۷۹	۳۱	۱۵۰
اپریل سنہ ۱۹۱۶ء	۵۹	۹۷	۲۲۵	۲۴۱	۵۹	۱۸۰
مئی سنہ ۱۹۱۶ء	۶۴	۱۱۹	۲۳۴	۲۵۳	۶۴	۱۵۵
جون سنہ ۱۹۱۶ء	۴۸	۵۵	۱۵۵	۱۳۷	۴۸	۱۴۴
کل میزان	۲۸۹	۴۵۶	۱۰۷۸	۱۱۶۸	۲۸۰	۸۹۴

کل تعداد مردان جنھوں نے کھانا کھایا ۱۰۹۵ ہے - صدر الدین امام مسجد ووکنگ

عورت کی حالت مختلف مذاہب اور تمدنی قوانین کے ماتحت

نمبر ۲

(از قدوائی)

مختلف مذاہب کے قوانین کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت ایک مدت مدید تک ذلت کی حالت میں رہی۔ دُنیا کے چار ممتاز مذاہب میں سے جن سے مراد بدھ۔ یہودی عیسائی اور اسلام کا مذہب ہے۔ مؤخر الذکر نے ہی جو خاتم المذاہب تھا عورت کی عزت اور مساوات کے حقوق دیئے +

(بدھ مذہب)

بُدھ مذہب کی تعلیم اخلاقی حیثیت سے نہایت ہی اعلےٰ پایہ کی تعلیم ہے۔ لیکن باوجود تخیل اور اخلاق کی بلندی کے عورت کے حق میں جو کچھ بھی کہا نامناسب کہا۔ مہاتما بدھ جو کہ بُدھ مذہب کے بانی ہیں اور جنھیں کمالات انسانی کا ایک اکمل ترین نمونہ بتایا جاتا ہے

انھوں نے بھی حصول کمال اور زن وشوہر کے تعلقات میں اتنا بُعد اور تناقض دیکھا کا اپنی بیبیوں تک سے تعلق قطع کر دیا۔ بجائے اس کے کہ عورت کو ان کمالات انسانی کے حصول میں ممد بلکہ اسکو اور ذرائع کی طرح ایک ذریعہ تصوّر کیا جاتا۔ برخلاف اس کے ان کے تعلقات کو ایسی زندگی کے لیئے روک اور ان کے میل جول کو اس کے لیئے سم قاتل سمجھا گیا۔ عورت کو نروان حاصل ہو جاوے۔ اس کا تو کیا امکان اس بیچاری سے تعلق رکھ کر مرد بھی نجات اور فلاح کے دروازوں کو اپنے اوپر بند کر لیتے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ بدھ اور عیسائی مذہب دونوں کے بانی ایک اعجازی رنگ میں پیدا ہوئے۔ ان کی بابت دعوےٰ ہے کہ ان کی ولادت میں مرد کا کوئی حصّہ نہ تھا۔ عورت ہی اُن کے کمالات کا باعث ہوئی۔ اور پھر انہی دونوں مذاہب میں ہم دیکھتے ہیں کہ عورت کے حقوق کو نہایت ہی بے پرواہی سے نظر انداز کیا گیا ہے۔ عورت بلا شرکت مرد انکی ملاوٹ کا باعث ہوئی اور اُن میں امتیازی کیفیات اور کمالات پیدا کر دیں۔ اب چاہیئے تو یہ تھا۔ کہ یہی امر ان کے اعزاز اور احترام کا سبب ٹھیرتا۔ لیکن ہم ان دونوں مذاہب کا طرزِ عمل اُس کے برخلاف پاتے ہیں۔ مہا اور مریم کو ایک گونہ شرف اور اعزاز دیا گیا لیکن یہ احترام اُن کی ذات تک محدود رہا جنس عورت وہی ذلیل کی ذلیل رہی۔ تجرّد کی تعلیم دونوں نے دی۔ تمثیلی رنگ میں بدھ اور عیسائی مذہب کو پرانی مشرک اقوام سے ایک مشابہت اور نسبت ہے اور وہ اس بات میں کہ ان اقوام کے دیوتا سب کے سب عورتیں ہی تھیں ایک طرف تو عورت کو ایک گونہ معبودیت کا شرف دے رکھا تھا۔ اور دوسری جانب عورت کو اتنا ذلیل کہ جہاں قربانی کی ضرورت پڑتی عورتوں اور لڑکیوں کو سامنے کر دیا۔ یہی حالت ان مذاہب کی ہے۔ ایک طرف تو بدھ اور مسیح کی والدہ کو کمال درجہ کا اکرام دے رکھا ہے اور دوسری طرف ان کی جنس سے اتنی نفرت اور اجتناب کی تعلیم دی ہے کہ خدا کی پناہ۔

مہاتما بدھ کی شخصیت ایک اعلےٰ زندگی کا نمونہ تھی۔ اس کی زندگی میں ایک خاص تاثیری رنگ تھا۔ اس کا مشن بہت ہی وسیع تھا۔ لیکن انھوں نے مسیح سے بھی عورتوں کے حقوق کو نظر انداز کرنے میں ایک قدم آگے رکھا۔ حضرت مسیح تو ابتدا سے مجرد رہے۔ مہاتما نے اپنی منکوحہ بیبیوں کو بھی خیرباد کہا۔ برہمنوں کے اصول کے برخلاف بڑے استقلال اور

تن دہی سے اُنھوں نے جہاد کیا اور مساوات کی تعلیم دی۔ لیکن اس مساوات کو مردوں تک محدود رکھا۔ عورتوں کو اس سے قطعاً محروم کر دیا۔ یہاں تک کہ جب ان کے ایک شاگرد انندا نے ان سے سوال کیا۔ کہ مہاتما ہم عورتوں سے کیسا برتاؤ رکھیں تو جواب میں کہا کہ انندا اُنھیں دیکھو تک نہیں۔ جب ان سے دوبارہ استفسار کیا کہ جو اتفاقاً نظر پڑ جاوے تو جواب میں فرمایا کہ چوکنے رہو۔ نظر پڑنے ہی نہ پاوے +

ان کے اور منقولات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ عورت کے تعلقات کو وُہ ناپاک سمجھتے۔ ان کے نزدیک عورت اور مرد کے تعلقات شہوانی بناء کے ورے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ اس لیئے اُن سے مطلق احتراز کی تعلیم رہی اور اس پر بُہت زور دیا چنانچہ ان کے منقولات میں مفصلہ ذیل واقعہ درج ہے :۔

بھکھس بدھا کے پاس آیا اور سوال کیا۔ کہ آپ ان شرمانوں کے لیئے جنھوں نے دُنیا کو ترک کر دیا ہو۔ عورتوں کے بارہ میں کیا حکم دیتے ہیں۔ اُنھوں نے فرمایا کہ عورتوں کو دیکھنے سے احتراز کرو۔ اگر کہیں تمہاری نظر پڑ بھی جاوے تو اس درجہ کی بے اعتنائی کا اظہار کرو کہ گویا تم نے دیکھا ہی نہیں۔ اگر کہیں اُن سے بات چیت کا اتفاق ہو بھی جاوے تو شرمان کو چاہیئے کہ ہر حالت میں اس پھول کی مانند پاکیزہ رہے۔ جو مٹی سے اُگتا ہے۔ لیکن مٹی کی گندگیوں سے منزہ ہوتا ہے۔ اگر عورت بُڑھیا ہو تو اُسے اپنی والدہ سمجھے۔ اگر جوان ہو تو ہمشیرہ تصوّر کرے۔ اگر چھوٹی ہو تو اُسے اپنا بچہ جانے۔ شرمان نے جو بھی عورت کو عورت کر کے چھُوا یا اُس سے اس حیثیت میں کسی قسم کا تعلق رکھا اُس نے اپنے عہد کو توڑ دیا۔ اور ساکھی منی کے چیلوں میں سے خارج ہو گیا۔ شہوت کی حکومت انسان پر نہایت ہی زبردست ہے۔ اس کے مقابلہ میں راسخ عہد کی کمان اُٹھالو اور عقل کے تیر سے اُس کا مقابلہ کرو۔ پاکیزہ تخیّل کو اپنا خود بنالو اور پکّے ارادہ سے اپنے حواس خمسہ کے برخلاف جہاد کرو۔ بدنظری سے بہتر ہے کہ تمہاری آنکھ اندھی ہو۔ تمہارے لیئے جلاّد کی تلوار اور شیر کے مُنہ کے سامنے جانا بہتر ہے اس سے کہ تم کسی عورت سے تعلق رکھو۔ عورت اپنے سنگار دکھاتی ہے۔ انداز اور میٹھی باتوں سے اپنا جال پھیلاتی ہے

لوگوں کے دلوں کو لبھاتی اور اُن پر قبضہ کرتی ہے۔ پس چاہیئے کہ تم ان سے بچو۔ ان کے آنسو تمہارے دشمن ہیں ان کی ہنسی زہر ہے۔ ان کے ناز و انداز جال کی رسیاں ہیں جن سے وُہ تمھیں پھانسنا چاہتی ہیں۔ پس میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے دِل پر قابو رکھو اپنے خواہشات کی باگ اپنے ہاتھ سے جانے مت دو۔

پروفیسر ویسٹر مارگ صاحب اپنی ایک تصنیف میں فرماتے ہیں کہ ایک بدھ مذہب کے پیرو کے نزدیک تمام امتحانوں سے مشکل امر تمام ابتلاؤں سے اشد ابتلا وہ جال ہے جو عورتیں پھیلاتی ہیں کیونکہ عورتوں میں ولبستگی کے وہ تمام اسباب موجود ہیں۔ جو کہ دُنیاوی لوگوں کی فریفتگی کا باعث ہوتے ہیں۔ غالباً بدھ کے نزدیک عورت کی حیثیت میں پیدا ہونا ایسی ہی بدقسمتی کا نشان ہے جیسے برہمن کے خیال میں شودر پیدا ہونا۔ شودر اور برہمن کا جہاں سوال پیدا ہوُا۔ وہاں اس نے مساوات کی تعلیم دی۔ جہاں برہمن کے لیئے یہ ضروری سمجھا جاتا تھا کہ وہ برہمن کے ہاں پیدا ہو وہاں بدھ نے یہ تعلیم دی۔ کہ نہیں مذہبی معلم کسی حیثیت کا اِنسان ہو۔ جُونہی تعلیم حاصل کی قابل ہوُا۔ تب ہی برہمن بننے کا حقدار ٹھیر گیا۔ لیکن جہاں ہندو مذہب نے شادی کو لازمی ٹھیرایا وہاں بُدھ مذہب نے تجرّد اور رہبانیّت کی تعلیم دی۔ لیکن انسانی فطرت بدھ کے ہاتھ میں نہ تھی۔ شادی فطرت کا ایک تقاضا ہے۔ تجرّد ایک غیر فطری اِمر تھا۔ جس کا بوجھ ساکھی منی نے اپنے پیروؤں پر ڈالا۔ اس بوجھ کے لوگ دیر تک متحمل نہ رہ سکے۔ اور اب بدھ مذہب کے اکثر پیرو برخلاف اپنے مہاتما کے پُرزور حکم کے شادیاں کرتے اور تمدّنی بسر کرتے ہیں۔ گویا کہ ایک گونہ اپنے مہاتما سے بڑھ کر قدم مارتے ہیں۔ کہ وہ تو ایسی نجات کو محال سمجھتے تھے۔ جب تک کہ عورت کے تعلقات سے کٹ نہ گئے۔ اور یہ لوگ جو اُن کے پیرو ہیں باوجود تزوّج اور خانہ داری کے نروان تک پہنچ جاتے ہیں۔ یا کم از کم اس کے امکان کے قائل ہیں +

(ب) یہودیت اور عورت کی حالت

عورت ہونا ہی ایک بڑی ذلت ہے۔ یہ قول ہے جو مسٹر روڈول برنیوں کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ موجودہ زمانے کا یہودی اپنی روزمرّہ کی دعاؤں میں کہتا ہے۔ شکر ہے اے اللہ کہ تو نے مجھے عورت نہیں بنایا +

حضرت موسیٰ تشریعی نبیوں میں ایک اعلےٰ پایۂ کے نبی تھے۔ لیکن عورتوں کو آزادی نہ دے سکے اسرائیلیوں کے نزدیک عورت کی قسم اور معاہدوں کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ جب تک والدین کی اجازت اور مرضی ان کے ساتھ نہ ہوتی۔ اُن کی منتیں اور نذریں بھی رائگان سمجھی جاتی تھیں (استثنا، باب ۳۰ آیت ۵)

عورت کو ناپاک خیال کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت سلیمان نے فرعون کی لڑکی کو داؤد کے شہر سے یہ کہکر نکال دیا کہ میری بیوی اسرائیلیوں کے بادشاہ داؤد کے گھر میں ہرگز نہ رہنے پاوے گی۔ کیونکہ اس میں خدا کا متحمل اثر تھا (دیکھو تواریخ)

پھر اناجیل نے عورت کی بابت جس خیال کو تورات سے اخذ کیا ہے۔ وہ بھی نہایت ہی ذلیل خیال ہے۔ پہلی عورت کی پیدائش مرد کی پسلیوں سے ہوئی۔ پھر وہی عورت مرد کے ہبوط کا باعث ہوئی۔ اُس نے ممنوع پھل توڑا۔ اُسے کھایا۔ آدم کے پیش کیا۔ اُس نے بھی عقل و شعور کے پھل سے کھایا۔ اور اس رنگ میں انسان کے گناہ کی ابتدا عورت ہی سے ہوئی۔ ان کا گمان ہے۔ ہماری تمام مصایب ہمارے تمام دُکھ۔ تمام اشکال اور مشقتیں ہماری والدہ یعنی حوا سے ورثہ میں ملیں۔ اگر وہ باعث نہ ٹھیرتی تو آدم کبھی جنت سے نہ نکالا جاتا۔ اگر وہ ممنوع پھل کو نہ کھاتی تو فطری گناہ کی مہر انسان کے ماتھے پر کبھی نہ لگتی۔ اگر اس قصہ کو اسی رنگ میں سچا مانا جاوے جس رنگ میں اسے بیان کیا گیا ہے۔ تو واقعی کوئی وجہ نہیں کہ کیوں عورت کو کوئی عزت دی جاوے۔ عورت کی ضمیر خود چاہے کہ اسے ملامت کرے اور ماخوذ ٹھیراوے۔ کیونکہ اس نے بڑا گناہ کیا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تمام بنی نوع کے ابدی گناہ اور نتیجۃً دُکھ کا باعث ہوئی۔ ان واقعات کے ماتحت کوئی تعجب کا مقام نہیں کہ تورات کے قوانین میں عورت کے حق میں سختی ہوتی۔ چنانچہ تورات کا حکم ہے کہ اگر دو بھائی ایک ساتھ رہیں اور اُن میں سے ایک پر موت وارد ہوجاوے تو چاہیئے کہ اُس کی عورت کسی غیر سے شادی نہ کرے۔ بلکہ اُس کے شوہر کا بھائی اُسے اپنے عقدِ نکاح میں لے لے۔

جب تک لڑکی والدین کے گھر رہے اُن کی حکومت کے تلے رہے۔ اس کا تبادلہ والدین کیلیئے جائز تھا۔ ساؤل کو داؤد سے مخاصمت تھی۔ لیکن اپنی لڑکی اُس سے بیاہ دی محض اس خیال سے کہ وُہ لڑکی اس کے لیئے ابتلا کا موجب ہو۔ اس سے بخوبی موازنہ ہوسکتا ہے۔ کہ ساؤل کو اپنی لڑکی کی نسبت جو کہ نیکی کی شہرت رکھتی تھی کیا خیال تھا کہ وُہ اُسے ایک نیک انسان کے حوالہ

کرتا ہے اور عندیہ یہ ہے کہ اس کے لیئے ابتلا کا باعث ہو۔ اس کے سوائے اور کیا تاویل ہو سکتی ہے کہ وُہ آدم اور حوّا کے قصّہ کو اُسی رنگ میں سچ سمجھتا تھا جس رنگ میں اسے توراۃ نے بیان کیا۔ اور اسی سچائی کی بنا پر اس قصّہ کو داوُد اور اپنی لڑکی کے تعلّق میں پُورا ہوتے دیکھنا چاہتا تھا۔

یہ تھا اس زمانہ کے لوگوں کا خیال۔ اور کوئی تعجب کا مقام نہیں کہ اگر آج کل کے یہود عورت کو اسی گناہ کا وارث سمجھتے ہوں جس کی حوّا نے ابتدا کی۔ اور بعد میں بنی اسرائیل کی اور عورتوں نے تصدیق کی۔ عورت کو یہودی قانون نے کبھی آزادی نہ دی کبھی اس سے ناپاکی کے دھبے کو صاف نہ کیا۔ کبھی اُسے تمدنی یا سیاست میں کسی قسم کا حصّہ لینے نہ دیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے خاوند کے بچاؤ کے لیئے کسی پر اگر ہاتھ اٹھاتی تو قطع ید اس کی حد تھی۔ ایک کُتّے کو بھی حق حاصل ہے کہ اپنے مالک کو خطرہ کے وقت بچائے۔ لیکن بیچاری عورت کو اس حق سے بھی محرُوم رکھا۔ بعد کے قوانین نے عورت کو اولاد نرینہ کی عدم موجودگی میں وراثت کے حقوق دیئے لیکن پھر بھی یہ امنہ کی پیاری یتیم کا ہی کام تھا۔ کہ اسے باوجود اولاد نرینہ کی موجودگی کے لڑکیوں کو وراثت کے حقوق سے متمتع کیا +

تعدّد ازواج رسمًا اور قانونًا مروّج تھا۔ بڑے بڑے انبیاء کی متعدد بیبیاں تھیں۔ ابراہیمؑ کی دو بیبیاں تھیں اور دونوں کی اولاد کے لیئے برکت کا وعدہ تھا۔ چنانچہ ان میں سے موسیٰؑ اور محمدؐ جیسے عظیم الشّان انبیاء پیدا ہوئے۔ مغرب کے یہودی تعدّد کے خلاف رہے لیکن وہ موسائی شریعت کے حکم سے نہیں بلکہ اپنے ابنیوں کے احکام کے پابند تھے۔ موسیٰ نے خود ایک سے زائد شادیاں کیں۔ متعہ جیسے مسئلہ کا رواج بھی پایا جاتا تھا۔ طلاق کے متعلّق بعد میں دو مختلف فرقے ہو گئے تھے۔ ایک کے نزدیک تو بعض جرائم کبیرہ کے ماتحت طلاق کا جواز مانا جاتا تھا۔ اور دوسرے فرقہ میں تو نہایت ہی معمُولی غلطیوں پر بھی عورت کو گھر سے نکال دینا جائز تھا۔ ربیہ نے تو یہاں تک تجاوز کیا کہ اگر کسی اور حسین عورت پر نظر پڑ جاوے اور طبیعت آجاوے تو خاوند مجاز ہے کہ اپنی عورت کو گھر سے نکال دے اور اپنی دلبستگی کے سامان سے اس کا تبادلہ کر لے +

شامیوں کے برخلاف ہلیل کے پیروؤں کے نزدیک مرد کو ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے
اس کی مرضی تھی چاہے عورت کو رکھے چاہے نکال دے۔ لیکن عورت کو اس کے مقابل مرد
پر کسی قسم کا حق حاصل نہ تھا۔ نہ وہ طلاق کی استدعاء کر سکتی نہ ہی قانون اس کا کسی طرح
سے بچاؤ کر سکتا۔ بسا اوقات جب عورت کی ذات میں دلبستگی کا سامان کافی نہ ہوتا تو والدین
کی جانب سے شادی کے موقعہ پر دولھا کو خارجی سامان روپیہ پیسہ سے راضی کیا جاتا۔
شادی سے قبل عورت مرد کے تعلق کو جواز کا حکم دے رکھا تھا۔ اور ایسے حالات میں جو اولاد
پیدا ہوتی وہ قانوناً جائز نصّو ہوتی۔ انہی باتوں کی بناء پر اگر عیسائی مؤرخین نے عورت
کی زبُون حالت کو یہودیت کی جانب منسُوب کیا ہے۔ لیکی نے اپنی کتاب "اخلاق یورپ"
میں عورت کی اِس حالت کے لیئے اور وجوہ کے علاوہ یہودی مذہب کو ایک وجہ قرار
دیا ہے۔ لڑکی کا شادی کے وقت والدین سے خرید لینا ان کے ہاں جائز تھا۔ تعدّد ازواج
قانوناً جائز تھا۔ عورت اُن کے نزدیک گناہ کا سرچشمہ تھی۔ اولاد کی پیدائش کے بعد
طہر کی عدت قائم کی گئی تھی۔ اور اس میں بھی لڑکی کی پیدائش کے موقعہ پر یہ خصوصیت
تھی کہ طہر کی عدت دُگنی رکھی گئی تھی۔

عورت کی ناپاکی میں ایک نے تو یہاں تک غلو کیا ہے کہ اُس کے نزدیک بھلی عورت
سے بُرا مرد بہتر ہے۔ عورت کا اخلاقی نمونہ بھی اگر پیش کیا گیا ہے تو وہ بھی نہایت ہی گھٹیل توریت
نے ایک عورت کی بڑی تعریف لکھی ہے۔ اور بعد میں اس کی جانب ایک نہایت ہی سفاکانہ
غداری کو منسُوب کیا ہے۔ اس اسوۂ حسنہ پر عورت کی قدر و احترام اور اخلاق کا خاتمہ ہے
کہتے ہیں کہ محبّت شادی کے معاملہ میں قیود قومی سے آزاد ہے۔ لیکن یہودی قوم کوئی
اس قسم کی پابہ زنجیر قوم ہے کہ ان کی محبّت بھی ان قیود کو نہیں توڑ سکتی۔ شادی جب
کریں گے اپنی قوم میں محبّت بھی ایسے دام ہے کہ جب ہو گی اپنی قوم کی حدُود سے
باہر نہ ہو گی +

حضرت مولٰینا مولوی صدر الدّین صاحب کا ایک اور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تازہ خط

چھ اشخاص کا مشرّف باسلام ہونا

پچھلے خط کو مَیں نے سمجھا تھا کہ اغلباً آخری خط ہوگا جو یہاں سے مَیں لکھوں گا۔ لیکن اس ہفتہ چند سطور اور لکھتا ہوں۔ اس ہفتہ چند اشخاص کو اللہ تعالےٰ نے اسلام جیسی نعمتِ عظمےٰ عطا کی۔ مجھے اور مسلمانوں کو بہت بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ ان میں ایک تو عمر رسیدہ تجربہ کار خاتون ہیں جن کا نام مسز سمتھ ہے اور دو اُن کی صاحبزادیاں ہیں۔ ان کی سب سے چھوٹی صاحبزادی بائیس سال کی ہے جو اس گھر میں سب سے پہلے مسلمان ہوئیں۔ اُن کو اسلام اختیار کیئے سال بھر کا عرصہ ہوتا ہے۔ ان کا نام فاطمہ ہے اور ہماری محبتہ مکرّمہ ہیں۔ یہ خاندان ووکنگ میں سکونت گزین ہے۔ اٹھارہ مہینے سے یہاں آتے رہے ہیں۔ ابھی ایک صاحبزادی دائرۂ اسلام میں نہیں آئی۔ اللہ تعالےٰ ان کو انشراحِ صدر عطا فرمائے۔ ان کے اسلام لانے پر ووکنگ کے تین گھر ایسے ہوجائیں گے جن کے سارے کے سارے ممبر پانچ پانچ کی تعداد میں مسلمان ہیں۔ علاوہ اور گھروں کے جن میں کہیں ایک کہیں دو کو اللہ تعالےٰ نے ہدایت بخشی ہے۔ علاوہ ان تین کے ایک بلجیم کی خاتون جو اٹلی فرانس جرمنی اور دیگر ممالک کی سیر و سیاحت کردہ ہیں۔ اور آجکل بلجیم کی تباہی کی وجہ سے اس ملک میں قیام پذیر ہیں۔ وہ اور اُن کی خورد سالہ لڑکی مسلمان ہوئیں۔ ان کو مختلف مذاہب پر غور کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ لیکن وُہ کہتی ہیں کہ اسلام کے متعلق جو کچھ بھی علم حاصل ہُوا غلط حاصل ہُوا۔ اور اب جو کچھ اسلام کے متعلق چند ہفتوں میں سُنا یا پڑھا وہ عین وہی ہے جو میری فطرت کا تقاضا ہے۔ اور جو نقشہ کسی عمدہ سے عمدہ مذہب کے متعلق میرے تصوّر میں آتا تھا وہ میں نے اس فطری مذہب میں دیکھا۔ مجھے ان کے اخلاص اور محبت پر رشک آتا ہے

ہر اتوار کرایہ صرف کر کے بمعہ اپنی صاحبزادی کے یہاں تشریف لاتی ہیں۔ چھوٹے صاحب
مسز آمینہ سیکسبی کے صاحبزادے ہیں۔ اس خاندان کے چار ممبر ہیں پہلے تین مسلمان ہو چکے تھے
اب سارا خاندان مشرف باسلام ہوتا ہے۔ اس خاندان میں بھی سب سے پہلے اُن کی صاحبزادی
مسلمان ہوئی تھیں مسجد ووکنگ میں وُہ ایک مسئلہ پوچھنے آئیں اور مسلمان ہو گئیں
اسکے بعد ان کی والدہ ماجدہ جن کی عزت میرے دل میں بہت بڑی ہے مسلمان ہوئیں
پھر انھوں نے چھ سات اشخاص کو مسلمان کیا۔ اور اپنے خاوند کو بھی مسلمان کیا۔ اب اپنے
فرزند کو بھی دائرہ اسلام میں داخل کیا ہے۔ اور بہت بڑی مسرت اور فرحت اُنکو اس سے
حاصل ہوئی ہے۔ فالحمد للہ رب العلمین۔ اللھم زد فزد۔ والسلام

(صدر الدین امام مسجد ووکنگ لندن)

بہ سفر رفتنت مبارک باد
بہ سلامت روی و باز آئی

مورخہ ۲۵۔ ماہ اگست ۱۹۱۶ء بروز جمعہ شام کو بمبئی میل میں حضرت خواجہ
کمال الدین صاحب مسلم مشنری ایڈیٹر الاسلامک ریویو ووکنگ (لندن) تشریف لیگئے
ہیں۔ احباب کیخدمت میں مؤدبانہ درخواست ہے۔ کہ اُن کے برّی و بحری ہر دو
سفر کے لئے خلوص دل سے دُعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کو بخیریت ووکنگ
پہنچائے۔ آمین ثم آمین

(مینیجر خواجہ عبد الغنی)

نوٹ:۔ حضرت خواجہ صاحب ۳ ستمبر ۱۹۱۶ء کو بمبئی سے جہاز پر سوار
ہونگے۔ اللہ تعالےٰ جناب کی حفاظت اور نصرت کرے (دُعاء اکبر)

تصحیح۔ جولائی ۱۹۱۶ء کے رسالہ کے صفحہ ۳۳۱ سطر ۱۳ میں "وہ صلہ رحمی نہ کریں" کی
بجائے "صلہ رحمی کریں" درست فرمالیں۔ تاکیداً عرض ہے

مینیجر رسالہ ھذا

ہر اتوار کرایہ صرف کر کے بمعہ اپنی صاحبزادی کے یہاں تشریف لاتی ہیں۔ چھوٹے صاحب مسز آمینہ سیکسی کے صاحبزادے ہیں۔ اس خاندان کے چار ممبر ہیں پہلے تین مسلمان ہو چکے تھے اب سارا خاندان مشرف باسلام ہوتا ہے۔ اس خاندان میں بھی سب سے پہلے اُن کی صاحبزادی مسلمان ہوئی تھیں۔ مسجد ووکنگ میں وہ ایک مسئلہ پوچھنے آئیں اور مسلمان ہو گئیں اسکے بعد ان کی والدہ ماجدہ جن کی عزت میرے دل میں بہت بڑی ہے مسلمان ہوئیں پھر اُنھوں نے چھ سات اشخاص کو مسلمان کیا۔ اور اپنے خاوند کو بھی مسلمان کیا۔ اب اپنے فرزند کو بھی دائرہ اسلام میں داخل کیا ہے۔ اور بہت بڑی مسرت اور فرحت اُنکو اس سے حاصل ہوئی ہے۔ فالحمد للہ رب العلمین۔ اللھم زد فزد۔ والسلام

(صدر الدین امام مسجد ووکنگ لندن)

بہ سفر رفتنت مبارک باد
بہ سلامت روی و باز آئی

مورخہ ۲۵۔ ماہ اگست سنہ ۱۹۱۶ء بروز جمعہ شام کو بمبئی میل میں حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری ایڈیٹر اسلامک ریویو ووکنگ (لندن) تشریف لیگئے ہیں۔ احباب کیخدمت میں مودبانہ درخواست ہے۔ کہ اُن کے برّی و بحری ہر دو سفر کے لئے خلوص دل سے دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کو بخیریت ووکنگ پہنچائے۔ امین ثم امین (مینجر خواجہ عبد الغنی)

نوٹ:۔ حضرت خواجہ صاحب ۳ ستمبر سنہ ۱۹۱۶ء کو بمبئی سے جہاز پر سوار ہونگے۔ اللہ تعالے جناب کی حفاظت اور نصرت کرے (دُعا اکبر)

تصحیح۔ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء کے رسالہ کے صفحہ ۳۳۱ سطر ۱۳ میں "وصلہ رحمی نہ کریں" کی بجائے "صلہ رحمی کریں" درست فرمالیں۔ تاکیداً عرض ہے

مینجر رسالہ ھذا

گھینگھے کی دوا

ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئی

گھینگا سخت اور بہت بڑا یا بہت دنوں کا ہو جانے سے آرام نہیں ہوتا۔ مگر تھوڑے دن کا ورم رہتے ہی علاج برابر کرنے سے چھوٹ جاتا ہے۔ ڈاکٹر برمن کی دوا ایسے گھینگھے کو آرام کرنے کا دعوےٰ رکھتی ہے۔ دوا ایک ماہ تک کرنا چاہیئے۔ اس میں صرفہ بھی بہت کم ہے۔ دوا ایک کھانے کی اور ایک لگانے کی ملتی ہے۔ جو کہ ہفتہ کے لیئے کافی ہوتی ہے۔ قیمت کھانے کی دوا (۱۲/) لگانے کی دوا چار آنے (۴/) محصول ڈاک پانچ آنے (۵/) +

دانت کے درد کی دوا۔ ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئی

لگاتے ہی درد مٹاتی ہے۔ روتے کو ہنساتی ہے ایک باریک و مضبوط تنکے یا سینگ کے سرے پر روئی لپیٹ کر اسے اس دوا میں ڈبو کے ٹھیک درد کے مقام پر لگائیے۔ اور اگر دانت کی جڑ میں درد ہو تو ذرا سی روئی ڈبو کے اس میں بھر دیں۔ فوراً درد بند ہوتا ہے۔ قیمت چار آنے (۴/)۔ محصول ڈاک ایک سے آٹھ شیشی تک چھ آنے (۶/) +

فصلی بخار و تلی کی دوا

آجکل سیکڑوں اشتہار فصلی بخار و طحال کے دوا کا آپ دیکھتے ہونگے۔ اس میں عموماً کونین ہنی ہے اس لیئے یہ دوائیں بخار کو کچھ وقت تک روک دیتی ہیں۔ لیکن آرام نہیں کر سکتیں۔ ایسے بخار کے لیئے ڈاکٹر ایس کے برمن کی فصلی بخار کی دوا چند روز میں ایک دم آرام کرنے کا دعوےٰ رکھتی ہے۔ اور عوام کا فائدہ مدِ نظر رکھ کر قیمت بھی کم رکھی گئی ہے۔ اس میں تین خاص صفتیں ہیں۔ (۱) یہ ملیریا کے کیڑوں کو مار دیتی ہے اس لیئے چار یا پانچ خوراک کے استعمال سے بخار کا آنا بند ہو جاتا ہے۔ (۲) یہ خون کو گاڑھا کرتی ہے۔ اور اسکی خرابیوں کو مٹاتی ہے۔ (۳) یہ تلی کو گلا دیتی ہے۔ قیمت شیشی کلاں ۸/ شیشی خورد ۶/ + محصول ڈاک پانچ آنے ۵/ دو شیشی چھ آنے ۶/ +

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تارا چند دت اسٹریٹ کلکتہ

غریب امیر اور بیمار اچھے اور اچھے تندرست مفلس دولتمند بے اولادے اولاد والے کسطرح ہو سکتے ہیں

تحفۂ درویش

عرف

گودڑی میں لال۔

یعنی

یہ ایک کتاب بڑے تجربہ اور آزمائشوں کے بعد چھاپی گئی ہے۔ جسکے چند فوائد ذیل میں لکھے جاتے ہیں جو ہر ایک آدمی کو اپنے پاس رکھنی چاہیئے قیمت صرف ۸ جو ستمبر سنہ ۱۹۱۶ء تک اس قیمت پر ملیگی۔ ورنہ پچھتانا ہوگا کیونکہ بہت تھوڑے نسخے ہیں

چند فوائد

بے روزگاروں کو روزگار۔
غریبوں کو دولتمند۔
بچوں اور بڑوں کو بیماریوں سے نجات۔
بیماروں کو شفا۔ بے گھروں کے گھر آباد
بے اولادوں کو صاحب اولاد۔

بے عقلوں کو عقلمند۔
دلی مرادوں کا بر آنا۔
مسافروں کو امن و امان۔
طالب علموں کی کامیابی۔
جو شخص مصیبت میں ہو اُس سے نجات پانا

سچ بولنا سکھانا۔ اچھے عمل نیکوکاری غرض یہ کتاب ایک ایسا مجموعہ ہے کہ جس کے مطالعہ سے کوئی بدقسمت ہی بشر ہو جو فایدہ نہ اُٹھا سکے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنے مقصدوں میں کامیاب نہو زیادہ تعریف فضول ہے۔ اسکو ضرور منگوائیے اور شان خدا دیکھیں کہ خدا نے اپنی کلام پاک میں کیا اثر رکھا ہوا ہے اس پر عمل کرنا کیا مفید ہوتا ہے

پتہ

محمد غیاث الدین بانس منڈی انارکلی۔ لاہور

زیر طبع

۷۸۶

خوشخبری خطبات غربیہ خوشخبری

قیمت فی خطبہ صرف (۵/) از علاوہ محصول ڈاک

جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی مسلم مشنری۔ ایڈیٹر اسلامک ریویو مجریہ ووکنگ لندن۔ یہ وہ معرکتہ الآرا خطبے ہیں جو جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنے قیام یورپ میں نا آشنایان اسلام کو اسلام سے معرف کرانے اور ان پر حقانیت اسلام متحقق کرنے کیلئے انگلستان اور فرانس اور سکاٹلنڈ کے مختلف مقامات پر سرمن۔ لیکچر اور تقریروں کی شکل میں دیئے اسکے پڑھنے سے ہر ایک شخص نہ صرف اسلام کی خوبیوں اور اُسکے اصُولوں سے ہی واقف ہو جاتا ہے۔ بلکہ دیگر مذاہب کے مقابل اسے اسلام کی افضلیت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ ان خطبوں میں سے چند خطبات ہم نے بعض احباب کی بار بار فرمائش سے اردو میں ترجمہ کرائے ہیں۔ جو اس وقت زیر طبع ہیں۔ ان خطبات کے مضامین کی لحاظ سے انھیں مختلف جلدوں میں حسب ذیل ترتیب دیا ہے:۔

سلسلہ خطبات غربیہ نمبر (۱)

مسجد ووکنگ کے ابتدائی خطبات

یہ وہ چار سرمن ہیں جنکے ذریعہ اسلام سے قطعی نا آشنا اہل انگلستان کو اسلام سے معرف کرایا گیا۔ اور انھیں چار خطبات سے جو قریبًا یکے بعد دیگرے ہوئے مسجد ووکنگ بعض غیر مسلم سکان ووکنگ کیلئے بھی مستقل معبد بن گئی۔ اور اُنھوں نے اپنے گرجاؤں کو چھوڑ کر مسجد میں آنا شروع کر دیا۔ بتفصیل ذیل:۔ (۱) "میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی"۔ (۲) خدا کی کامل تصویر۔ (۳) اسلام ہی بپتسمہ آتشین ہے۔ (۴) الہام ایک فیض ربوبیت ہے

سلسلہ خطبات غربیہ نمبر (۲)

اس میں ذیل کے چار خطبہ درج ہیں۔

(۱) توحید الٰہی (بمقام وائٹ سٹی شیپرڈ بش)۔ (۲) اللہ تعالیٰ کی تعلیم کردہ دعا (بمقام ووکنگ) سورۃ فاتحہ کی ایک لطیف تفسیر ہے۔ (۳) دعا اور استجابت دعا (بمقام ہندستانی ہال لنڈن)۔ (۴) تصوف (بمقام نوکسٹن)

سلسلہ خطبات غربیہ نمبر (۳)

خطبات عیدین۔

۶۔ ۱۱۔ ۱۰، ۶ – احباب درخواست خریداری کا رسالہ ورسلہ نمیں عجلت فرمائیں +

(۱) عمل میں آزادی (بمقام کنگسٹن ہال لنڈن)۔ (۲) قربانی اور اُسکی حقیقت (بمقام مسجد ووکنگ)۔ (۳) سُنّت ابراہیم (بمقام مسجد ووکنگ) + نوٹ :- اسمیں تیسرا خطبہ حضرت مولوی صدرالدین صاحب کی زبانِ مبارک سے نکلا ہُوا ہے +

سلسلہ خطباتِ غربیہ نمبر (۴)

موجودہ جنگ

(۱) موجودہ جنگ اور شارع اسلام (بمقام ووکنگ)۔ (۲) موجودہ جنگ اور عیسائیت (بمقام لنڈن)
(۳) موجودہ جنگ اور تہذیب (بمقام ووکنگ)

یہ تین خطبات جنگ کے چھڑنے کے دوسرے ہفتہ یکے بعد دیگرے دیئے گئے اور پھر اسلامک ریویو کے ذریعہ عام طور پر مغربی دُنیا میں پھیلائے گئے۔ انکے مضامین نے وہاں کے پبلک پریس میں ایک خاص انتشار پیدا کرکے امریکہ اور انگلستان کے بعض اہلِ قلم سے اسلام کی حمایت میں زبردست مضامین لکھوائے +

سلسلہ خطباتِ غربیہ نمبر (۵)

دہریوں اور ملحدین کو خطاب

(۱) "اسلام اور عیسائیت کے بُنیادی اصول اور انکا مقابلہ" کیمبرج کا وہ مشہور و معروف لیکچر جو ایک ملحدین کی کلب کی فرمائش پر طلبائے کیمبرج یُونیورسٹی کو دیا گیا۔ (۲) دہریوں کے لیئے ایک دلچسپ مطالعہ (الف)
(۳) دہریوں کے لیئے ایک دلچسپ مطالعہ (ب) +

دوسرا تیسرا لیکچر مسجد ووکنگ میں اتوار کے خطبات میں بعض خواتین کی فرمائش پر دیا گیا +

سلسلہ خطباتِ غربیہ نمبر (۶)

اِسلام اور دیگر مذاہب

(۱) خصوصیات اسلام (بمقام پیرس)۔ (۲) اسلام عیسائیت اور دیگر مذاہب (بمقام اڈنبرا)۔ (۳) عیسائیت اور دیگر مذاہب کی موجودگی میں اسلام کی ضرورت (بمقام لنڈن) + پہلا خطبہ وہ معرکۃ الآرا تقریر ہے جو جولائی سنہ ۱۹۱۳ء میں مقام پیرس (فرانس) مذہبی کانفرنس میں کیگئی۔ یہی وہ تقریر ہے جسکو سُنکر فضلائے یورپ کی توجہ اسلام کی طرف ہوئی۔

سلسلہ خطباتِ غربیہ نمبر (۷)

حقوق نسوان

(۱) عورت نے یہودیت سے چلکر اسلام تک کیا کیا انقلاب دیکھے + یہ وہ معرکہ کا لکچر ہے جو اعلےٰ طبقہ کی خواتین کی فرمائش پر لائسیئم کلب پکیڈلی لنڈن میں ۲۰ مئی سنہ ۱۹۱۳ء کو دیا گیا۔ اس لیکچر سے انگلستان میں فرقہ اناث کو اسلام کیطرف خاص توجہ ہوئی + (۲) ایک خطبہ نکاح جو مسجد ووکنگ میں ہوا۔ یہ خط پڑھا گیا +

مینیجر اشاعت اسلام بک ڈپو۔ عزیز منزل۔ نولکھا۔ لاہور +